دامِ لہو

(پاکستان میں دہشت گردی کے پس منظر میں لکھا گیا ناول)

حفصہ ریحان

ناشر

پاکستان پوسٹ فاؤنڈیشن، اسلام آباد

اشاعت	ء
کتاب	دامِ لہو
مصنف	حفصہ ریحان
قیمت	روپے
مطبع	پاکستان پوسٹ فاؤنڈیشن، اسلام آباد

پیش لفظ

پشاور میں رہتے ہوئے اور دہشت گردی کا ایک المناک دور دیکھنے اور پھر سانحہ پشاور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل ودماغ پہ صرف وہ نازک کلیاں ہی چھائی رہنے لگیں۔سانحہ پشاور سے کافی عرصہ پہلے ہی لکھنے لکھانے کی طرف توجہ تھی اور مختلف میگزینز وغیرہ میں چھوٹی کہانیاں لکھ چکی تھی لیکن دسمبر کے واقعہ کے بعد دل میں ایک خواہش تھی کہ اس موضوع پر لکھوں ۔ایک طرف طب کی تعلیم کا تھکا دینے والا سفر اور دوسری طرف ناول نگاری۔

بقول حسرت موہانی وہی معاملہ یہاں بھی ہوا

ہے مشق سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی
ایک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

ہمارا قومی حافظہ کمزور ہے اور ہم اپنے اوپر گزرنے والے واقعات اور حوادث کو بلکہ احسانات کو بھی جلدی بھلا دیتے ہیں ۔بھلا دینا الگ بات ، ہم ان سے سیکھتے بھی نہیں اور غلطیوں کو دہراتے پھرتے ہیں ۔میں وہ لڑکی ہوں جس نے اپنے سامنے کئی جوانوں کو بم دھماکوں اور دہشت گردی کی نظر ہوتے دیکھا اور میرا یقین کیجئے کہ دنیا میں اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر کوئی ہو ہی نہیں سکتا جب ایک باپ اپنی پچیس سال کی محنت کو کاندھے پر اٹھا کر قبرستان کا رخ کرتا ہے، جب ایک ماں اتنی تکلیف سے جنم دینے اور راتوں کو جاگ جاگ کر پالنے کے بعد اپنے لخت جگر کے بے جان جسم کو ہاتھ لگاتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی آسمان گر پڑے گا۔جیسے اس ماں کی روح بھی، ساتھ ہی پرواز کر جائے گی۔ ہمارا دین اس دنیا کا سب سے بہترین دین ہے اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے جب اس خوبصورت اور پر امن دین کے

نام پر قتل و غارت کی جاتی ہے ۔اس لئے اس ناول میں سانحہ آرمی پبلک سکول اور اس کے کچھ کرداروں کی زندگی کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے کوشش کی ہے کہ دہشت گردی کا وہ پہلو بھی سامنے لے کر آؤں جس کو بنیاد بنا کر باہر کی دنیا ہمارے مذہب کو برا سمجھتی ہے ۔نہ ہم برے ہیں نہ ہمارا مذہب اسلام برا ہے ۔بس برائی وہاں ہے جہاں مذہب کا نام استعمال کر کے اپنے ذاتی مفادات حاصل کئے جائیں ۔ دسمبر ہم سب کے لئے قیامت صغریٰ تھی ۔اس دن ہمارے گھر نہ صرف اجڑے بلکہ ہمارا مستقبل بھی داؤ پہ لگا۔جس قوم کے بچے، اپنے اساتذہ سمیت ایک ہی دن میں شہید کر دیئے جائیں وہ قوم کچھ بھی کر سکتی ہے لیکن اس سیاہ ترین دن کو بھلا نہیں سکتی ۔ ہماری ماؤں کی آہ و بکا اور ان آنسوؤں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی قوم ایسا کرتی ہے تو پھر وہ قوم دنیا میں کوئی مقام تو کیا نام رکھنے کا بھی حق نہیں رکھتی ۔

ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر وسائل کی کمی کے باوجود قلم اٹھایا اور دام لہو کی تحریر کا آغاز کیا ۔کچھ لوگوں نے عنوان پر اعتراض کیا لیکن میں اتنا ہی کہوں گی کہ جہاں بے گناہ معصوم خون بہتا ہے وہاں عنوان دام لہو ہی رکھا جانا چاہئے ۔لکھنا بظاہر آسان مگر اصلاً بہت جان فشانی اور احتیاط کا متقاضی کام ہے اور پھر یہ موضوع جس پر قلم اٹھایا میرے جیسی نوجوان ناول نگار کے لئے یہ مشکل ترین عمل ثابت ہوا ۔ اس ناول کے لکھنے میں مجھے دو سال کا عرصہ لگا اور اس موضوع پر لکھنے کے لئے یہ وقت بالکل زیادہ نہیں ہے ۔ میں جہاں گئی اور جن والدین سے ملی مجھے ایسا لگا کہ ان کی کہانی لکھنی ضروری ہے ۔میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتی کہ میں نے ساری کہانی حقیقت لکھی ہے لیکن اتنا یقین آپ کو ضرور دلا سکتی ہوں کہ میرے کردار آپ کو یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ آپ کوئی فکشن پڑھ رہے ہیں اور ان کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔میرے کردار وہی کردار ہیں جو ہمارے حقیقی ہیرو ہیں ۔ وہ کردار جنہوں نے اس وطن اور اس وطن کے باسیوں سے محبت کی ۔میرے لئے ان سب کرداروں کو لکھنا بہت مشکل تھا اس لئے کہ جب آپ کسی کردار کو لکھتے ہوئے اس سے محبت کر بیٹھتے ہیں تو کہانی ختم ہونے پر دکھ ہوتا ہے اور اتنا میں یقین دلاتی ہوں کہ میرے کرداروں کو پڑھتے ہوئے میرا ہر قاری ان سے محبت کرے گا ۔

یوں تو ہماری پوری قوم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ مل کر لڑی ہے ۔مگر میں اپنے قومی اداروں جن میں بالخصوص مسلح افواج فرنٹیئر کور، رینجرز، پولیس اور انٹیلی جنس کے ادارے شامل ہیں، کے

شاندار کارناموں کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں ۔ہم آئے دن یہ خبریں دیکھتے اور پڑھتے ہیں کہ پاکستانی فوج کے اتنے آفیسرز اور جوان دہشت گردی کی جنگ میں شہید ہوگئے ہیں ۔یوں تو یہ ایک خبر ہوتی ہے مگر اس کے پیچھے بہت سی کہانیاں پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ ہمارے بہادر سپاہیوں اور ان کی فیمیلیز نے ہماری آزادی اور سلامتی کے لئے لہو کا بہت بڑا اخراج دیا ہے ۔ یہ چوڑے چکلے سینوں والے، مضبوط ارادوں کے حامل فرض کی راہ میں مسکراتے ہوئے موت کو گلے لگانے والے ہی ہمارے قومی ہیروز ہیں ۔ان کی شہادتیں اور قربانیاں ہمارے آج اور کل کے تحفظ کی علامتیں اور ضمانتیں ہیں ۔

لکھنے کے بعد پبلشنگ کا عمل اس سے زیادہ محنت طلب اور مشکل تھا ۔سب سے بڑا مسئلہ ایک نئے آنے والے لکھاری کا ہوتا ہے ۔ بہت سے مواقع پر حوصلہ شکنی ہوجاتی ہے لیکن پھر اللہ کچھ نہ کچھ بہترین اسباب بھی فراہم کردیتا ہے اور آج الحمدللہ میرا ناول شائع ہونے جارہا ہے ۔

مجھے امید ہے ہم اپنی ماضی سے سیکھ کر اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کی سعی کریں گے ۔اپنے شہیدوں کے خون کو بھلانا ہمارے لئے موت کا پروانہ بن سکتا ہے ۔قوموں کی آبیاری جب خون سے کی جائے تو پھر قوموں پروا جب ہوتا ہے کہ اسے تناور درخت بنائے ۔

ہمارا خون بھی شامل ہے، تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کرلینا، چمن میں جب بہار آئے

اللہ سے دعا ہے ہمیں من حیث القوم اخلاقی، معاشی اور معاشرتی بلندیوں پر پہنچائے اور ہم نوجوانوں کو اس قوم کا مستقبل تابناک بنانے کی ہمت دے تاکہ ہم خود کو ناقابل تسخیر بنا سکیں ۔

آپ سب کی دعاؤں کی طلبگار

ڈاکٹر حفصہ ریحان
خیبر گرلز میڈیکل کالج پشاور
جنوری ۲۰۱۸

دام لہو اور اردو ناول نگاری

ناول کی صنف اردو میں انگریزی زبان سے آئی ۔ اردو میں پہلا ناول نذیر احمد کے مراۃ العروس کو قرار دیا گیا جو اصلاح احوال پر مبنی تھا ۔ اس کے بعد اردو میں جس ناول نے دھوم مچائی ۔ وہ امراؤ جان ادا تھا جو ایک طوائف کی کہانی تھی ۔ یہ بھی سماج کے اس تاریک رخ پر قاری کو دعوت فکر دیتا تھا ۔ اسی دوران مولوی عبدالحلیم شرر کو تاریخی ناول نگار کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ جس کے بعد اردو میں معاشرے کی دیگر کہانیوں کو ناول کے روپ میں ڈھال کر پیش کیا جانے لگا ۔ ناول زندگی کا عکس ہوتا ہے ۔ یعنی ناول کی کہانی انسانی معاشرے کا عکس پیش کرتی ہے ۔ چنانچہ اس تعریف کے تحت فارمولا داستانوں کی جگہ ناول نے بڑی آسانی سے لے لی ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو میں ناولوں کی اکثریت خواتین ناول نگاروں کی رہین منت ہے مگر آگ کا دریا اور راجا گدھ، ٹیڑھی لکیر اور دشت سوس کو چھوڑ کر خواتین کے حوالے سے کسی بڑے ناول کا ذکر نہیں ملتا ۔ جس کی وجہ ناقدین نے خواتین کے محدود مشاہدہ اور تجزیاتی کوشش کا فقدان قرار دی ہے ۔ ان کی واقعیت نگاری پر جذباتی رنگ غالب ہوتا ہے ۔ ۔ شاید یہی باعث ہے کہ ہماری خواتین ناول نگاروں نے زیادہ تر بند دروازوں کے پیچھے جنم لینے والی کہانیوں اور واقعات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ۔ ان کے ہاں محبت کی تکون بار بار، چولے بدل بدل کر سامنے آتی ہے ۔ نسائی سوشیل جذبوں اور رشتوں کے درمیان پائی جانے والی کشش، ذہنی کشمکش اور خاندانی چپقلش یا رنجشوں کا، محبت کی کہانیوں پر اثر انداز ہونے کا بیان زیادہ ملتا ہے ۔

میرے پیش نظر ناول دام لہو کے چند ابواب ہیں جن کا میں ابھی مطالعہ کر کے لکھنے بیٹھا ہوں ۔ ناول کے نام میں لفظ دام ذو معنی ہونے کے باعث دلکش اور تجسس آفریں ہے ۔ دام کہ جس کے ایک معنی قیمت اور دوسرے معنی جال کے ہیں ۔ ناول کے نفس مضمون کے اول الذکر معانی زیادہ صادق آتے ہیں ۔ کیونکہ خودکش بمباروں کا لہو کہیں جنت کا لالچ دے کر خریدا گیا تو کہیں غربت کے مارے والدین سے براہ راست ان کے یکے از پسران کا سودا کر لیا گیا ۔ دام لہو کی ترکیب لہو کے جال کی تمہید بھی پیش کرتی ہے ۔ وہ لہو جس کے جال میں انسانی جسم محصور ہے ۔ خودکش بمبار کی کامیاب کاوش اس جسم کو دام لہو سے آزاد کر دیتی ہے ۔ بہر حال ہر دو مفاہیم کے اعتبار سے یہ نام اس ناول پر موزوں آتا ہے ۔ یہ ناول پاکستان

میں پچھلی صدی کی آخری دھائی سے شروع ہونے والی مذہبی شدت پسندی اور دہشت گردی، خاص طور پر جنت نظیر سوات وادی پر طالبانی استبداد کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ ناول بھی ایک خاتون کے موء قلم کا شاہکار ہے۔ میری معلومات کے مطابق حفصہ ریحان کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ جس کا اظہار ناول کے منظر نامے کی بنت سے بار بار ہوتا ہے۔ حفصہ نے اس ناول کی کہانی کا انداز فلمی سکرپٹ کے انداز میں کیا ہے۔ شاید ان کے ذہن میں پلاٹ کی تشکیل کے وقت اس کو ڈرامانے کا خیال بھی پیش نظر رہا ہو۔ اسی لئے ناول میں ایک ہی وقت میں باری باری مختلف کرداروں کی تخلیق اور تعارف کے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ یہ وہ چھوٹی چھوٹی نہریں ہیں جنھیں بالآخر اپنے بہاؤ کی مجبوری کے باعث ایک ہی دریا میں گرنا ہے۔ جن کی بدولت ڈاکٹر شکیل کا کردار جو شکیل آفریدی کی یاد دلاتا ہے۔ مصنفہ نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جن کی بدولت بہت سے مجاہد اللہ اور شکیل شکار کر کے اسلام اور پاکستان دشمن قوتوں نے بڑی آسانی سے اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کی۔ اس ناول میں سماجی اور معاشرتی حوالے سے مختلف طبقات کے جذبوں اور مقاصد حیات کو بھی ہائی لائٹ کیا گیا ہے۔ پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمن کس طرح معصوم اور محب الوطن نوجوانوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں اور اس آسانی کی وجہ ہماری معاشرتی زندگی کا مذہبی اور معاشی پہلو ہے جس کے باعث ہمارے نوجوان کبھی مجاہد اللہ اور کبھی شکیل بن کر اس دہشت گردی کا ایندھن بنتے ہیں۔ ناول نگار نے بڑے خوبصورت اور دلپذیر انداز میں اپنے عہد کی تاریخ کا نقشہ کھینچ کر اسے آنے والی نسلوں کے لیے ماضی کے ایک تلخ باب اور سبق آموز کہانی کے طور پر محفوظ کر دیا ہے۔ اس ناول کے مطالعے کے دوران مجھے مصنفہ کی جس تکنیک نے زیادہ متاثر کیا وہ ہے ان کی واقعاتی حقیقت اور حقیقت نگاری۔ ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے الگ الگ ابواب کا قیام ہر چند بعض موقعوں پر قاری کی توجہ کو تقسیم یا یکسوئی کو متاثر کرتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے قاری کو واقعات کے ساتھ ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب ہے۔ بہتر ہوتا کہ ایک ساتھ مختلف خاندانوں کے تعارف اور ان کی تفصیل کو ایک دو ابواب میں سمو دیا جاتا۔ اس سے قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا۔ بہر حال اس پہلو کو اگر ہم نظر انداز کر دیں تو بھی اس ناول کا لکھا جانا اپنے تئیں ایک اہم واقعہ ہے۔ جیسا کہ شروع میں ہم نے کہا کہ شاید مصنفہ کے ذہن میں یا لاشعور میں کہیں اس ناول کے ڈرامائے جانے یا فلمائے جانے کی خواہش رہی ہو۔ لیکن یہ بات بہت خوش آئند اور ناول کے مجموعی تاثر کے لیے بہت مثبت و موثر ہے کہ واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے ڈراما کی صنف سے مدد نہیں لی گئی۔ بلکہ ایک متوازن رفتار کے ساتھ کہانی آگے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھتی ہے۔ وہ بات کو گھما پھرا کر بیان کرنے کے بجائے حقائق کو جن سے کہ قاری بھی آشنا ہے، ان کا بیان اس سادگی سے کرتی ہیں کہ واقعات میں

تحرک اور کرداروں میں جان پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مصنفہ کا تعلق اسی علاقے سے ہے اور انھیں بات کہنا بھی آتی ہے۔ اس لیے اپنے زمان و مکان کے حوالے سے، رونما ہونے والے اس سانحے کی تصویر کشی بھی انھی کا فریضہ تھی۔ جسے مصنفہ نے بہت احسن طریقے سے ادا کیا ہے۔ تحریر کے تمہیدی پیرے میں جو میں نے ناقدین کی اس رائے کا ذکر کیا تھا جس کے مطابق خواتین کے محدود مشاہدہ اور تجزیاتی کوشش کا فقدان ان کے اچھا ناول نگار ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ان کی واقعیت نگاری پر جذباتی رنگ غالب ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس سلگتے ہوئے موضوع زماں پر لکھا گیا، حفصہ ریحان کا یہ ناول کردار و واقعات فرضی ہونے کے باوجود زمینی حقائق، مشاہدات اور تجربات کی گہری آمیزش سے متصف ہے۔ جو ناول نگار کا قابل ذکر ہنر اور ناول کی قابل بیان خوبی ہے۔ اس جرأت آمیز کاوش پر مصنفہ تحسین و آفرین کی حقدار ہیں۔ امید ہے کہ اس ناول کو خیبر پختون خواہ کے علاوہ پاکستان بھر سے بہت سے قاری میسر آئیں گے۔

محمد ظہیر بدر
ناول نگار، ماہر تعلیم

مقام دوست، لاہور

حفصہ ریحان کا دام لہو

حفصہ ریحان صاحبہ کا دام لہو کا میں مستقل قاری ہوں۔افواجِ پاکستان کے ترجمان ہلال میگزین میں بڑی باقاعدگی سے اسے پڑھتا رہا ہوں، یہ بہت ہی زندہ تحریر ہے جو زندگی کے گرد گھومتی ہے۔اس کا محور انسانی حیات، سکون اور امن ہے۔چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مفہوم اس تحریر کی اضافی خوبی ہے۔

دام لہو ایک فرد یا گھر کا نہیں پورے معاشرے کا نوحہ ہے۔اس کہانی کا مرکزی خیال امن اور بھائی چارہ ہے، محبت اور خلوص کی تبلیغ ہے، خارزارِ حیات کو جنت نظیر سے بدل دینے کا عزم بھی۔زیر نظر دام لہو کی مصنفہ حفصہ ریحان کا تعلق اس علاقے سے ہے جو براہ راست دہشت گردی کے گرداب میں ہے۔اس حوالے سے یہ ایک مشاہداتی تحریر ہے۔تجربات اور حقائق کی آمیزش سے جنم لینے والی ایک ایسی کہانی ہے جس میں بڑی مہارت سے اور سادہ لفظوں میں آزادی جیسی نعمت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے باور کرایا گیا ہے کہ آزادیاں خیرات میں نہیں ملتیں اور دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والوں کی فکر اور سوچ بھی اپنی نہیں رہتی اور نہ ہی خود پر اختیار رہتا ہے۔مثلاً ''وہ جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا لیکن جتنی جلدی وہ جانا چاہ رہا تھا اتنی ہی اسے دیر ہو گئی تھی۔وہ مزدور تھا اور مزدور اپنے فیصلے خود کہاں کرتا ہے۔اس کی قسمت تو مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔'' ناول نگار کا مرکزی خیال کچھ یوں ہے کہ کس طرح نوجوان نسل کی برین واشنگ کر کے اُنہیں ملک اور قوم کے خلاف استعمال کرنے کی سازشیں کی جاتی ہیں جن کا تدارک کرنا ہم سب کا فریضہ ہے۔

جبار مرزا

صحافی، دانشور

اسلام آباد

دامِ لہو۔ایک اہم موضوع پر لکھا گیا ناول

ناول 'دامِ لہو' حفصہ ریحان کی پہلی تصنیف ہے۔انہوں نے اس ناول کے ذریعے دہشت گردی کے لئے نوجوانوں کو ورغلانے سے متعلق معاملے پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح سے بعض ملک دشمن عناصر مذہب کے نام پر نوجوان نسل کو انتہا پسندی کی جانب مائل کر کے اُنہیں اپنی ہی قوم اور وطن کے خلاف استعمال کرنے میں ملوث ہیں۔یقیناوہ مدارس اور تعلیمی ادارے جو خالصتاً مذہبی اور دینی تعلیمات دیتے ہیں،ان کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں،لیکن ایسے لوگ جو مذہب کی بنیاد پر دشمن کے آلہ کار بنتے ہیں اُن کی نہ صرف نشاندہی ضروری ہے بلکہ عوام الناس کو بھی آگہی پہنچانا لازمی ہے تا کہ وہ خود اور اُن کے بچے ایسے عناصر کا آلہ کار نہ بنیں۔

میں حفصہ ریحان کو اُن کے ناول کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس تصنیف کے ذریعے انتہائی اہمیت کے حامل موضوع کو چُنا اور لوگوں میں شعور پیدا کرنے میں کردار ادا کیا ہے، جو یقینا قابلِ تعریف ہے۔میری دُعا ہے وہ آئندہ بھی ایسے قومی اور ملی موضوعات پر قلم اٹھاتی رہیں۔

یوسف عالمگیرین
مصنف،کالم نگار
راولپنڈی

ـــــــــــــــــــــ کدھر کھوئے ہو مجاہد؟؟ حیدر نے پیچھے سے آ کر پوچھا۔

ادھر ہی تو بیٹھا ہوا ہوں ۔ اسنے مڑے بغیر جواب دیا۔

گھر میں سب کیسے تھے؟؟؟

گھر؟؟؟؟ اسنے حیرانگی سے حیدر کی طرف دیکھا۔

ہاں یار گھر۔ تم گھر گئے تھے۔ آج پانچ دن بعد ہی تو آئے ہو۔ حیدر مسکراتے ہوئے بولا۔۔

ہا۔۔ہاں ہاں گھر گیا تھا میں۔۔وہ بوکھلاتے ہوئے بولا۔

تو وہی پوچھ رہا ہوں نا کہ گھر میں سب کیسے ہیں؟؟

سب ٹھیک تھے۔۔ہاں ہاں سب ٹھیک تھے۔۔وہ ٹھنڈے موسم میں بھی ماتھے سے پسینہ ہٹاتے ہوئے بولا۔

تمہیں کیا ہوا ہے مجاہد؟ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟؟

میں؟؟؟ نہیں۔۔میں۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔وہ بہت مشکل سے بولا۔

تم بتائے بغیر چلے گئے تھے اور وہ بھی رات کو۔۔گھر میں خیریت تھی نا؟؟؟ حیدر کو بھی اسکا رویہ پریشان کر رہا تھا۔اسلیے وہ ادھر اُدھر سے سوالات پوچھتا رہا۔

ہاں میں کہہ رہا ہوں نا کہ سب خیریت تھی۔۔بس میں ویسے ہی گیا تھا۔اسے تھوڑا سا غصہ آیا۔

اب تم جاؤ یہاں سے۔۔میں تھوڑی دیر میں آ جاؤنگا۔

لیکن کیوں یار؟؟ تم بھی چلو نا میرے ساتھ۔۔ناشتے کا وقت بھی ہونے والا ہے۔۔حیدر سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔لیکن وہ بتا نہیں رہا تھا

ہاں ٹھیک ہے۔۔بس تم جاؤ۔میں ناشتے کے لیے آ جاؤنگا۔۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ حیدر اسکی پریشانی کے بارے میں اس سے کچھ پوچھے۔

اچھا ٹھیک ہے۔حیدر جانے کیلیے اُٹھ گیا۔لیکن وہ جان چکا تھا کہ کوئی نہ کوئی پریشانی ضرور ہے لیکن یہ بات مجاہد کے لیے اطمینان کا باعث ضرور تھی۔حیدر ناراض ہی سہی لیکن وہاں سے اُٹھ گیا تھا۔

اس تا حدِ نگاہ پھیلے ہوئے میدان کے اس کونے میں وہی ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا جس پر اس وقت وہ بیٹھا ہوا تھا۔یہ جگہ اسکی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک تھی۔لیکن آج وہ پانچ دن بعد یہاں آ کر بیٹھا تھا۔ اور سب کی نظر میں وہ پانچ دن اپنے گھر گزار کر آیا تھا پر یہ صرف وہی جانتا تھا کہ وہ پانچ دن کہاں گزار کر آیا ہے لیکن ایک قفل تھا جو اسکی زبان پر لگا دیا گیا تھا۔بہت بے بس کر دیا گیا تھا اسے۔۔بے بسی کی

ایسی سلاخیں تھی جسکے پار ایک تباہی تھی۔ہولناک تباہی۔ اسکے اپنے خاندان کے گیارہ افراد کی تباہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔ذہن میں یادوں کے دریچے وا ہوئے۔۔۔۔۔۔۔

وہ آج جلدی گھر پہنچنا چاہتا تھا۔لیکن جتنی جلدی وہ جانا چاہ رہا تھا اتنی ہی اسے دیر ہو گئی تھی۔وہ مزدور تھا اور مزدور اپنے فیصلے خود کہاں کرتا ہے۔اس کی قسمت تو مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

وہ گھر پہنچ چکا تھا اور جانتا تھا کہ جمیلہ اسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔کیونکہ اس گھر کا چولہا فضل کی کمائی سے ہی چلتا تھا اور جس دن اسے کام نہ ملتا اس دن جمیلہ بی بی کے لیے گھر کا چولھا جلانا مشکل ہوجاتا تھا۔

ظفر کے ابا!!رات کو جب وہ لوگ سونے کے لیے لیٹے تو اس نے جمیلہ کی آواز سنی۔

کیا ہوا؟

میرا دل کرتا ہے کہ اس بار اللہ ہمیں بھی ایک بیٹی دے دے۔چار بیٹوں کے بعد اب میرا بہت دل کرتا ہے کہ ہماری بھی ایک بیٹی ہو۔اسکے لہجے میں ایک خواہش تھی

میرا بھی۔فضل آہستہ سے بولا

چار بیٹوں کے بعد اس بار جمیلہ کے امید سے ہونے پر فضل بھی کہیں دل کے کسی کونے میں بیٹی کی خواہش جگا بیٹھا تھا لیکن اس نے جمیلہ سے اظہار نہیں کیا تھا پر آج جمیلہ نے اس کے دل کی بات کردی تھی۔

اللہ نے چاہا تو اس بار ہمیں ضرور بیٹی دے گا۔۔جمیلہ نے اپنی خواہش کو الفاظ کا روپ دیا

اور اگر بیٹی نہ ہوئی تو؟؟؟فضل نے بغیر کسی وجہ کے پوچھ لیا۔

تو مجھے اللہ کے کاموں میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔میں کون ہوتی ہوں اللہ کے کام کے بارے میں بولنے والی۔اللہ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔۔وہ روانی سے بولی۔

اور وہ عورت ایک بار پھر اسے حیران کر گئی تھی۔وہ عورت اکثر ہی اس کو حیران کردیا کرتی تھی۔عورت ہی تو تھی وہ،اور عورت ہمیشہ حیران ہی کرتی ہے۔

ان دونوں کا ساتھ تقریبا پندرہ سال کا تھا۔یہ نہیں تھا کہ وہ دونوں کوئی بہت ہی زیادہ خوشگوار زندگی گزار رہے تھے لیکن اپنی زندگی میں ناخوش بھی نہیں تھے اور ویسے بھی خوشی کا تعلق دولت سے کہاں ہوتا ہے۔ایک یہی تو چیز ہے جس میں غریب امیر سے زیادہ امیر ہے۔

پندرہ سال کے عرصے میں اللہ نے ان دونوں کو چار بچے دیے تھے اور اتفاق یا خوش قسمتی یا پھر

بد قسمتی سے وہ دونوں ابھی تک اللہ کی رحمت سے محروم تھے اگر چہ نعمت سے اللہ نے انکو خوب نوازا تھا اور اس بار امید سے ہونے پر جہاں جمیلہ بی بی کے دل میں بیٹی کی خواہش جاگ اٹھی تھی وہاں فضل بھی بھی چپکے سے یہی دعا کر رہا تھا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاپا آپ کب آئیں گے؟؟ مجھے آپ کی بہت یاد آ رہی ہے۔وہ معصوم بچہ فون پر اپنے باپ سے پوچھ رہا تھا۔

بیٹا پاپا اتنی جلدی تو نہیں آ سکتے نا۔ابھی ڈیڑھ مہینے پہلے ہی تو پاپا مل کر آئیں ہیں آپ سے۔وہ اسے بہلاتے ہوئے بولے

لیکن پاپا میں آپکو مس کرتا ہوں۔وہ معصوم لہجے میں بولا۔

تو یہ تو اچھی بات ہے نا بیٹا کہ میرے بیٹے کو پاپا یاد آ رہے ہیں۔وہ ہنوز اسے بہلاتے رہے۔

تو پھر آپ آتے کیوں نہیں؟؟

آؤنگا بیٹا بہت جلدی آؤنگا اور آ کر بہت سارے دن اپنے بیٹے کے ساتھ گزارونگا۔اب خوش؟؟

نہیں پاپا یہ تو آپ ہر بار فون پر کہتے ہیں لیکن آتے نہیں ہیں آپ۔وہ انہیں پچھلے وعدے یاد دلا رہا تھا جو وہ ہر بار اس سے کر کے ہی اسے بہلا پاتے تھے۔

نہیں بیٹا اب مجھے جیسے ہی چھٹی ملے گی پاپا آپکے پاس آ جائیں گے اور بہت سارے دن بھی گزاریں گے۔

پرومس پاپا؟؟

ہاں بیٹا پکا پرومس۔۔

اوکے پاپا۔یہ لیں ماں تو ویٹ کر رہی ہیں ان سے بات کریں اور ماما کچن میں ہیں میں انہیں دے دونگا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ظفر کے ابا! میں نے ایک بات سوچی ہے۔

کیا؟

اگر اس بار ہمیں اللہ نے بیٹا دیا تو میں نے اس کو قاری ادریس کی طرح بنانا ہے۔

کیا مطلب؟ وہ حیران ہوا

مطلب یہی نا کہ میں نے اس کو قاری ادریس کے پاس بٹھانا ہے، وہ قاری بنے گا، عالم بنے گا۔دین

کی باتیں بتائے گا اور دین پھیلائے گا کیا پتہ اللہ ہمیں ایسے ہی بخش دے۔

لیکن اس دن تو تم کہہ رہی تھی کہ اللہ ہمیں بیٹی دے دے۔۔

چاہتی تو میں یہی ہوں لیکن اللہ کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔کیا پتا وہ بیٹا ہی دے دے۔

ہاں یہ تو ہے لیکن خیر یہ تو اللہ کی مرضی ہے وہ جس کو چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہے بیٹا۔جو ہماری قسمت میں ہوگا ہمیں دے دے گا چلو اب سو جاؤ مجھے صبح کام پر بھی جانا ہے۔فضل لیٹتے ہوئے بولا

ہاں ٹھیک ہے۔۔وہ بھی لیٹ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مدرسے میں ناشتے کی گھنٹی بج گئی جو اسے سوچوں کی دنیا سے کھینچ کر اذیت بھری حقیقی دنیا میں لے آئیں۔کتنی تلخ ہوتی ہیں ماضی کی یادیں۔۔۔

قاری ادریس جیسا بناؤ گی دین پھیلائے گا۔۔۔۔۔۔۔اس کے ذہن میں الفاظ گونجتے رہے جو کسی دن ماں نے اسے یہ ساری باتیں سنائی تھیں۔۔۔

اسکے چہرے پر ایک اذیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔۔۔۔۔

فضل اور جمیلہ بی بی کے چار بیٹے تھے۔سب سے بڑا ظفر گیارا برس کا اس کے بعد امان اللہ ساڑھے آٹھ برس کا پھر چھ برس کا وحید علی اور پھر تین برس کا اصغر علی۔۔۔۔۔

ہر غریب کی طرح فضل کا خاندان بھی اس کی آمدنی سے بڑھ کر تھا۔وہ غریب تھا مزدور تھا شاید اسی لیے۔اور غریب لوگ بچے سوچ سمجھ کر کہاں پیدا کرتے ہیں۔

ظفر نے گیارہ برس کی عمر سے کام پر جانا شروع کر دیا۔گھر میں بڑھتے ہوئے اخراجات نے اسے سکول کو چھٹی جماعت میں خیر باد کہہ کر مزدوری کرنے پر مجبور کر لیا تھا۔وہ بہت حساس اور فرنبردار بچہ تھا اسی لیے باپ کی پریشانی اور گھر میں تنگی کو سمجھ گیا تھا اور ایک گیارا سال کے بچے کی سمجھ کی مطابق اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ سکول چھوڑ کر کام کرنا شروع کر دے۔

وہ گیارہ برس کا بچہ بہت سمجھدار تھا۔اپنے گھر میں پھیلی غربت نے اسے اپنی عمر سے زیادہ سمجھ اور سنجیدگی دی تھی۔اور غربت ہی تو انسان کو عقل اور سمجھ دیتی ہے ورنہ بنگلوں میں رہنے اور ویڈیو گیمز کھیلنے والے بچے سمجھ کو کیا سمجھ سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاپا آپ کل جلدی گھر آ جائیں ۔عمران باپ سے فرمائش کرنے لگا
کیوں جی؟ کوئی خاص بات؟ وہ اس اچانک فرمائش پر حیران ہوئے۔
بس ویسے ہی۔
لیکن پتہ تو چلے کہ جلدی کی فرمائش کیوں کی جارہی ہے۔
پاپا میں نے اور طوبیٰ نے پلان بنایا ہے کہ ہم سب کل گھومنے جائیں گے آپ کے ساتھ۔۔وہ اپنے پلان میں طوبیٰ کا نام شامل کرتے ہوئے بولا
لیکن یہ پلان بنا کب اور کس کس نے بنایا؟؟؟
پاپا میں نے اور طوبیٰ نے۔۔
اور طوبیٰ کب اتنی بڑی ہوگئی کہ وہ پلان بنانے لگی؟؟؟وہ جانتے تھے کہ اس پلان میں طوبیٰ شامل نہیں تھی۔طوبیٰ کو تو وہ پلان بنا کر بتاتا تھا اور وہ خوش ہوجاتی تھی۔۔
ارے پاپا وہ تو بہت بڑی ہوگئی ہے ،مجھ سے بھی زیادہ بڑی ،یہ پلان اسی کا ہے۔
چلیں طوبیٰ سے ابھی پوچھ لیتے ہیں۔وہ جان بوجھ کر تنگ کر رہے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ گھومنے پھرنے کا شوق عمران سے زیادہ کسی کو نہیں ہے۔
نہیں پاپا۔۔اس سے مت پوچھیں۔
کیوں؟؟؟
پاپا وہ جھوٹ بولتی ہے۔
ہاہاہا۔۔اچھا چلو بیٹا نہیں پوچھتے جیسی تم لوگوں کی مرضی۔۔
تو آپ کل جلدی آئیں گے؟؟؟اسکی آنکھوں میں خوشی تھی
کوشش کرونگا بیٹا۔۔
کوشش نہیں نا پاپا آپ نے ضرور آنا ہے۔
اور نہ آ سکا تو؟؟
تو پھر میں آپ سے ناراض ہوجاؤنگا۔
تم یا طوبیٰ؟؟؟؟انہوں نے مسکراتے ہوئے حیرت سے پوچھا
پاپا ہم دونوں۔۔۔
لیکن یہ پلان تو طوبیٰ کا ہے تو ناراض بھی اسے ہی ہونا چاہئے۔وہ اسے پھنساتے ہوئے بولے۔
پاپا!میں آپ سے ناراض ہوں۔وہ انکے تنگ کرنے پر منہ بناتے ہوئے بولا

ہاہاہا۔۔اچھا اچھا نہیں تنگ کرتا ۔آ جاؤنگا کل جلدی انشا ءاللہ۔۔

یا ہووووووو۔۔۔۔تھینک یو پاپا۔۔میں ابھی جا کر طوبیٰ اور ماما کو بتاتا ہوں۔وہ خوشی سے چلاتے ہوئے بھاگا

اچھا سنو تو۔۔۔۔۔۔انہوں نے پیچھے سے بلایا

بیٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عمران۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن وہ جا چکا تھا۔

گھومنے پھرنے کی خبر سن کر وہ کہاں رکنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تائی وجیہہ سے بات کرنی ہے مجھے ۔آپ کی اجازت چاہتا ہوں؟؟وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں بولا۔

لیکن بیٹا ابھی تھکے نہیں ہو تم لوگ؟؟نصرت چچی حیرانگی سے مسکرائی۔

نہیں امی اب تو رومی بھیا نہیں تھک سکتے۔۔ملیحہ نے باورچیخانے کے اندر سے آواز لگائی۔وہ بڑے ابا کیلیے چائے بنا رہی تھی۔

تائی زیر لب مسکراتے ہوئے وجیہہ کو بلانے چلی گئی جو ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے دلہن کے ان بھاری بھرکم کپڑوں سے جان چھڑا کر لیٹ گئی تھی۔

صارم صحن میں جا کر میز کے گرد پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

سراج علی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔بڑا سفیر علی اس سے چھوٹی فاخرہ اور سب سے چھوٹا شیر علی۔سراج علی کو باپ کی طرف سے ترکے میں کچھ زمیں ملی تھی جس پر کھیتی کر کے وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے تھےلیکن پھر ایک دن انکی اچانک وفات کے بعد اس خاندان پر معاش کے لحاظ سے کافی مشکل وقت پڑا۔سفیر اس وقت بارہویں جماعت کا طالبعلم تھا۔اسوقت کے حالات میں اس نے اپنی ماں کے مشورے سے ملک سے باہر جا کر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔شیر علی کو آگے پڑھانا اسکا خواب تھا اور ابھی فاخرہ کی شادی بھی کرنی تھی۔اپنے باپ کے ایک واقف کار کے زریعے ایک ایجنٹ سے بات کی اور کچھ زمین بیچ کر ویزا حاصل کر لیا۔محنتی تو وہ تھا ہی۔وہاں جا کر محنت کی تو گھر کے حالات بھی سدھرنے لگے۔شیر علی کی پڑھائی بھی چلتی رہی اور فاخرہ کا جہیز بھی جمع ہوتا رہا۔آخر وہ وقت بھی آ گیا جب شیر علی نے اپنی پڑھائی مکمل کر لی اور اچھی نوکری بھی حاصل کر لی۔اور پھر جب فاخرہ بھی عزت سے اپنے

گھر سدھار گئی تو فضیلت بیگم کو سفیر کی دلہن بھی گھر لانے کی فکر ہوئی ۔وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ماں کی ضد کے سامنے اسکی چل نہ سکی اور غزالہ اسکی زندگی میں شامل ہو گئی۔شادی کے دو مہینے بعد وہ قطر اپنے کام پر واپس چلے گئے ۔غزالہ ایک بہت اچھی بہو ثابت ہوئی تھی۔اپنی ساس کو اس نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا لیکن یہ قسمت ہی کی بات تھی کہ اس شادی کے ڈیڑھ سال بعد ہی فضیلت بیگم کو بھی اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔غزالہ کی گود میں اسوقت چھ ماہ کی بچی سمیحہ موجود تھی ۔ماں کی تدفین پر آیا تو سدا کے دردمند سفیر کو اپنے چھوٹے بھائی شیر علی کی فکر ہوئی کیوں کہ اس بار وہ غزالہ اور بچی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔کافی صلاح مشورے کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ شیر علی کی شادی غزالہ کی چھوٹی بہن زبیدہ سے کر دی جائے ۔شیر علی نے تو اپنے سارے فیصلے پہلے ہی اپنے باپ جیسے بڑے بھائی کے ہاتھ میں تھما دیے تھےاور یوں زبیدہ شیر علی کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

سفیر علی کو اللہ نے چار اولادیں دی تھی۔سب سے بڑی سمیحہ اسکے چار سال بعد وجیہہ پھر دو سال بعد ہاشم اور اسکے ڈیڑھ سال بعد ملیحہ۔

شیر علی کو اللہ نے دو بیٹوں سے نوازا تھا۔بڑا صارم اور ساڑھے چار سال بعد ریحان ۔اسکے بعد اللہ نے انہیں مزید اولاد نہیں دی۔۔

شیر علی کی شادی کے چار سال بعد دونوں بھائیوں نے رقم جمع کی اور مشترکہ طور پر شہر پشاور میں گھر کیلیے ایک پلاٹ لیا اور اس پر اچھا سا گھر بنا لیا۔پچھلے والے پورشن میں شیر علی اپنے بیوی بچوں سمیت رہنے لگا اور اوپر والا پورشن کرائے پر چڑھا دیا گیا۔

سفیر علی باہر رہتے ہوئے بھی اپنے بھائی اور وطن سے اتنی ہی محبت کرتا تھا۔ہر سال دو سال بعد وہ اپنے بیوی بچوں سمیت مہینہ ڈیڑھ مہینہ پاکستان گزارنے آتا ۔اس عرصے میں یہ گھر خوشیوں کا گہوارہ ہوتا ۔سارے بچے بھی بہت خوش ہوتے اور بھائی تو آپس میں اتنے خوش ہوتے جیسے برسوں بعد مل رہے ہوں۔

شادی کے تقریباً پندرہ سال بعد جب صارم ابھی چودہ سال کا تھا اور نویں جماعت میں پڑھ رہا تھا ایک دن باپ کے دفتر سے اسکے گھر پر فون آیا کہ شیر علی کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے اور ہسپتال پہنچایا گیا ہے انہیں۔وہ اپنی ماں کو لے کر بھاگا بھاگا ہسپتال گیا۔وہاں اسکے باپ کے دوست بھی تھے۔اسکا باپ

انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل تھا۔ وہ اور اسکی ماں وارڈ کے باہر رو رو کر اللہ سے شیر علی کی صحت کی دعائیں مانگتی رہے اور اندر ڈاکٹر اپنی کوشش کرتے رہے لیکن فرشتہ اللہ کی طرف سے کچھ اور زمہ داری لے کر آیا تھا۔

اور پھر چار گھنٹے کے طویل اور جان لیوا انتظار کے بعد انہیں وہ خبر سنا دی گئی جس کو سننے کے لیے نہ کان تیار تھے اور نہ ہی روح راضی تھی۔

شیر علی کی تدفین پر سفیر اور غزالہ اپنے چاروں بچوں سمیت آئے تھے۔ ڈیڑھ مہینہ یہاں رہے اور پھر چلے گئے۔ حیدر اور غزالہ کا دل بلکل نہیں کر رہا تھا زبیدہ اور دو بچوں کو چھوڑ کر جانے کا لیکن وہاں کاروبار کا مسئلہ تھا سو انہیں جانا ہی پڑا۔ لیکن انہیں تھوڑا سا اطمینان صارم کی طرف سے تھا کہ اس چودہ سالہ بچے نے جس طرح اپنے آپ کو مضبوط بنا کر اپنی ماں کے حوصلوں کو بڑھایا تھا وہ باعث اطمینان تھا۔

آپ نے بلایا؟؟ وجیہہ بھی آ کر ریلنگ کے پاس کر آہستہ آواز میں بولی۔ اسکی آواز صارم کو سوچوں کی دنیا سے واپس کھینچ لائی۔

وہ کچھ دیر وجیہہ کی طرف دیکھتا رہا۔۔ ہمیشہ سنجیدگی کی دبیز چادر اوڑھے کیپٹن صارم شیر علی کے چہرے پر مسکراہٹوں ہی کے بسیرے تھے آج۔

ہاں بلایا تھا لیکن تم نے آنے میں اتنی دیر کر دی کہ میں نے ایک بار اپنی گزشتہ زندگی کو چھان مارا ہے اور بھول گیا ہوں کہ تم سے کیا کہنا تھا۔ وہ اسکی طرف دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ وہ سمٹ گئی۔ بھلا صارم بھی کبھی ایسے مسکرا سکتا ہے۔ وہ سوچتی رہی لیکن کچھ بولی نہیں۔

وجیہہ تم مجھ سے اتنی دور دور کیوں رہتی ہو؟؟

وجیہہ نے ایک لمحے کو حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔ یہ کیسا سوال تھا۔۔

میرا مطلب ہے کہ ریحان کے ساتھ تمھاری اچھی دوستی ہے لیکن مجھ سے تم ہمیشہ اکڑی اکڑی رہتی ہو۔۔ اسنے اپنی بات کی وضاحت دی۔

ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔۔ وہ بدستور اسے دیکھتی رہی۔

یہ نکاح واقعی تمھاری مرضی سے ہوا ہے نا؟؟؟

وہ ایک بار پھر اسکی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگی۔ یہ بھی کچھ عجیب سا سوال تھا۔ وہ خاموش رہی۔

وجیہہ مجھے امی نے کہا تھا کہ تم سے رشتے کے بارے میں رضامندی لی گئی ہے اور تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں ایک بار خود تم سے پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ اس لیے اول تو میرا اور تمھارا سامنا کم ہی ہوا ہے اور جب ہوا بھی ہے تو کبھی تم نے سلام سے آگے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ جب ہم سب گھر والے

ایک ساتھ بیٹھے ہوتے تھے تب بھی تم اکثر مجھے اگنور کر رہی ہوتی تھی ۔اکثر میری طرف سے رخ موڑ کر بیٹھ جاتی ۔ایسی ہی باتوں کے بعد مجھے لگا کہ تم شاید مجھے پسند نہیں کرتی ۔ میں تمھیں پسند کرتا تھا اور کرتا ہوں ۔تب سے کرتا ہوں جب ہم چھوٹے تھے اور تم لوگ تایا تائی کے ساتھ یہاں چھٹیوں میں آیا کرتے تھے ۔تمھیں یاد ہے نہ جب ابو اور تایا گاؤں جاتے تھے تو تم بہت رویا کرتی تھی اور تب میں تمہیں قریبی پارک میں اپنی سائیکل پر لے جایا کرتا تھا اور تمہیں وہاں جھولے دیا کرتا تھا ۔ میری پسندیدگی تب کی ہے لیکن جب سے تم لوگ یہاں آئے ہو تمھارے رویے سے مجھے لگتا رہا کہ تم مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتی ۔جب امی نے مجھے تمھاری رضامندی کے بارے میں بتایا تو مجھے لگا تم سے پوچھے بغیر تایا تائی نے ہاں کر دی ہوگی اسلیے میں نے امی سے ضد کی کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں اور خود ایک بار پوچھنا چاہتا ہوں تم سے لیکن تایا نے ایسی کسی بات سے منع کر دیا تھا مجھے ۔وہ کہہ رہے تھے کہ سب کچھ تمھاری رضامندی سے ہو رہا ہے اور ویسے بھی اس بات کا یقین تو مجھے اسلیے بھی تھا کہ تایا تم لوگوں سے اتنا پیار کرتے ہیں وہ زبردستی تو نہیں کریگے تمھارے ساتھ لیکن پھر بھی مجھے لگ رہا تھا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتی تو ۔۔۔۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھ سے مرضی پوچھی گئی تھی ۔وجیہہ نے اسکی بات کاٹ کر کہا۔

اور تمھاری رضا سے ہوا ہمارا نکاح ؟؟

جی ۔۔یک لفظی جواب آیا ۔صارم کے چہرے پر مسکراہٹوں کے ڈھیر مزید گہرے ہوگئے ۔اس نے ایک گہری سانس لی جیسے اسکے دل سے کوئی بوجھ ہٹ گیا ہو ۔مسکراتا تو وہ اکثر تھا اور اسکی مسکراہٹ ہمیشہ اچھی بھی لگتی تھی لیکن آج مسکان کے ساتھ خوشی بھی جھلک رہی تھی ۔

پھر میرے ساتھ ایسا رویہ کیوں رکھتی تھی کہ مجھے لگتا رہا کہ میں تمہیں ناپسند ہوں ؟؟

ایسی کوئی بات نہیں ہے بس آپ ہر وقت سنجیدہ سے رہتے تھے اور باتیں بھی اتنی کم کرتے ہیں کہ میں آپ سے کیسے بات کرتی ۔ریحان تو بہت باتیں کرتا ہے بچپن سے ہی اسلیے اسکے ساتھ کافی دوستی ہے ۔اسنے اپنے رویے کی وضاحت دی جو صارم کو پریشان کر رہا تھا ۔

باتیں کم کرتا ہوں تو اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھے اگنور ہی کر دیا جائے اور یا پھر میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا ۔

پسند ؟؟؟؟وہ حیران ہوئی

ہاں پسند ۔۔۔بلکہ صرف پسند نہیں شدید پسند یا پھر ۔۔۔وہ مسکرایا ۔۔

آپ نے کبھی بتایا نہیں ۔وجیہہ حیران ہو رہی تھی ۔

صرف تمہیں نہیں بتایا۔امی جانتی تھیں اورانہوں نے تایا بتائی کو بھی بتایا تھا۔ ریحان بھی اکثرتمھارے حوالے سے تنگ کرتا تھا مجھے۔اور تایا سے تو امی نے تب بات کی تھی جب تم لوگ یہاں شفٹ بھی نہیں ہوئے تھے۔لیکن وہ بات کچھ زیادہ اہم بات نہیں تھی۔امی جانتی تھیں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں لیکن میں نے انہیں منع کیا تھا کہ کسی سے اس حوالے سے بات نہ کریں۔اگر تایا سے بات کرنی بھی ہے تو وہ یہی کردیں کہ جب تمھاری شادی کیلئے سوچا جائے اوراگر تم تایا بتائی کی مرضی سے کرنا چاہو تو میرے حوالے سے بھی سوچا جائے۔ایسا میں نے اسلیے کہا تھا کہ اگر تم کسی کو پسند کرو تو پھر میرے رشتے کو چھوڑ کر تمھاری مرضی کو دیکھا جائے۔وجیہہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور جب بھی گزشتہ زندگی میں اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچا تو صرف تمہارے حوالے سے سوچا لیکن اسکا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم پر مجھے مسلط کردیا جائے۔تمھاری خوشی زیادہ اہم تھی۔۔۔ہمیشہ اپنی زندگی میں مگن رہنے والا صارم شیرعلی آج برملا اپنی پسند کا اظہار کررہا تھااوروہ دل کے کانوں سے سن رہی تھی۔وہ مرد تھاتو برملا کہہ رہا تھاوہ تولڑکی تھی کیسے بتاتی کہ اسکے احترازاورگریز کی وجہ صارم کیلئے اسکی پسندیدگی تھی۔سنجیدگی کے خول میں لپٹا صارم کب اسکے دل میں اتر گیا تھا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔اسنے تو کبھی زیادہ باتیں بھی نہیں کی تھی اس سے۔اورپھروہ اسکی طرف سے صرف منہ موڑ کر بیٹھتی تھی کان تو اسکی آواز پر ہی ہوتے تھے۔اوراسکی پسنداتنی پرانی نہیں تھی جتنی صارم کی تھی۔ دوسال پہلے ہی سفیر علی اپنا کاروبار وہاں سے ختم کرکے پاکستان واپس آگئے تھےاوراسی گھر میں اوپر والے پورشن میں رہنے لگے تھے۔سمیعہ کی شادی توانہوں نے پہلے ہی اپنے دوست کے بیٹے سے کردی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابو---------------------------

امی------------------

نعمان--------------

شالو---------------

اس کی چیخ وپکار پر باورچی خانے میں مصروف شاہدہ اوردونوں بچے نعمان اورشائلہ بھاگتے ہوئے برامدے میں آئے۔وہ سب جانتے تھے کہ آج اسکا آٹھویں کے امتحان کا نتیجہ آنا تھا۔

کیاہوابیٹا نتیجہ کیسا آیا؟؟ماں نے جلدی سے پوچھا۔

جواب میں اس نے کچھ کہنے کی بجائے بھاگ کر ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دی۔

اورشاہدہ سمجھ گئی کہ اس کا فیصل آج پھر اسے فخر دے گیا ہے۔اس کی آنکھوں میں پانی کے قطرے

جھلملانے لگے جسے اس نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ وہ خوشی کے آنسو ہی تو تھے۔

وہ ایسا ہی تھا۔ہر خوشی کے موقعے پر کچھ کہے بغیر بھاگ کر ماں کے گلے میں بانہیں ڈال لیتا تھا۔آج بھی اس نے یہی کیا۔ماں سمجھ گئی تھی۔

بھیا اب بتا بھی دیں کہ رزلٹ کیسا آیا آپ کا؟؟؟

ننھی شائلہ نے معصوم آواز میں پوچھا۔

ارے شائلہ تمہارا بھیا فرسٹ آیا ہے --فیصل نے اسے اٹھا کر گول گول گھماتے ہوئے کہا۔۔

لو جی۔تو اس میں کونسی نئی بات ہے؟؟ آپ تو روز ہی فرسٹ آتے ہیں۔نعمان منہ بناتے ہوئے بولا

لیکن امی بھیا تو فرسٹ آئے ہیں پھر آپ رو کیوں رہی ہیں؟؟؟ ننھی شائلہ حیران ہوئی تھی کیوں کہ آج تک اس نے کسی کو فرسٹ آنے پر روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اچھا تم دونوں جاؤ اندر۔کھیلو جا کے۔فیصل نے ان دونوں کو اندر بھیج دیا کیونکہ اس کے یا شاید ہ دونوں میں سے کسی کے پاس انکے سوالوں کا جواب نہیں تھا۔کیونکہ سات سالہ نعمان اور پانچ سالہ شائلہ خوشی کے آنسو نہیں جانتے تھے۔

شائلہ مجھے لگتا ہے کہ بھیا نے ہم سے جھوٹ بولا کہ وہ فرسٹ آئے ہیں اگر وہ فرسٹ آتے تو امی کیا ایسے روتی؟؟ سات سالہ نعمان نے جیمز بانڈ کے ہیرو کی طرح گول گول آنکھیں ادھر ادھر گھماتے ہوئے مشکوکانہ انداز میں کہا۔

ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ بھیا فیل ہو گئے ہیں اس لیے امی رو رہی تھی" --شائلہ اپنی سمجھ کے مطابق دور کی کوڑی لائی تھی۔

بس پھر تو مزا آئے گا۔آج ابو آ کر بھیا کو بھی پیٹیں گے جیسے مجھے روز مارتے ہیں۔نعمان خوش ہوتے ہوئے بولا۔

لیکن تم تو سکول نہیں جاتے نا اس لیے تمہیں مار پڑتی ہے ابو سے۔بھیا تو روز سکول جاتے ہیں۔

شائلہ کو اپنے بھیا کے بارے میں نعمان کی بات بری لگی تھی اور احتجاجاً اس نے کھیلنا بند کر دیا تھا اس کے ساتھ۔

اور چھوٹا نعمان اس بات پر دل ہی دل میں خوش تھا کہ بھیا بھی آج ابو سے مار کھائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجاہداللہ------

مجاہد---------

حمزہ نے اسے ہلایا۔وہ جو اتنی دیر سے سوچوں میں مگن تھا ایک دم سے جاگ اٹھا۔

ہن۔۔۔ہاں کیا ہوا؟؟؟

مجھے تو کچھ نہیں ہوا لیکن تمہیں ضرور کچھ بڑا ہو گیا ہے۔اتنی دیر سے ناشتہ تمہارے سامنے پڑا ہے اور پڑے پڑے ٹھنڈا بھی ہو گیا ہے اور تم ہو کہ پتا نہیں کہاں گم ہو۔۔۔۔

نہیں کچھ نہیں۔۔میں کرتا ہوں ناشتہ۔۔۔اور وہ ناشتہ کرنے لگا۔

مجاہد۔۔۔۔اسنے آہستہ سے اسے پکارا۔وہ سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھنے لگا

تم ٹھیک ہو؟؟؟

ہاں میں ٹھیک ہوں۔بلکل ٹھیک ہوں۔

اچھا ٹھیک ہے۔

حمزہ کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ ناشتہ کرتے ہوئے ایک بار پھر سوچنے لگا۔

حمزہ کے منہ سے نکلنے والا نام مجاہد اسکی دماغ میں تیر کی طرح لگا تھا۔۔۔

ظفر کے ابا!رات سونے کیلیے لیٹتے ہوئے جمیلہ نے فضل سے کہا۔

ہم۔۔۔۔

بچے کا نام کیا رکھیں گے؟؟؟

جو تمہاری مرضی ہو۔مختصر سا جواب آیا۔

لیکن پہلے بچوں کے نام تو تم نے رکھے ہیں۔

تو ٹھیک ہے اس بچے کا نام تم رکھ لو۔ویسے کچھ سوچا ہے تم نے؟؟؟وہ الٹا اسی سے پوچھ بیٹھا تھا۔

ظفر کے ابا۔مجھے تو رحمت اللہ نام بہت پسند ہے۔

ھمم۔۔۔۔۔اچھا ہے۔فضل کا جواب ایک بار پھر مختصر سا تھا۔

ہم نے اللہ سے بیٹی کی دعا کی تھی کہ وہ ہمیں بیٹی دے دے،اپنی رحمت دے دے ہمیں لیکن اللہ نے ہمیں اگر بیٹا دے دیا ہے تو ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ہاں ظاہر ہے بڑا شکر ہے اس ذات کا۔

اب اللہ انشاءاللہ اسی بچے کو ہمارے لیے رحمت بنائے گا۔

انشاءاللہ۔۔۔۔۔ایک بار پھر مختصر جواب تھا۔

بچے بھی تو بہت خوش ہیں چھوٹے کو دیکھ کر۔جمیلہ کا اشارہ ان دونوں کے باقی چار بچوں کی طرف

تھا جو اس وقت دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔

بس ٹھیک ہے ہمارے بیٹے کا نام رحمت اللہ ہے ۔۔جمیلہ نے مسرت سے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

ٹھیک ہے۔فضل نے بھی تائید کی۔۔۔

اور یوں اسکا نام رحمت اللہ رکھ دیا گیا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمھارا نام کیا ہے؟؟؟؟؟

سیف اللہ۔۔۔۔۔۔اور تمھارا؟؟؟؟؟؟

مجاہد اللہ۔۔۔۔

کب سے ہو یہاں پر؟؟؟؟؟اس نے پھر پوچھا۔۔

پچھلے دو مہینے سے۔وہ مختصر سے جواب دیتا رہا۔

اچھا۔دراصل مجھے بھی تمھارے ساتھ اسی کمرے میں رہنا ہے۔منتظم نے مجھے اسی کمرے کا کہا ہے۔

تو ٹھیک ہے نا۔رکھو اپنا سامان اور جب چارپائی آ جائے تو لے لینا۔وہ تو بہت غصے میں لگ رہا تھا پتا نہیں کیوں۔

اور کتنے لوگ ہیں اس کمرے میں؟؟؟؟اس نے پھر پوچھا۔

تین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ھمم۔۔تو مطلب چار لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔خیر کوئی بات نہیں کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔اس نے اپنے ساتھ ہی سرگوشی کی۔

مجھ سے کچھ کہا؟؟؟؟؟سیف اللہ نے سر اٹھا کر پوچھا۔وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔

نہیں نہیں۔۔کچھ بھی نہیں کہا۔میں تمھارے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں جب تک میری چارپائی نہیں آ جاتی۔اسنے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

سیف اللہ نے کچھ کہنے کی بجائے اپنے پھیلے ہوئے پیر سکیڑ لیے۔اس کا مطلب تھا کہ اسے بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔

وہ کچھ کہے بغیر چارپائی پر پاوں کی طرف بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب منتظم آ کر اسے چارپائی لانے کے لیے بلاتا ہے۔اسے کہا گیا تھا کہ اس کے لیے چارپائی کا انتظام کیا جا رہا ہے اور کچھ ہی دیر میں

اسے اطلاع کر دی جائے گی۔ پھر وہ آکر چارپائی اپنے کمرے میں لے جائے۔ اسے سب سے پہلا سبق یہ دیا گیا کہ یہاں پر اسے اپنے سارے کام خود کرنے پڑیں گے۔ وہ کسی سے کوئی سہارا نہیں مانگے گا۔

وہ جہاں سے آیا تھا یہی سب اس نے وہاں بھی سیکھا تھا اور اب تک اسے جن قوائد وقوانین کے بارے میں بتایا گیا وہ اس کے لیے نئے نہیں تھے۔ اپنے سارے کام وہ پہلے سے ہی خود کرنے کا قائل تھا۔ اور کسی بھی کام کے لیے سہارا لینے کا بھی وہ قائل نہیں تھا۔ وہ اُنیس سال کا جوان لڑکا تھا۔ اپنے آپ کو خوب اچھی طرح سنبھال سکتا تھا۔ صحت کے لحاظ سے بھی وہ ایک بھرپور جوان تھا۔

اس کے انتظار کا عرصہ زیادہ طویل ثابت نہ ہوا۔ تقریباً دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ منتظم نے آ کر اسے بتایا کہ وہ اپنے لیے چارپائی لے آئے۔ ان دس منٹ کے اندر اندر وہ سارے کمرے کا ایک بھرپور جائزہ لے چکا تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے اپنی چارپائی کہاں رکھنی ہے۔ وہ اٹھ کر منتظم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جو اسے عمارت کے پیچھے سے گھماتا ہوا ایک بڑے اور خالی کمرے میں لے آیا۔ وہاں پر کچھ چارپائیاں پڑی تھی۔

ان میں سے ایک لے جاؤ اپنے کمرے میں۔ منتظم نے کہا۔

وہ چپ چاپ آگے بڑھا اور ایک چارپائی کو سیدھا کر کے اٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔۔

کھانے کے وقت آجانا اور سکون سے رہنا اپنے کمرے میں۔ کوئی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھو کہ بڑے مولانا صاحب آپس میں لڑائی جھگڑے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

ایک بار پھر اسے وہی باتیں سمجھائی جانے لگیں۔ لڑائی نہ کرنا تو اسے ایسے سمجھایا جاتا ہے جیسے وہ کوئی بہت بڑا جھگڑالو ہے اور جھگڑا کرنا ہی اس کا پیشہ ہے۔ وہ جی بھر کے بدمزا ہوا۔ کچھ بولا نہیں لیکن ناک بھوں چڑھا کر چارپائی اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ چارپائی اس نے اسی کونے میں رکھی جہاں اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ ویسے کمرے میں اس کے علاوہ چارپائی رکھنے کی اور کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ چار چارپائیاں پہلے سے کمرے میں موجود تھی اور یہ پانچویں رکھنے کے بعد تو کمرے میں صرف اتنی جگہ رہ گئی جتنی ان پانچ چارپائیوں کے بیچ میں ضروری تھی۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی جگہ نہیں بچی۔

بڑے مولانا صاحب کی ہدایات یہاں کتنی اہمیت رکھتی ہیں یہ اسے مدرسے کی دیوار کے اندر قدم رکھتے ہی پتہ چل گیا تھا۔ آج پہلی بار جب وہ مولوی ثناء اللہ سے ملا تو اسے کچھ اندازہ تو اس بات کا ہو گیا۔ ان کے کمرے سے نکل کر وہ جس جس سے ملا سب کی زبان سے کسی نہ کسی حوالے سے بڑے مولانا صاحب کا ذکر سنتا رہا۔ اسے پتہ چل گیا کہ یہاں پر سب بڑے مولانا صاحب سے کتنے متاثر ہیں۔

یقیناوہ کوئی بہت ہی پہنچی ہوئی ہستی ہوگی جن سے سب اتنے متاثر ہیں ۔اس نے دل میں سوچا۔

اس نے کمرے کے کونے میں چارپائی پر چادراور تکیہ بچھا دیااور وہیں لیٹ گیا۔وہ تھکا ہوا تھا۔اتنا سفر کر کے آیا تھا وہ آج ۔۔سیف اللہ ابھی تک وہی کتاب پڑھ رہا تھا۔اس سے کوئی بات نہیں کی۔ پتا نہیں وہ مصروف تھا یا اسے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا لیکن لگ تو بہت مصروف رہا تھا۔وہ تھکا ہوا تھا تو لیٹتے ہی نیند کی وادی میں چلا گیا۔نیند کا وہ شوقین تھا اور یہ اس کی فطرت تھی۔تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی نے اسے کندھے سے ہلایا۔

اُٹھ جاؤ مجاہد جماعت کا وقت نکلا جا رہا ہے۔

وہ گہری نیند میں تھا۔اسے تو سمجھ بھی نہیں آئی کہ کس نے اسے ہلایا ہے۔اس نے کروٹ لے کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اسے پھر کسی نے کندھے سے ہلایا اور اس بار پہلے سے زیادہ شدت سے ہلایا۔وہ ہڑبڑا کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔چند لمحے تو اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کہاں موجود ہے۔وہ آنکھیں مسلنے لگا۔کچھ ساعت بعد جب حواس بحال ہوئے تو یہاں اپنا آنا یاد آ گیا۔

جلدی سے اٹھ جاؤ مجاہد۔جماعت کھڑی ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے اور تم نے تو وضو بھی کرنا ہے۔

کتنا وقت رہتا ہے؟؟؟؟؟ یہ اس نے اس لیے پوچھا کہ وہ ہمیشہ وضو وقت دیکھ کر کرتا تھا۔اگر جماعت میں وقت زیادہ ہوتا تھا تو وہ آرام سے کرتا۔دوسری صورت میں وہ پانچ منٹ کے اندر بھی تیار ہو جاتا تھا۔

بہت کم وقت ہے۔شاید پانچ منٹ سے بھی کم۔سیف اللہ نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتر آیا۔کمرے کے دروازے سے نکلتے ہوئے اسے یاد آیا کہ اسے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ نماز اس وسیع مدرسے میں کس جگہ پڑھی جائے گی۔

سیف اللہ۔۔۔۔۔۔اس نے پیچھے سے بلایا۔وہ رک گیا۔

نماز کے لیے میں کس جگہ آؤں؟؟؟؟

وہ جو سامنے مینار نظر آ رہا ہے۔۔اسی جگہ آنا۔

اس نے مینار کی طرف دیکھا۔اسے مسجد کا مینار نظر آ گیا لیکن وہ آتے ہوئے مدرسے کے سامنے والے دروازے سے آیا تھا اور یہ مسجد مدرسے کے پیچھے کی طرف بنی ہوئی تھی اس لیے آتے ہوئے اس نے نہیں دیکھی تھی۔

جلدی سے آجانا مجاہد۔ دیر کر دی اور بڑے مولانا صاحب کو پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہو نگے ۔۔۔غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے آواز سنی۔

مجاہد۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟اور ایک مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر پھیل گئی۔۔اچھا نام تھا اسکا

وہ جلدی سے کمروں کی قطار کے آخر میں بنے ہوئے غسل خانوں میں سے ایک میں گھس گیا اور چندلمحوں میں وہاں سے نکل کر پاس میں لگے ہوئے نلکے پر ہاتھ منہ دھویا اور جلدی سے مسجد کی طرف بھاگا۔

وہ مسجد میں داخل ہوا تو نماز کھڑی ہونے والی تھی۔وہ بھی جلدی سے آخری صف میں کھڑا ہو گیا

مجاہد اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔

اسنے آہستہ سے اپنا نام دہرایا اور ایک ٹھنڈی سانس لی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاں ہاں کھینچ لو اور کھینچ لو۔نکال لو میرے سارے بال۔لیکن مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔لوگ تمہیں ہی گنجے کی بیوی کہیں گے۔بائیک پر گنجے کے پیچھے تم پر ہنسیں گے لوگ۔

ارے بابا میں نے کھینچے کب ہیں۔میں مساج ہی تو کر رہی ہوں۔وہ کافی حیران ہوئی اسکی بات پر۔

ارے واہ!یہ مساج ہے تو پھر رسیاں تڑوانا کیا ہوتا ہے؟؟؟

ارسل۔۔۔۔میں اتنے آرام سے ہی تو کر رہی ہوں۔آپ تو خوش ہی نہیں ہوتے۔وہ بہت معصومیت سے بولی۔

ارے واہ!میں خوش نہیں ہوتا یا تمہیں مجھ پر رحم ہی نہیں آتا۔ایسے کھینچ رہی ہو جیسے کوئی بھینس بندھی ہوان کے ساتھ۔۔۔وہ بھونڈی مثال دیتے ہوئے بولا۔

ہاہاہاہا۔۔۔۔وہ قہقہہ مار کر ہنسی اس کی بے تکی تشبیہ پر۔وہ ایسی ہی بے تکی مثالیں دیا کرتا تھا۔

آج ہفتے کا دن تھا اور گھر پر ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔رضا حسین اور شمیم عصر کی نماز پڑھ کر رضا کے بہنوئی کی عیادت کو گئے تھے جو پچھلے دو مہینوں سے علیل تھے اور اب انکی واپسی عشاء سے پہلے ممکن نہیں تھی۔کامران اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے نکلا ہوا تھا اور گھر میں بس وہی دونوں رہ گئے تھے۔ارسلان نہانے کے لیے جا ہی رہا تھا کہ صبا نے پیچھے سے آواز دے کر روک لیا۔اور تیل لا کر اس

کے بالوں میں مساج کرنے لگی۔اب یہ اس کا معمول بن چکا تھا۔ہر بار نہ سہی لیکن کبھی کبھی وہ اسکے بالوں میں سرسوں کے تیل کا مساج کر ہی دیتی۔ارسلان کے بال پیارے تو پہلے بھی تھے۔چھوٹے چھوٹے بال ماتھے پر آتے ہوئے بہت اچھے لگتے اس پر لیکن مساج کروا کے دھونے کے بعد تو صبا کو سب کچھ چھوڑ کر اسکے بالوں پر ہی پیار آتا تھا۔گیلے ہو کر وہ لگتے بھی تو بہت پیارے تھے۔وہ مساج کرتی جا رہی تھی اور ساتھ میں انکی ہلکی پھلکی نوک جھونک بھی چل رہی تھی۔

اب میں نے ایسا بھی نہیں کھینچا اور اتنے برے اور روکھے بال ہونگے تو کھچتے ہوئے تو لگنے گے نا۔کتنی دفعہ کہا ہے کہ نہانے سے پہلے تیل لگایا کریں لیکن آپ بھلا کیوں سنیں گے۔۔

محترمہ میرے بال بہت پیارے ہیں لیکن جو تم کر رہی ہو وہ بلکل ٹھیک نہیں ہے۔وہ چھیڑ رہا تھا

خود ہی تو کہا آپ نے کہ مساج کر دوں اور اب خود ہی شکایت بھی ہے۔وہ ناراض ہو رہی تھی۔

تو میں نے مساج کرنے کا کہا تھا یہ کب کہا تھا کہ جڑ سے ہی اکھاڑ دو۔کچھ چھوڑو ہی نہ میرے سر پر۔

میں نے کب اکھاڑا ہے؟؟ اتنے آرام سے تو کر رہی ہوں۔

ہاں ہاں۔اکھاڑ دو۔مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔شرم سے تو تم ڈوبو گی جب لوگ تمہیں گنجے کی بیوی کہیں گے۔۔

اس کی شرارت عروج پر تھی۔وہ ایسے ہی اسے چھیڑتا تھا اور اسے چھیڑنے میں اسے بہت مزا آتا تھا۔وہ کوئی بہت بذلہ سنج شخص نہیں تھا لیکن اسکے سامنے آتے ہی پتا نہیں کیوں اسے شرارتیں ہی سوجھتی تھی۔اسے تنگ کر کے وہ بہت مزا لیتا تھا۔اکثر صبح بائیک پر ساتھ جاتے ہوئے وہ بائیک کو ادھر ادھر مختلف زاویوں سے گھما پھرا کر اسے ڈراتا رہتا تھا۔اور وہ ڈر بھی جاتی تھی۔اور پھر اوپر سے صبا کا ریکشن اتنا معصومانہ اور مزے کا ہوتا تھا کہ اسکا اور دل کرتا اسے تنگ کرنے کو۔وہ اکثر ناراض ہو جاتی اور سکول کے پاس بائیک سے اتر کر روز نہیں تو ہر دوسرے دن اسے یہ دھمکی بھی دیتی کہ اب وہ سارا دن اس سے بات نہیں کرے گی اور اسے کوئی میسج بھی نہیں کرے گی۔اور کبھی کبھی تو یہ دھمکی بھی ملتی کہ اب وہ کبھی اسکے ساتھ نہیں آئے گی بائیک پر۔وہ آج ہی ٹرانسپورٹ میں بات کر کے اپنے لیے سکول کی بس لگوا لے گی اور آئندہ اسی میں آیا کرے گی لیکن اسکے ساتھ کبھی نہیں آئے گی۔

لیکن یہ دھمکی ہمیشہ دھمکی ہی رہتی۔سکول کے دروازے سے داخل ہونے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد سے وہ انتظار کرنا شروع کر دیتی کہ کب اسکا سوری کا میسج آئے گا۔کیوں کہ اسکا آفس مشکل سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہی تھا اور ہر بار جب وہ سکول کی اسمبلی سے فارغ ہو کر سٹاف روم میں آتی تھی تو اس کا میسج آیا ہوتا تھا۔ایک لمبا سا سوری اور ایک اداس سا کارٹون۔اور اس کی ساری ناراضگی جھک کر کے

اڑ جاتی ۔وہ ایک میسج اسکے لبوں پر مسکان بکھیر دیتا۔وہ اسے تنگ کرتا تھااور جانتا ہوتا کہ وہ ناراض ہو گئی سو ہر بار بنک کے دروازے پر بائیک کھڑی کرتے ہی اسے میسج کر دیتااور یہ کام وہ کبھی بھی نہ بھولتا۔دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھی وہ ایک لڑکی اسے۔

مجھے تو کوئی پرابلم نہیں ہے اگر کوئی مجھے کھلے کی بیوی کہے یا پھر مجھے کھلے کے پیچھے بائیک پر بیٹھے ہوئے دیکھے بلکہ مجھے تو بہت مزا آئے گا جب لوگ افسوس سے میری طرف دیکھیں گے۔اب چڑانے کی باری اس کی تھی۔

افسوس سے کیوں؟؟؟؟؟؟

تو ظاہر ہے لوگ مجھے آپکے ساتھ دیکھ کر بہت افسوس کریں گے نا کہ دیکھو بیچاری لڑکی کی قسمت پھوٹ گئی ہے۔اتنی پیاری ہےاور ایک گنجے کے ساتھ بیاہ دی گئی۔۔۔چچ چچ چچ۔وہ مصنوعی اداسی اپنے چہرے پر چڑھا کر بولی۔

اب ایسی بھی کوئی جنت سے اتری ہوئی حور نہیں ہوتم جو میں تمہارے ساتھ لنگور لگوں گا۔خود کو ذرا شیشے میں جا کر دیکھ لوتم۔اسکا منہ لٹک گیا تھا۔وہ اسے چڑانے میں آج کامیاب ہو ہی گئی تھی ورنہ اکثر وہ ہی جیتتا تھا۔

ہاہاہا۔۔میں نے ایسا کب کہا کہ میں حور ہوں اور آپ لنگور ہیں؟؟؟؟ میں تو لوگوں کی بات کر رہی تھی نا۔

تو تم اسی لیے کھینچ رہی ہو میرے بال تا کہ سارے نکال دو اور پھر سب کی ہمدردیاں سمیٹ سکو۔وہ واقعی چڑ گیا تھا۔

بلکل۔سو فیصد سہی اندازہ لگایا ہے اپ نے۔میرا مقصد یہی ہے۔وہ اس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔لیکن وہ انجان تھا۔

اچھا بس چھوڑ دو۔میں نہانے جا رہا ہوں۔بہت اکھیڑ لیے میرے بال۔

ارے رکیں نا ابھی تو پوری طرح اکھاڑے نہیں ہیں۔مجھے اور بھی اکھاڑنے ہیں۔وہ ہنسے جا رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔مساج ہو گیا تھا لیکن وہ ویسے ہی آہستہ آہستہ اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔اسے اچھا لگ رہا تھا اور ساتھ میں اسے غصہ بھی دلا رہی تھی۔

اچھا اچھا۔ابھی مت نہائیں۔کم سے کم آدھا گھنٹہ تو صبر کر لیں۔ابھی تو تیل لگایا ہے۔

وہ بھی تیل کی بوتل اٹھا کر اٹھ گئی۔اسے رات کے کھانے کے لیے بھی کچھ تیار کرنا تھا۔امیر لوگ نہیں

تھے ۔کچھ رضا حسین کی پنشن تھی اور کچھ ارسلان کی تنخواہ۔گھر کا گزارا اچھا چل رہا تھا۔آج بینک سے واپس آتے ہوئے وہ اپنے ساتھ مچھلی لایا تھا۔اور رات کے کھانے میں صبا کو اسی مچھلی کو تلنا تھا سو وہ تیل کی بوتل رکھ کر کچن کی طرف گئی۔ابھی اسے مصالحہ تیار کرنا تھا۔تلنا تو سب کے واپس آنے پر ہی تھا۔۔۔۔

پاپا میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔۔۔

کیوں بیٹا؟؟اب پاپا نے کیا کیا ہے؟

پاپا آپ نے کہا تھا کہ آپ بہت جلدی آئیں گے گھر۔۔لیکن آج پورا ہفتہ ہوگیا ہے آپ نہیں آئے۔

میجر شاہنواز بٹ نے آج گھر فون کیا تھا اور فون اٹھایا ہی اس کے بیٹے شہر نے۔۔وہ شہر جو اپنے باپ سے ہر فون پر لڑتا تھا۔صرف اس لیے کہ اس کا پاپا اس سے اور اس کی ماما سے پیار نہیں کرتا۔اگر کرتا ہوتا تو اتنے مہینوں بعد گھر نہ آتا بلکہ جلدی جلدی آتا جیسا کہ اس کے سب دوستوں کے پاپا آتے تھے۔ وہ تو اپنی دانست میں سمجھتا تھا کہ اس کے دوست عبداللہ اور کامران کے پاپا ان سے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں جو روز شام کو گھر آجاتے ہیں۔دوسرے نمبر پر اس نے حسن سلطان کو رکھا تھا جس کے پاپا ہر ہفتے کے دن اسلام آباد سے ان سے ملنے آتے تھے۔۔اپنے پاپا میجر شاہنواز بٹ کو اس نے آخری نمبر دیا تھا۔اور اس نمبر کے مطابق اس کے پاپا یعنی میجر شاہنواز بٹ کو اپنے بیٹے شہر نواز اور اس کی ماما عائشہ سے کوئی پیار نہیں تھا۔جو وہ مہینوں تک ان سے ملنے گھر نہیں آتے۔اگر ان کو پیار ہوتا تو وہ اس کے دوستوں کے پاپا کی طرح ان سے ملنے ضرور آتے۔

بیٹا میں نے آپ سے پرومس کیا تھا کہ جیسے ہی مجھے ٹائم ملے گا میں بھاگتا ہوا اپنے بیٹے کے پاس پہنچ جاؤنگا۔۔۔شاہنواز کو اپنا وعدہ یاد تھا۔

لیکن پاپا آپ کو پچھلے دو مہینوں سے ٹائم نہیں ملا۔آپ آئے تھے تو بھی اتنی جلدی چلے گئے تھے۔ ۔۔وہ بھی اسی کا بیٹا تھا۔

بیٹا وہ تو ایمرجنسی کال آ گئی تھی نا۔اس لیے جلدی آنا پڑ گیا تھا۔۔۔۔باپ وضاحت دے رہا تھا

پاپا صرف آپ کو ایمرجنسی میں کیوں بلاتے ہیں۔عبداللہ کے پاپا کو تو کبھی کسی نے نہیں بلایا۔

عائشہ جو کافی دیر سے صوفے پہ بیٹھی ان باپ بیٹے کے گلے شکوے سن رہی تھی دھیرے سے اس بات پہ ہنس دی۔پانچ سال کا شہر نواز نہیں جانتا تھا کہ اس کے پاپا کو اس سے اور اس کی ماما سے کیوں پیار نہیں ہے۔عائشہ جانتی تھی کہ اپنے بیٹے شہر اور بیوی عائشہ پر جان نچھاور کرنے والا شاہنواز اتنے مہینے

گھر کیوں نہیں آتا ۔اور یہ بات وہ اپنے بیٹے کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتی تھی ۔لیکن وہ بچہ تھا ۔اور بچے سمجھتے نہیں صرف دیکھتے ہیں ۔اور اس کا شہر بھی دوستوں کو دیکھ کر اپنے پاپا سے لڑ رہا تھا ۔
لیکن اس نے روکا نہیں اسے ۔بلکہ اسے لڑنے دیا ۔آخر باپ تھا اس کا ۔۔۔۔۔۔
بیٹا عبداللہ کے پاپا آرمی میں نہیں ہیں شاہنواز نے وضاحت دینے کی کوشش کی ۔
تو پاپا آپ بھی آرمی چھوڑ کر آجائیں ۔۔وہ بھی آج پورا حساب لے رہا تھا
بیٹا ابھی تو نہیں چھوڑ سکتا نا ۔۔
کیوں ؟؟؟
وہ لاجواب ہو گیا تھا ۔اور وہ ہمیشہ ہی لاجواب ہو جاتا تھا ۔اولاد چیز ہی ایسی ہے کہ بڑے بڑوں کو لاجواب کر دیتی ہے ۔اور عائشہ جانتی تھی کہ بحث میں اپنے سامنے والے کو ہمیشہ لاجواب کر دینے والا شاہنواز اپنے پانچ سالہ بیٹے کے سامنے ہر بار لاجواب ہو جاتا ہے ۔سو وہ مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اس کو بچانے آئی تھی ۔
شہر بیٹا پاپا سے اتنا لڑتے نہیں ہیں ۔۔وہ ڈیوٹی پر ہیں بیٹا ۔۔اس نے سمجھانے کی کوشش کی ۔
نہیں ماما پاپا جان بوجھ کر نہیں آتے ۔ڈیوٹی پر تو کامران کے پاپا بھی ہوتے ہیں ۔وہ آج بہت غصے میں تھا
اچھا چلو بیٹا مجھے فون دو اب ۔۔کتنی دیر سے پاپا سے لڑ رہے ہو آپ ۔اب مجھے بات کرنے دیں ۔آپ جا کے کارٹون دیکھ لو ۔
یہ لیں ماما ۔۔آپ بات کرلیں ۔
اور وہ اٹھ کھڑا ہو گیا ۔وہ غصے میں تھا ناراض تھا ۔لیکن اس وقت اس کے اٹھ جانے پر ہی شاہنواز نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا ۔وہ اپنے پاپا سے سخت ناراض تھا ۔لیکن حیران وہ اس بات پر تھا کہ اس کی ماما اس کے پاپا سے کیوں ناراض نہیں ہوتی ۔کمرے کے دروازے میں سے نکلتے ہوئے اس نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا تھا اور جی بھر کے بدمزہ ہوا تھا ۔اس کی ماما فون پہ ہنس رہی تھی ۔جانے کیوں ۔اس لمحے اپنی ماما بھی اسے اچھی نہیں لگی ۔وہ پاپا سے اتنی خوشی سے بات کیوں کر رہی تھی ۔جب کہ پاپا کو تو ان دونوں کا احساس بھی نہیں ہیں ۔اور اس خراب موڈ کے ساتھ وہ کمرے سے نکل گیا تھا ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجاہد اللہ کیا ہو گیا ہے تمہیں ؟؟؟؟؟ انہوں نے اپنی ازلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا
شکیل بھائی اب میں یہاں نہیں رہونگا ۔چلا جاؤنگا میں یہاں سے ۔مزید اب بے گناہوں کی جان

نہیں لونگا میں ۔ ۔ وہ بہت غصے میں تھا

ایسا کیا ہوا ہے مجاہد جو تم ایسے کہہ رہے ہو اور مولانا صاحب نے مجھے اتنی جلدی میں بلایا تم سے بات کرنے کیلیے ۔ ۔ شکیل حیران تھا

میں جان گیا ہوں سب حقیقت ۔ ایسی باتیں جو آپ نہیں جانتے ۔ ۔ مولانا صاحب صرف ایک دھوکہ ہیں اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن جانے کیوں رُک گیا

اس سے کیا فرق پڑتا ہے بیٹا کہ آپ کیا جان گئے ہو اور کون کیا ہے ۔ کرنا تو سب کو وہی ہوتا ہے جسکا فیصلہ ہوا ہوتا ہے ۔ ۔ وہ اپنی ازلی مسکراہٹ کیساتھ بولے

آپ نہیں جانتے شکیل بھائی آپ کچھ بھی نہیں جانتے ۔ ۔ مجاہد کے لہجے میں کافی ڈر تھا

ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتا اور تم جان گئے ہو؟؟؟ انہیں نے چائے پیالی میں ڈالتے ہوئے پوچھا

شکیل بھائی میں اس رات ویسے ہی کمرے سے نکلا ۔ نیند نہیں آ رہی تھی مجھے ۔ میں قسمت سے مولانا صاحب کے کمرے کے پیچھے کیطرف سے مڑ کر آیا ۔ وہاں روشنی جل رہی تھی ۔ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اندر جھانکا تو مجھے کچھ انجان لوگ نظر آئے ۔ بلکل انجانے جن کو میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا ۔ میں وہی کھڑے ہو کر انکی باتیں سنتا رہا اور جیسے جیسے میں سنتا رہا مجھے لگا میں زمین میں دھنستا جا رہا ہوں ۔ وہاں کپڑے کا ایک تھیلا بھی پڑا ہوا تھا ۔ وہ لوگ کہیں پر کچھ دھماکہ کرنے کی بات کر رہے تھے اور پیسوں کی کچھ بات کر رہے تھے لیکن مولانا صاحب نہیں مان رہے تھے ۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے لیکن بس یہ سمجھ پایا کہ مولانا صاحب نہیں مان رہے ۔ بھلا وہ اللہ اور رسول ﷺ کے غلام ہیں پیسے لے کر کیسے دھماکہ کر سکتے تھے لیکن یہ میری سوچ تھی جو بلکل غلط ثابت ہوئی جب میں نے دیکھا کہ مولانا صاحب کے سامنے وہ تھیلا اور اس جیسا ایک اور تھیلا انڈیلا گیا اور ان دونوں تھیلوں میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکلی ۔ مولانا صاحب کے چہرے پر اس وقت ایک ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ۔ انہوں نے پیسوں کے عوض دھماکہ کرنے کا معاہدہ کر لیا ۔ اب آپ بتائیں شکیل بھائی جب مجھے یہ پتا چل گیا ہے کہ مجھے ہی نہیں مجھ جیسے ہزاروں لڑکوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیا گیا ہے اور دیا جا رہا ہے تو میں یہاں کیسے رہوں گا ۔ ۔ ۔

جو تم نے کہا وہ سب میں جانتا ہوں اور اگر تم اسکے علاوہ بھی کچھ جانتے ہو تو مجھے بتا دو ۔ وہ بدستور اب بھی مسکرا رہے تھے ۔

کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟ وہ چیخا

آپ یہ سب جانتے ہیں؟؟؟؟؟

ہاں۔۔۔جواب مختصر تھا۔

اور آپ پھر بھی یہاں ہیں؟؟؟؟؟؟ کیوں؟؟؟؟

کیونکہ تم بھی یہاں ہو۔۔۔

لیکن میں یہاں نہیں رہونگا۔بھاگ جاؤنگا یہاں سے۔وہ تقریباً چلاتے ہوئے بولا

یہ میں نے بھی سوچا تھا لیکن صرف سوچ ہی پایا تھا۔کرنہیں پایا مجاہد۔۔شکیل زمین پر نظریں جماتے ہوئے بولے

کیوں؟؟؟؟

زندگی میں کبھی کبھی سوچ اور عمل کے درمیان اتنا فاصلہ آجاتا ہے مجاہد کہ سوچنا تو آپ کے بس میں رہ جاتا ہے لیکن عمل کرنا نہیں۔میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔میں بھی صرف سوچ ہی پایا۔تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہے تم بھی صرف سوچ پا رہے ہو۔سوچ اور عمل کے بیچ کا فاصلہ پاٹنا تمہارے بس میں بھی نہیں ہے۔انکی مسکراہٹ اب ختم ہوچکی تھی

شکیل بھائی میں اگر غلط رستے پر چلا تھا اور اب مجھے اندازہ ہوگیا ہے اور میں اس رستے کو ترک کرنا چاہ رہا ہوں تو یہ اتنا مشکل کیوں ہے۔وہ کافی پریشان تھا۔

مشکل نہیں ہے بیٹا ناممکن ہے۔۔۔

لیکن کیوں؟؟؟

کیوں کہ کبھی کبھی غلط رستے پر چلتے چلتے ہم ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں سے صرف آگے جانے کا رستہ ملتا ہے۔پیچھے کا رستہ تو وہاں کوئی ہوتا ہی نہیں ہے اور وہ آگے کا رستہ مزید غلطی اور تباہی کا ہوتا ہے لیکن اس پر چلنا بھی ہماری مجبوری ہوتی ہے۔

وہ خاموش رہا

مجاہد بیٹا کبھی کبھی زندگی میں کی جانے والی ایک غلطی کی قیمت ہم ساری زندگی نہیں چکا پاتے۔وہ غلطی ہماری زندگی تو لے سکتی ہے لیکن سدھر نہیں سکتی ہوتی۔اور اس غلطی کی قیمت کے آگے ہماری اپنی زندگی کی قیمت بہت معمولی ہوتی ہے۔سمجھ لو کہ تم بھی اپنے حصے کی وہ غلطی کر چکے ہو اور میں بھی کر چکا ہوں۔اب ہمارے پاس واپسی کا کوئی رستہ نہیں۔۔۔۔

آپ کیوں نہیں چلے جاتے یہاں سے شکیل بھائی۔آپ تو بھاگ جائیں نا۔ویسے بھی آپ کبھی ہفتے ڈیڑھ ہفتے میں ایک چکر لگاتے ہیں یہاں کا تو نہ آئیں یہاں۔آپ کیلئے تو یہاں سے نکلنے کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔اس نے اپنی طرف سے تجویز دی۔

اگر یہ میرے لیے ممکن ہوتا تو میں کب کا ایسا کر چکا ہوتا ۔۔وہ چائے کی سسکی بھرتے ہوئے بولے

آپ کیلئے ممکن کیوں نہیں ہے؟؟؟

کیونکہ میں بھی اپنی وہ غلطی کر چکا ہوں جسکے بعد واپسی کا کوئی رستہ نہیں بچتا ۔۔

میں سمجھا نہیں ۔وہ واقعی بلکل نہیں سمجھا تھا ۔بھلا انکے لیے کیا مشکل تھا یہاں سے جانا ۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے چائے کے سپ بھرتے رہے اور پھر گویا ہوئے

مجاہد بیٹا تم کیا جانتے ہو میرے بارے میں؟؟

کچھ خاص نہیں ۔

میری ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں ۔بیوی اور ماں باپ بھی زندہ ہیں ۔بہنوں کی شادی ہو چکی ہے اور میرے ماں باپ ،بیوی اور اولاد باہر کے ملک میں رہ رہے ہیں ۔بہت اچھی زندگی گزار رہیں ہیں وہ وہاں ۔بہت آسائشوں والی لیکن تب تک جب تک میں یہاں یہی کام کرتا رہوں جو ابھی کر رہا ہوں ۔مجھ پر اور میرے گھر والوں پر لمحہ لمحہ کی نظر رکھی جاتی ہے ۔ادھر میں نے کوئی ایسی کوشش کی جو تم کہہ رہے ہو یا انکی بات ماننے سے انکار کر دیا تو میرے خاندان کا نام ونشان مٹنے میں ایک سے دوسرے لمحے کی دیر نہیں لگے گی ۔میں جب یہاں آیا تھا تو تم سب کی طرح دین کی خدمت کے جذبے سے آیا تھا ۔اور میں تب بھی ڈاکٹر تھا اور یہی کام کرتا تھا جو اب کر رہا ہوں ۔پھر ایک دن مجھے بھی پتا چلا کہ میرے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے اور مجھے دین کی خدمت نہیں بلکہ ذاتی مفادات کیلیے استعمال کیا جا رہا ہے اور پھر میں نے بلکل تمہاری طرح سوچا ۔یہاں سے نکلنے کی ٹھان لی ۔لیکن مجھے فون ملا کر دیا گیا جس میں میری سترہ سال کی بیٹی کو اغوا کیا گیا تھا اور اس سے میری بات کروائی گئی ۔

وہ چند لمحے چپ رہے ۔شاید اپنی سوچوں کو مجتمع کر رہے تھے ۔

اور اسی لمحے میری ہمت دم توڑ گئی اور میں نے یہاں کے لوگوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ۔میں مجبور تھا کیا کرتا ۔میں تو شاید یہاں سے بھاگ جاتا لیکن اپنے ساتھ جڑے چھ لوگوں کی موت سہنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں ۔اور یہ ہمت تم میں بھی نہیں ہوگی ۔بیٹا لوگ کہتے ہیں کہ مرد کبھی بھی مجبور نہیں ہوتا لیکن میں نہیں مانتا ۔مرد بھی مجبور ہوتا ہے ۔باقی کسی چیز یا کسی رشتے سے نہ بھی ہوتا ہو اپنی اولاد سے ضرور مجبور ہو جاتا تھا ۔میں بھی اپنی بیٹی اور بیوی کی بے حرمتی اور اسکے بعد دردناک موت اور اپنے بیٹوں کی حسرتناک موت اور اپنے ماں باپ کی آنکھوں کے دیے نہیں بجھا سکتا تھا ۔اتنی ہمت نہیں تھی مجھ میں ۔

وہ خاموش ہو گیا ۔اس کمرے میں تھوڑی دیر گھمبیر خاموشی رہی ۔وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جس شکیل بھائی کو وہ سب بہت خوش قسمت اور خوش باش سمجھتے تھے وہ قسمت ،حالات اور مجبوری کی ایسی بھٹی

میں جل رہے ہیں جسکے ختم ہونے کی بھی کوئی امید نہیں ہے ۔ایک نہ ختم ہونے والی اندھیری رات انکی زندگی کو بھی مکمل طور پر گھیرے ہوئے ہے۔

بڑے مولانا صاحب نے مجھے کہا کہ اگر میں اگلے مشن میں انکا ساتھ دونگا اور انکا کام کرونگا تو وہ مجھے اسکے بعد آزاد کر دینگے بشرطیہ کہ میں قرآن پر حلف اُٹھاؤں کہ پوری زندگی یہ سارے راز اپنے سینے میں ہی رکھونگا۔۔۔

انہوں نے گھور کر اسکی طرف دیکھا۔ایسے جیسے اچنبھے کی بات کی ہو اسنے۔

ایسے کہا انہوں نے؟؟؟

ہاں ایسے ہی۔۔۔

پھر کیا جواب دیا تم نے؟؟؟

میں نے وہی کہا کہ اب میں کسی بے گناہ کی جان نہیں لونگا۔۔۔وہ اپنی بات پر اب بھی اڑا ہوا تھا

تو کیا کرو گے؟؟؟

میں یہاں سے بھاگ جاؤنگا۔کچھ بھی کرلونگا اور چلا جاؤنگا یہاں سے لیکن اب مولانا صاحب کی بات نہیں مانونگا۔بہت جانیں لے لی میں نے انکے لیے۔

لیکن جاؤ گے کہاں؟؟؟

یہاں سے بھاگ جاؤنگا تو کسی بڑے فوجی یا پولیس والوں سے یا پھر کسی بڑے آدمی سے مل کر یہاں کی ساری سچائی بتا دونگا اور اپنے اور اپنے خاندان کیلیے پناہ بھی مانگ لونگا۔

اور تمہیں لگتا ہے کہ وہ لوگ تمہاری مدد کرینگے؟؟؟

کیوں نہیں کرینگے۔۔۔

وہ ایک دم سے قہقہہ لگا کر ہنسے اور اتنا ہنسے کہ انکی پلکیں بھیگ گئی ایسے جیسے اس نے کوئی بہت ہی اچھا لطیفہ سنایا ہو۔جب ہنستے ہنستے تھک گئے تو اسکی طرف غور سے دیکھنے لگے۔وہ بھی کافی اچنبھے سے انکی طرف دیکھتا رہا۔ایسے قہقہے مار مار کر تو وہ کبھی نہیں ہنسے تھے۔

بہت معصوم ہو تم مجاہد اللہ۔۔۔تم نے گھر مدرسے اور یہاں کے لوگوں کے علاوہ دنیا کو دیکھا ہی نہیں ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے کہ مولانا صاحب اور ہزاروں پر مشتمل انکا گروہ جو کرتا ہے وہ ان بڑے لوگوں سے چھپ کر کرتا ہے؟؟؟ایسا نہیں ہے۔اس ملک کی ایجنسیوں کو یہاں کے پل پل کے بارے میں پتا ہوتا ہے۔تم نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی وزیر مشیر کبھی نہیں مرا اسطرح کے دھماکوں میں۔کیونکہ تمہارے مولانا صاحب کے پاس آنے سے پہلے اسی طرح کے کئی تھیلے انکے ہاں بھی پہنچا دیے

جاتے ہیں۔وہ پہلے سے باخبر ہوتے ہیں کہ آج فلاں جگہ دھماکہ ہوا ہے یا آج فلاں چوک پر معصوموں پر فائرنگ ہوئی ہے اسلیے کبھی سننے میں نہیں آیا کہ ایسا کوئی بندہ مرا ہے اور ہمارے نام کے مجاہدوں کو ایسے بندوں کو نہیں بلکہ معصوموں کی موت کا حکم نامہ ملتا ہے۔اور تم جانتے ہو مجاہد اس سب میں سب سے زیادہ فائدے میں وہ لوگ رہتے ہیں جو مذہب کے نام پر سیاست کرتے ہیں۔جو داڑھی رکھ کر وہاں لوگوں کے پیر بنے ہوتے ہیں اور یہاں سے ان معصوموں کی موت کی قیمت وصول کرتے ہیں۔اور تم یہ مت سمجھو کہ یہ صرف مولانا صاحب ہیں جو یہ سب کر رہے ہیں۔انکے پیچھے مختلف ممالک کے لوگ ہیں جو پیسے دے کر ان سے یہ کام کرواتے ہیں اور مولانا صاحب تم اور مجھ جیسے لوگوں سے مذہب کے نام پر وہی کام کروا لیتے ہیں جس کیلیے انہوں نے پیسوں کے تھیلے لیے ہوتے ہیں۔اور جس کام کیلیے ابھی تمہیں مولانا صاحب کہہ رہے ہیں تم جانتے ہو اس میں کیا ہوگا؟؟؟

کیا؟؟؟؟وہ مزید انکشافات کا منتظر ہوگیا

اس کام میں فوجی وردی استعمال ہوگی اور فوجی تمغے بھی۔اور نقلی فوجی وردی نہیں بلکہ بلکل اصلی وردی۔اور تم لوگ وردی پہن کر یہ کام کرو گے۔اور تم جانتے نہیں ہو مجاہد کہ وہ وردی کہاں سے آئے گی۔۔میں بتاتا ہوں۔۔۔

وہ چند لمحے رکے۔۔۔۔

اس کام کیلیے پہلے سے لوگوں کو خریدا جاتا ہے اور اس دنیا میں ہر مسلمان کے ایمان کی ایک قیمت ہے آج،اور جب مولانا صاحب کے بڑے وہ قیمت دے دیتے ہیں تو کوئی بھی بک جاتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور کسی کی تھوڑی کم۔کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سچے ہوتے ہیں اور کسی قیمت پر ایمان نہیں بیچتے۔اللہ کے بعد ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے یہ ملک چل رہا ہے ورنہ اس ملک نے کب کا ختم ہوجانا تھا۔فوج ایسا ادارہ ہے جو مخلص ہے اس وطن کے ساتھ۔لیکن اس پوری فوج کے اندر کوئی ایک آدھا ایسا آدمی ہوگا جس کی ایمان کی قیمت ہوگی۔وہ بھی اپنی قیمت وصول کر کے یہ وردی اور تمغے فراہم کر دے گا۔اور یہ فوجی وردی وہیں سے آئے گی۔جہاں تک میں جانتا ہوں سارے ہی فوجی چاہے وہ افسر ہو یا سپاہی وطن پر جان دینا اعزاز سمجھتے ہیں اور جان دیتے بھی ہیں لیکن مولانا صاحب اور انکے نیٹ ورک کو اپنے کام کیلیے پورے ادارے میں ایک بھی بندہ مل جائے تو انکا کام ہوجائے گا۔اور یہ لوگ ہر جگہ ایسے ہی ایک آدھ بندے کو تلاشتے ہیں۔

وہ مراسیمگی کی حالت میں انہیں دیکھتا رہا اور وہ انکشاف پر انکشاف کرتے رہے۔۔

مرتا وہی ہے مجاہد جو بے خبر ہوتا ہے۔جو کسی بازار میں سبزی بیچنے والا ہوتا ہے یا ریڑھی سجائے

چوڑیاں بیچنے والا یا پھر وہ خریدار جسکی بدقسمتی اسے اس وقت وہاں لے کر آئی تھی۔ جسے پہلے سے دھماکے کا وقت اور جگہ پتا ہوتی ہے وہ وہاں کیوں آئے گا۔ اب تم ہی مجھے بتا دو کہ جو دین راستے سے پتھر ہٹانے پر بخشش کی نوید دیتا ہو اور کسی یتیم کو کھانا کھلانے پر جنت کا حقدار ٹھہراتا ہو وہ بھلا دھماکہ کر کے کئی معصوم بچوں کو یتیم کر دینے والے کو کیسے جنت دے سکتا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی ابھی یہ باتیں سمجھ آ گئی ہیں لیکن اب وقت نہیں ہے۔ دیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے۔ تمہارے لیے اب بہتر یہ ہے کہ تم انکی اس پیشکش پر غور کر لو جو انہوں نے تمہیں دی ہے کیونکہ تم بھی کسی اور چیز سے مجبور ہو نہ ہو اپنی اولاد سے ضرور مجبور ہو گے۔ تمہارا ابھی تو ایک بیٹا ہے نا جو تم کو ابھی پہچانتا بھی نہیں ہے۔ جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اسکا باپ کس مجبوری کی سلاخوں میں جکڑا گیا ہے۔

آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شکیل بھائی۔ آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ مولانا صاحب خون بہانے کے پیسے لیتے ہیں؟؟؟

ہاں میرا یہی مطلب ہے۔ انہیں ہی کیا انکے گروہ کے سرغنوں میں سے کسی کو بھی نہ دین کی کوئی خدمت کرنی ہے اور نہ ہی انہیں دین سے کوئی لگاؤ ہے۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو وہ کسی بے گناہ کی جان کا سودا کیوں کرتے؟؟ تمہیں شاید یاد نہ ہو کہ آج سے پندرہ سال پہلے یہاں ایک مدرسے پر بم پھینک دیے گئے اور سینکڑوں معصوم بے گناہوں کی جان چلی گئی اور کہا گیا کہ وہاں اسلحہ تھا۔ وہاں واقعی اسلحہ تھا لیکن وہ کسی معصوم بچے نے نہیں رکھا تھا۔ انکو تو پتا بھی نہیں تھا کہ وہاں اسطرح کی کوئی چیز تھی۔ جنہوں نے حملہ کیا انہوں نے پہلے مولانا صاحب جیسے کسی بندے سے وہ رکھوایا اور پھر اسی کا بہانا بنا کر ان معصوموں پر بمباری کر دی۔

مولانا صاحب جیسے یا مولانا صاحب؟؟؟؟ اسنے معنی خیز لہجے میں پوچھا

مولانا صاحب نے۔۔۔

مجاہد نے ایک لمبی سانس خارج کی۔ شکیل کے انکشافات اسکے لیے قبول کرنا آسان نہیں تھے۔

مجاہد اللہ مولانا صاحب کو جب وہاں کا کام دیا گیا تو وہ کچھ عرصہ وہاں پڑھانے جانے لگے اور تم جانتے ہو کہ دلوں اور دماغوں کو اپنے قابو میں کرنے کے فن میں انہیں بہت مہارت حاصل ہے سو انہوں نے یہی کیا اور کچھ ہی عرصے میں جہاد میں استعمال ہونے والے اسلحے کی حفاظت کے نام پر کچھ اسلحہ وہاں منتقل کر دیا۔ اور جب انکا کام ختم ہوا تو اسی اسلحے کے نام پر مدرسے میں پڑھنے والے معصوموں پر ایسی بمباری کر دی گئی کہ انکے اعضا کا بھی پتا نہیں چل سکا۔ اور ایسے ہی نوٹوں سے بھرے ہوئے تھیلے تب بھی انہوں نے لیے تھے۔ اور میں تب بھی جانتا تھا اور اب بھی جانتا ہوں لیکن تب بھی کچھ نہیں

کر سکتا تھا اور اب بھی بے بس ہوں۔۔۔

وہ بلکل خاموش تھا۔ایسے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

جانتے ہو مجاہد میں نے ایک بار یہ بھی سوچا کہ اپنے خاندان کی قربانی دے دونگا لیکن مزید معصوموں کا گنہگار نہیں ہونگا لیکن جانتے ہو تب کیا ہوا؟؟

وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔۔

تب میں نے بہت رازداری سے کھوج لگایا کہ میں جا کر کس سے بات کروں اور کس سے مدد مانگوں۔لیکن مجھے مکمل طور پرنا کامی ہوئی۔ہر شاخ پر الو بیٹھا تھا جس کے سامنے کسی کی جان کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔پھر میں نے مذہبی لوگوں کا سراغ لگایا جو وزیروں اور مشیروں اور بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔میں نے سوچا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے رستے اور احکامات سے بخوبی آگاہ ہیں۔یہ لوگ میری کسی طرح سے مدد کر دینگے لیکن یہاں پر تو میں بلکل ہی مایوس ہو گیا۔انکے سامنے صرف پیسے کی اہمیت تھی۔وہ لوگ تو داڑھی رکھ کر پیسے کو خدا سمجھ بیٹھے تھے اور وہی سب کر رہے تھے جو یہاں پر مولانا صاحب کر رہے ہیں۔بس فرق یہ ہے کہ وہ حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے تھے اور مولانا صاحب یہاں رہتے ہیں۔باقی کوئی فرق نہیں تھا۔مذہب کی فکر نہ یہاں کسی کو ہے اور نہ وہاں۔یہاں بھی مذہب کے سوداگر اور وہاں بھی اسی کے نام پر لوگوں کی بے وقوفی۔یہاں سے میں نے مایوس ہو کر وہی رستہ دوبارہ پکڑ لیا جسکو چھوڑنا چاہا تھا۔اگر میں کچھ کر نہیں سکتا تھا تو اپنے چھ پیاروں کو اپنے ساتھ مروا کر میں کیا حاصل کر لیتا؟؟

وہ اب بھی انہیں اسی طرح حیرت سے ٹک ٹک تکے جا رہا تھا۔اسکے پاس پڑی چائے کی پیالی کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

تو میں سمجھ جاؤں کہ میرے پاس واپسی کا کوئی رستہ نہیں ہے۔اب ساری زندگی مجھے بے گناہوں کی جانیں ہی لینی ہیں۔۔اسکے لہجے میں ایک لٹا ہارا ہوا مسافر بولا تھا۔

لیکن تم نے تو ابھی کہا ہے کہ مولانا صاحب نے تم سے کہا ہے کہ اگر تم اگلا ایک مشن انکی مرضی سے کرلو تو وہ تمہیں جانے دے سکتے ہیں۔۔۔

آپ کو لگتا ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں؟؟ اسکی مسکراہٹ بہت تھکی ہوئی تھی

اگر انہوں نے کہا ہے تو وہ ضرور ایسا کر سکتے ہیں۔کیوں کہ کچھ بھی ہے ایک بات کی گواہی میں ضرور دونگا کہ مولانا صاحب جھوٹ نہیں بولتے۔وہ زبردستی بھی تم سے کوئی کام کروا سکتے ہیں اور وہ واقعی ایسا کر بھی سکتے ہیں لیکن اگر انہوں نے تمہیں پیشکش کی ہے تو میرا خیال ہے کہ تم غور کر لو اس پر۔۔پہلے

اچھی طرح سے حالات کا جائزہ لے لو۔ہر زاویے سے۔اس کے بعد فیصلہ کرنا۔۔
مجاہد وہاں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اسکے حالات تو بلکل ہارون جیسے ہو گئے تھے۔کسی نے اس سے کہا تھا کہ ہارون جیسا مت بننا بیٹا
لیکن وہ ہارون جیسا ہی بن گیا تھا۔۔۔

جمیلہ اسے عالم دین ہی بنانا چاہتی تھی سوان دونوں نے اسے سکول داخل کرنے سے پہلے قاری ادریس کے پاس بٹھانا چاہا۔۔۔رات کو انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے قاری صاحب کے پاس بھیجنا شروع کر دیا جائے اور سکول میں جب داخلوں کا موسم آئے گا تو اس بار اسے داخل کر دیں گے لیکن اس میں ابھی سات مہینے کا عرصہ رہتا تھا۔۔

اور اگلے دن تو نہیں ہو سکا البتہ اس سے اگلے دن فضل نے ٹھیکیدار سے جلدی چھٹی لے لی تھی اور گھر آ کر رحمت کو گھر کے قریب والی مسجد میں لے گیا تھا جس کی امامت قاری ادریس کرتے تھے۔بہت ہی بردبار اور عزت دار انسان تھے۔گاؤں کے لوگ انکو قاری صاحب ہی بولتے تھے۔فضل اور بچے اسی مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے۔

یہ اصل میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کو نماز کے اوقات کے علاوہ مدرسے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔محلے کے اکثر بچے قاری ادریس سے قرآن کا سبق پڑھنے آتے تھے اور قاری ادریس ایک بار صبح اور ایک بار عصر میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔جو بچے سکول جاتے تھے وہ عصر کی نماز کے بعد پڑھ لیتے تھے اور جو سکول نہیں جاتے وہ صبح پڑھ لیتے۔اس طرح سے مسجد کا صحن بھی تنگ نہ پڑتا اور محلے کے سارے بچے پڑھ بھی جاتے۔

گاؤں کے لوگ قاری صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔وہ تھے ہی اتنے اچھے۔ہر کسی سے عزت سے ملتے تھے۔کبھی فضول بات نہ کرتے۔نہ کبھی کسی سے کچھ مانگتے تھے۔ان کا تعلق اس گاؤں سے نہیں تھا لیکن کسی کو پتہ نہیں تھا کہ انکا خاندان کہاں ہے۔وہ بس پچھلے چھ سال سے محلہ جھنگی کی مسجد میں آباد تھے۔گاؤں کے لوگوں نے کبھی ان کے منہ سے اپنے خاندان کے کسی فرد کے بارے میں نہیں سنا اگر کبھی کسی نے کوشش کی بھی تو قاری صاحب ٹال دیتے۔خودداری ان میں بہت تھی۔بھوکا رہ لیتے لیکن خود کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔گاؤں کے کچھ مالی طور پر مستحکم لوگوں نے آپس میں انکے کھانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔اب وہی لوگ ایک ایک دن کا کھانا قاری صاحب کو بھجواتے تھے۔قاری صاحب گاؤں کے بچوں کو بغیر اجرت کے پڑھاتے تھے۔پڑھانے کی اجرت انہوں نے کبھی نہیں مانگی اگر کسی

نے کبھی دینے کی کوشش کی بھی تو قاری صاحب یہ کہہ کر منع کر دیتے کہ وہ یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں اور اللہ کیلیے کیے جانے والے کام کی اجرت نہیں لی جاتی رہا کھانے ،کپڑوں کا تو وہ گاؤں میں کوئی نہ کوئی قاری صاحب کو دے ہی دیتا ۔لیکن قاری صاحب کی عجیب بات تھی کہ وہ پورے سال میں دو سے زیادہ جوڑے قبول ہی نہیں کرتے تھے ۔جب انکو سال میں دو جوڑے مل جاتے تھے تو تیسرا وہ اصرار پر بھی نہیں لیتے تھے۔

جب فضل رحمت کی انگلی تھامے مسجد میں داخل ہوا تو بچے ابھی سبق ختم کر کے اٹھ گئے تھے ۔جب کہ قاری صاحب ادھر ہی صحن میں چادر بچھا کر بیٹھے تھے۔

السلام وعلیکم قاری صاحب ۔۔ فضلو نے عقیدت سے سلام کیا

وعلیکم السلام فضل اللہ کیسے ہو۔آؤ بیٹھو ۔۔قاری صاحب نے بچھی ہوئی چادر کے ایک طرف فضل کیلیے جگہ خالی کی۔

کہو اس وقت کیسے آنا ہوا ۔۔۔

قاری صاحب یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے رحمت اللہ ۔ہماری خواہش ہے کہ یہ آپ کی طرح بنے ۔دنیا اور آخرت میں واقعی ہمارے لیے رحمت بن جائے ۔۔۔فضل نے مدعا بیان کیا۔

قاری ادریس کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزرا تھا ۔کچھ سیکنڈ کے لیے انہوں نے آنکھیں موند لی تھی جیسے کوئی تکلیف پہنچی ہو انکو یا پھر کسی مراقبے میں چلے گئے ہوں لیکن پھر جلدی سے انھوں نے آنکھیں کھول دی۔

فضل اللہ ،اللہ اس بچے کو تمہارے اور خاندان کے لیے واقعی رحمت بنا دے لیکن میری طرح نہ بنائے ۔فضلو کے کانوں میں قاری صاحب کی دکھبھری آواز گونجی تھی ۔وہ یکدم سے چونکا تھا۔

کیا ہوا قاری صاحب؟؟ میں نے کچھ غلط کہا کیا؟

نہیں نہیں ۔۔ایسی کوئی بات نہیں ۔۔قاری صاحب کو اندازا ہو گیا تھا کہ فضل بری طرح چونکا ہے اور کچھ کھوجنا چاہتا ہے ۔اس لیے جلدی سے انہوں نے موضوع بدل دیا۔

اچھا ٹھیک ہے فضل اللہ تم جب چاہو بچے کو بھیج سکتے ہو۔اور چاہو تو آج شام سے ہی ۔۔قاری صاحب مسکرائے تھے ۔جیسے وہ ہمیشہ مسکراتے تھے ۔۔ان کی مسکراہٹ پر فرشتوں کا گمان ہوتا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے قاری صاحب ۔میں اسکو بھیج دونگا ۔آج یا کل میں ۔اب چلتا ہوں ۔اللہ حافظ۔

اللہ حافظ ۔۔۔قاری صاحب آہستہ سے بولے تھے۔

وہ دونوں باپ بیٹا گھر آ گئے تھے ۔لیکن فضلو کے دل میں پھانس سی چبھ گئی تھی ۔بار بار قاری

صاحب کا چہرا نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔۔جانے ایسی کیا بات تھی جس سے قاری صاحب کو اتنی تکلیف پہنچی تھی۔ان کے چہرے کے تاثرات بھی فضلو کو یاد تھے لیکن اسے وجہ کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

لیکن بات زیادہ دیر تک اس کے ذہن میں نہ رہ سکی۔شام تک وہ بھول ہی گیا۔اس غریب کی زندگی میں تو مسائل کے اور بھی انبار تھے ایسے میں وہ قاری ادریس کے دکھ کو کتنی دیر یاد رکھ پاتا۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رحمت اللہ نے قاری ادریس سے سبق پڑھنا شروع کر دیا تھا۔وہ روز صبح بھی جاتا تھا اور شام کو بھی۔قاری ادریس نے ایک بار کوشش کی کہ فضل رحمت اللہ کو سکول بھی بھیج دیا کرے۔لیکن اس نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی۔

فضل تم اس بچے کو سکول بھی بھیج دیا کرو۔اور رہی پڑھانے کی بات تو وہ میں شام کو باقی بچوں کے ساتھ پڑھا دیا کروں گا۔شام کو بھی تو بچے آتے ہیں نا۔۔اس دن قاری صاحب نے جمعے کی نماز اور خطبے کے بعد فضل کو بٹھا کر کہا

ارے نہیں قاری صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔میرے بچوں نے کونسا پڑھ کر افسر بن جانا ہے۔جو میرے باقی بچے پڑھ رہے ہیں اس سے تو بہتر ہے کہ نہ ہی پڑھے کوئی۔۔فضل کے لہجے میں دکھ تھا لیکن سچائی تھی۔

کیا مطلب؟؟؟

اب دیکھیں نا قاری صاحب۔میرے بیٹے امان اللہ نے دس جماعتیں پڑھ لی۔اس سے آگے میری اوقات نہیں تھی۔آج وہ بھی مزدوری کر رہا ہے۔اس کے بعد جو بچے پڑھ رہے ہیں انکو بھی دس جماعتوں سے زیادہ پڑھانے کی ہمت نہیں ہے میری۔دس جماعتیں پڑھ کر وہ کیا کریں گے قاری صاحب؟؟؟اور میں اسکو بھی داخل کرونگا لیکن ظفر نے پتا کیا ہے ابھی داخل ہونے میں سات مہینے رہتے ہیں۔

اچھا ٹھیک ہے لیکن وقت پر داخل کروینا اسے۔ایسا نہ ہو کہ رہ جائے۔۔

جی قاری صاحب داخل کر دونگا۔۔اور وہ دونوں باپ بیٹا وہاں سے اٹھ کر آ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح کی نماز پڑھ کر سیر کیلیے اس میدان میں آ گیا جہاں وہ روز آیا کرتا تھا لیکن آج اسکی ہمت گھومنے پھرنے کی نہیں تھی۔وہ جا کر کھلی فضا میں بیٹھ گیا۔۔وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن آج کل ماضی خود ہی اسکے پیچھے پڑا ہوا تھا۔یہاں بھی نہ چاہتے ہوئے ماضی نے ایک بار پھر اسکے دماغ میں جھانکا۔

مجاہد جلدی آجانا آج ناشتے کے بعد درس ہوگا۔۔حیدر نے اسے نکلتے ہوئے یاد دلایا

کونسا درس؟؟؟؟ اسنے مڑکر پوچھا

جو ہر جمعے کے دن ہوتا ہے اور جس میں ہم لوگ مدرسے کے نئے آنے والوں بچوں کو اسلام کی تعلیمات دیتے ہیں؟؟؟

لیکن میں کیسے دے سکتا ہوں؟؟؟ اس نے سرگوشی کی۔

جیسے ہر ہفتے کرتے ہو۔۔۔بس جلدی آجانا۔حیدر نے دوبارہ سے تنبیہ کی۔

اچھا۔۔اور وہ نکل گیا۔

اور اب اس وسیع میدان میں کھلے آسمان تلے وہ سوچنے لگا کہ اس نے کس سے اور کہاں اسلامی تعلیمات لی؟؟؟ اور وہ کیا اس قابل ہے کہ وہ کسی کو تعلیمات دے سکے۔۔ماضی ایک بار پھر اپنی پوری شدت سے حملہ آور ہوا۔۔

اب وہ صبح شام قاری ادریس کے پاس جایا کرتا۔وہ بچہ تھا۔قاری صاحب کو فکر تھی کہ پانچ سال کا بچہ صبح شام کا یاد کروایا ہوا سبق یاد نہیں رکھ پائے گا۔۔اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ صبح اسکو باقی ترجمہ پڑھنے والے بچوں کے ساتھ بٹھاتے اور شام کو اسکو سبق یاد کرواتے۔۔قاری صاحب چاہتے تھے کہ ترجمہ بے شک وہ یاد نہ کرے لیکن چلو اسی بہانے کچھ سیکھ ہی جائے گا۔

اے پروردگار!

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں،ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔نہ کہ انکے رستے پر جن پر تو غصہ ہوتا رہا۔اور نہ گمراہوں کے رستے پر۔

(الفاتحہ -)

اے اللہ ہم پر رحم کر۔ہمیں بخش دے۔ہم پر اپنا کرم کر۔ہم اس قابل نہیں ہیں۔لیکن تیرا فضل بے انتہا ہے۔ہم کم ظرف ہیں لیکن تیرا ظرف بہت بڑا ہے۔ہمیں ہمارے اعمال کے مطابق نہ دے۔کیونکہ ہمارے اعمال صرف تیرے عذاب کے قابل ہیں لیکن اپنے رسول کے صدقے ہمیں بخش دے ہمیں قومِ عاد کے انجام سے بچالے۔ہمیں قومِ ثمود بننے سے بچالے،ہمارا حال قومِ لوط جیسا نہ کر۔ہمیں ایسے کاموں سے بچالے کہ ہمارا انجام قومِ شعیب جیسا ہو۔ہمارے اعمال کو نہ دیکھ۔اپنی بادشاہی کے صدقے ہمیں آگ سے بچالے۔اے میرے مالک تیرے غصے کی تاب نہیں ہے ہم میں۔ہم پر اپنی

رحمت کی چادر ڈال دے ۔وہ رحمت جسکے سائے ہم پر ہمیشہ رہے ۔ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلا دے ۔ اس راستے پر جس پر تیرے برگزیدہ بندے چلے ۔وہ بندے جو تجھ سے محبت کرتے تھے ۔اور وہ بندے جن سے تو محبت کرتا ہے اور وہ رستہ جو تیرا رستہ ہے ۔وہ رستہ جس پر تیرا نبیؐ چلا جس پر صحابہ کرام چلے ۔یا اللہ! ہمارے بچوں کو نیکی کی توفیق دے ،ان کو اچھا انسان بنا دے ۔ان کو اچھا مسلمان بنا دے ۔ یا میرے رب ہماری دعا قبول فرما۔۔

آمین ثم آمین ۔۔۔۔۔۔

سب نے با آواز بلند کہا۔

آج جمعے کا دن تھا۔ محلے کے سارے مرد جمعہ پڑھنے آئے تھے ۔یہ قاری ادریس کے الفاظ تھے ۔جمعہ کی نماز کے بعد دعا کی تھی انھوں نے ۔ ہمیشہ جمعے کی نماز کے بعد وہ دعا کرتے تھے ۔اور ہمیشہ ہی یہی دعا مانگتے تھے ۔

قاری صاحب! صراطِ مستقیم کیا ہے؟؟

قاری ادریس نے چونک کر عزیز کی طرف دیکھا ۔جو سوالیہ نظروں سے ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا ۔

یہ عصر کا وقت تھا ۔سارے بچے قاری صاحب سے قرآن کا سبق پڑھنے آئے تھے ۔رحمت اللہ بھی باقی بچوں کے بیچ میں بیٹھ کر سبق یاد کر رہا تھا ۔وہ بھی رک کر قاری صاحب کے جواب کا انتظار کرنے لگا ۔

عزیز بیٹا! صراطِ مستقیم کا مطلب ہے سیدھا راستہ ۔

لیکن قاری صاحب سیدھے راستے کا مطلب کیا ہے؟؟

اس تیرا سال کے بچے کی طرف سے پھر سوال آیا ۔وہ بھی آج جمعے کی نماز میں موجود تھا ۔اور قاری صاحب کا پورا خطبہ اور دعا سن چکا تھا

دیکھو بیٹا ۔تمہارے گھر کی طرف ایک راستہ جاتا ہے ۔تم یہاں سے نکل کر اسی راستے پر چلو گے تو سیدھا اپنے گھر پہنچو گے لیکن اگر اس رستے کو چھوڑ دو گے تو اپنے گھر کا رستہ نہیں پا سکو گے ۔بلکہ کہیں اور ہی نکل جاؤ گے ۔یہی حال صراطِ مستقیم کا بھی ہے ۔یہ وہ راستہ ہے جو اللہ کو پسند ہے اور جس پر چلنے کا ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے ۔جس پر اللہ کے رسول اور برگزیدہ بزرگ چلے ہیں ۔اور اسی رستے پر چل کر ہم اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں ۔اب اگر ہم اس رستے کو چھوڑ دیں گے تو جس طرح تم اپنے گھر نہیں پہنچ سکتے بالکل اسی طرح ہم اللہ کو خوش نہیں کر سکتے ۔

قاری صاحب نے بچوں کی سمجھ کے مطابق بہت آسان الفاظ میں جواب دیا تھا ۔

تو قاری صاحب ہم اس رستے پر نہیں چلتے کیا؟؟

یہ سوال ارشاد کی طرف سے آیا تھا جو قاری صاحب کے بالکل پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

بیٹا کوشش تو ہم سب ہی کرتے ہیں۔لیکن اس کوشش میں اکثر اوقات ہمیں ناکامی ہو جاتی ہے اور ہم اللہ کے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ناکامی کیوں ہوتی ہے قاری صاحب؟؟

بیٹا صراطِ مستقیم پر چلنا اتنا آسان نہیں ہے۔اس راستے پر چلتے ہوئے انسان کے سامنے بہت مشکلات آتی ہیں۔وہ مختلف طریقوں سے آزمایا جاتا ہے۔پھر اگر وہ ان مشکلات سے صبر کے ساتھ گزر جائے اور اپنے رب کی رضا پر چلے تو وہ اللہ کے نزدیک کامیاب کہلاتا ہے لیکن ایسا بہت کم لوگ ہی کر پاتے ہیں ہم جیسے کمزور ایمان کے لوگ تو مشکلات کے آغاز پر ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔پھر اللہ ہمیں آزمانا بھی چھوڑ دیتا ہے۔رہی آپ کی بات کہ ہم ناکام کیوں ہوتے ہیں تو بیٹا اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے اندر صدق اور مضبوطی نہیں ہوتی ورنہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی مسلمان صرطِ مستقیم پر چلنا چاہے اور اللہ اس کی مدد نہ کرے۔بس بیٹا ارادے کی مضبوطی چاہیے ہوتی ہے۔

قاری صاحب ہم لوگ چھٹی کرلیں؟؟ کونے سے آواز آئی۔

ہاں بیٹا چلو چھٹی کرلو۔شام ہونے والی ہے۔اور سب بچوں نے سیپارے بند کر کے گھروں کی راہ لی۔

پانچ سالہ رحمت اللہ سارا رستہ یہ سوچتا رہا کہ آخر صراطِ مستقیم پر کیسے چلا جاتا ہے؟اور اگر کوئی چلتا ہے تو اللہ اسے آزماتا کیوں ہے؟؟اسکی معصوم سی سمجھ میں قاری ادریس کی باتیں نہیں آئی تھی۔اسے قاری ادریس کا سارا خطبہ بھی یاد تھا۔جیسے ہر بچے کے سامنے دہرائے گئے الفاظ اسے یاد ہو جاتے ہیں۔یا پھر شاید اس لیے کہ وہ اس کی زندگی کا سب سے پہلے سنا جانے والا خطبہ تھا۔لیکن اسے بھی کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔وہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ قومِ عاد کون تھے۔قومِ ثمود کا کیا قصور اور کیا انجام تھا اور یہ کہ قاری صاحب نے قومِ لوط جیسا نہ بننے کی دعا کیوں مانگی تھی۔بس وہ پورے خطبے اور آج قاری صاحب کے درس میں اسکو اتنی سی سمجھ آئی تھی کہ اللہ کے نبیؑ اور صحابہ ضرور کوئی بہت اچھے لوگ ہونگے جو قاری صاحب نے ان جیسا بننے کی دعا کی۔یہ سوچتے سوچتے وہ گھر پہنچ چکا تھا اور پھر وہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں لگ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طوبیٰ آج جلدی سے ہوم ورک کرلو۔پاپا آئیں گے تو گھومنے جائیں گے۔یہ عمران تھا۔

بھائی کہاں جائیں گے؟؟ طوبیٰ حیران ہوئی

پتہ نہیں۔بس کہیں بھی چلیں گے۔لیکن خوب مزے کریں گے۔وہ کافی خوش لگ رہا تھا۔

لیکن پاپا نے تو کچھ بھی نہیں کہا بھائی ۔

ارے پاپا نے کچھ نہیں کہا لیکن انھوں نے مجھ سے کہا تھا نا ۔

پاپا نے نہیں تم نے پاپا سے کہا ہوگا ۔ ورنہ پھر پاپا کل ضرور بتاتے ماما کو ۔ وہ بھی طوبیٰ تھی ۔ سید خاور حسین شاہ کی بیٹی ۔ اپنے بھائی کی فطرت کو وہ بھی اچھی طرح جانتی تھی ۔

ہاں میں نے پاپا سے کہا تھا اور وہ مان بھی گئے تھے ۔

تو ماننا تو تھا نا ۔ پاپا تمہاری بات ٹالتے ہی کب ہیں ۔

اچھا چلو اب جلو مت ۔ جلدی سے ہوم ورک ختم کرو پھر پاپا آ جائیں گے ۔

رکو میں ماما کو بتا کے آتی ہوں ۔

ارے نہیں ۔ پہلے ہوم ورک تو ختم کر لو ۔ پھر بتا دینا ۔ ابھی اٹھ کر جاؤ گی تو ماما غصہ کریں گی ۔

اچھا چلو ٹھیک ہے ۔ میں جلدی جلدی کام ختم کرتی ہوں ۔ وہ بھی طوبیٰ تھی ۔ اپنے بھائی کی کچھ نہ کچھ فطرت تو اس نے بھی لی تھی ۔ عمی جتنی شوقین نہ سہی لیکن گھومنے پھرنے کا شوق اسے بھی تھا ۔ اپنے بھائی کی زبانی اس پروگرام کا سن کر اسے پہلے تو حیرت ہوئی تھی لیکن اس کے بعد خوشی کی بھی ایک لہر اس کے اندر اٹھ گئی تھی ۔ وہ ماں کو خبر دینے سے زیادہ اسیلیے ماں کے پاس بھاگنا چاہ رہی تھی کہ اس خبر کی سچائی جانچ سکے ۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عمی نے اسے بیوقوف بنایا ہو ۔۔

☆ ☆

آج پھر جمعے کا دن تھا ۔ قاری صاحب چاہتے تھے کہ محلہ جھنگی کے لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک درس کا اہتمام کیا جائے ۔ جس میں گاوں کے غریب اور ان پڑھ لوگوں کو اسلام کے بنیادی عقائد سے روشناس کروایا جائے ۔ آج اسی سلسلے کی پہلی کڑی تھی ۔ عصر کی نماز کے بعد آج محلے کے مرد مسجد میں جمع تھے ۔ قاری صاحب نے بولنا شروع کیا ۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

دوستوں آج ہم ارکانِ اسلام کے بارے میں تفصیل سے پڑھیں گے ۔

تو دوستوں سب سے پہلے آتا ہے توحید ۔ ہم کلمہ پڑھتے ہیں ۔ دل سے گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس کے سوا کسی کی پرستش یا پوجا نہیں ہونی چاہیے ۔ یا پھر یوں کہ اس کے ذات کی صفت ہی واحد ہے ۔ اب اگر کوئی ذات میں یا صفات میں شریک مانا جائے تو یہ شرک ہوگا ۔ لیکن یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ صفات میں شرک کا تو سیدھا مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ غفور ہے رحیم ہے ۔ سمیع ہے بصیر ہے ۔ قہار ہے اور جبار ہے ۔ تو اگر ہم کسی اور کو چاہے وہ انسان ہو یا حیوان اگر ہم اس

میں یہی صفات تصور کریں گے تو ہم مشرک ہیں۔ یہاں تک تو بات سمجھ آتی ہے۔اس کے بعد آتا ہے۔ ذات میں شرک۔اب اس میں ہم لوگ بہت غلطی کرتے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب نہیں مانا تو ہم اچھے مسلمان ہیں۔ہم نے کسی دیوتا یا دیوی سے دعا نہیں کی تو ہم نیک ہیں۔ہم نے کسی جانور کو اپنا خدا نہیں مانا تو ہم مشرک نہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی نہ کسی موڑ پر ہم سب ہی شرک کرتے ہیں۔ہم اس کی ذات میں بھی شریک ٹھہراتے ہیں اور صفات میں بھی۔دانستہ تو نہیں لیکن نادانستہ ہم دل کھول کر شرک کرتے ہیں۔ہم دولت کو خدا مانتے ہیں۔رشتوں سے وہ امیدیں لگائے رکھتے ہیں جن کو پورا کرنا صرف ہمارے رب کا خاصا ہے۔انسانوں سے مانگتے ہیں۔اپنی ضرورتوں کے لیے انسانوں کے آگے جھکتے ہیں۔کیا ہوا اگر ہم بتوں کے آگے نہیں جھکتے تو۔۔انسانوں کے آگے تو ہم جھکتے ہیں۔اور پھر امیدیں پورا نہ ہونے پر گلہ اسی رب سے کرتے ہیں۔یہ کھلا شرک نہیں تو کیا ہے؟؟؟اور رب فرماتا ہے

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔اسکے سوا سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جس کو وہ معاف کرنا چاہے۔تو جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔''

النسا:۱۱۶

اس کے بعد ہم آتے ہیں نماز پر۔جو اسلام کا دوسرا رکن ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔

صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔یہ (نماز بہت بھاری ہوتی ہے سوائے ان کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

البقرہ:۴۵

ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

جو بھی بندہ مومن اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے۔اور اس کے بدلے ایک گناہ مٹاتا ہے۔اور اس کے درجے بلند کرتا ہے۔پس زیادہ سجدے کیا کرو۔

ہم مسلمان دن میں پانچ بار نماز پڑھتے ہیں۔پانچ بار اللہ کے دربار میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔اس سے راضی ہونے کی التجا کرتے ہیں۔لیکن گناہ سے کنارہ نہیں کرتے۔عجیب بات ہے نا۔غور فرمایئے کہ ہم معافی تو مانگتے ہیں لیکن کنارہ کبھی نہیں کرتے۔ہم جھوٹ بول لیتے ہیں۔غیبت کر لیتے ہیں۔ملاوٹ کر لیتے ہیں۔اور اس کے بعد اللہ کے دربار میں کھڑے ہو کر معافی مانگتے ہیں۔تو ایسے میں ہمیں معافی کیسے ملے گی۔اگر ہم واقعی میں معافی چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں خود کو کٹہرے میں

کھڑا کرنا پڑے گا۔

ارسل!

کیا ہوا جناب؟؟ ارسل کو اتنے پیار سے کیوں بلایا جا رہا ہے؟؟

میری چھٹی ختم ہو گئی ہے۔ کل سے میں دوبارہ سکول جانا شروع کر رہی ہوں۔

ہاں وہ تو میں جانتا ہوں۔ وہ دوبارہ فائل پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

صبا اور ارسلان کی شادی کو ابھی دو مہینے ہوئے تھے۔ اٹھائیس سالہ ارسلان ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ اور پچیس سالہ صبا سکول میں ٹیچر تھی۔ صبا نے شادی کے لیے دو مہینے کی چھٹی لی تھی۔ جو آج ختم ہو گئی تھی۔ اب اسے اپنے آنے جانے کی ٹینشن تھی کہ وہ سکول کیسے جائے گی۔ اور واپسی پر اسے کون لائے گا۔ اور یہی بات آج اس نے اپنے سُسر اور ساس سے بھی کی تھی۔

امی میں سکول کیسے جاؤنگی؟ اور واپسی پر کیسے آؤنگی۔

ارے بیٹا اس میں کیا ہے۔ صبح تمہیں ارسلان چھوڑ دیا کرے گا۔ اور واپسی پر تم کامران کے ساتھ اسکی یونیورسٹی کی وین میں آ جایا کرنا۔ وہ بھی تو یونیورسٹی سے ڈھائی بجے ہی آتا ہے نا۔ جواب اس کے سُسر نے دیا تھا۔ مشکل منٹوں میں آسان ہو گئی تھی۔

ہاں ابو جی یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح ارسلان کو بھی پریشانی نہیں ہوگی۔ اور میرا آنا جانا بھی آسان ہو جائے گا۔ یہ تجویز اسے پسند آ گئی تھی۔

اور ابھی رات کو اپنے کمرے میں آ کر اس نے ارسلان سے یہی بات چھیڑی تھی۔ وہ اس کی سُن تو رہا تھا لیکن ساتھ میں کسی فائل پر بھی نظریں جمائے ہوئے تھا۔

اگر آپ جانتے ہیں تو پھر حل کیوں نہیں نکالا آپ نے؟

کیا حل؟

کہ میں کس کے ساتھ جاؤنگی اور واپس کس کے ساتھ آؤنگی۔

تو حل کے لیے تم اور امی ابو ہیں نا۔ تڑک کر جواب آیا

ہاہاہا۔۔ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟ جل رہے ہیں آپ۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

محترمہ میں جل بھی رہا ہوں اور سڑ بھی رہا ہوں۔ تم نے دو مہینے میں گھر میں سب کو اپنا گرویدا جو بنا لیا ہے۔ مجھ غریب کی تو اب کوئی سنتا بھی نہیں ہے۔ سارے گھر میں تمہاری حکمرانی چلتی ہے۔ ہر کام تم سے پوچھ کر ہوتا ہے۔۔ وہ آج جی بھر کر گلے کر رہا تھا۔

ارے ارے ارے۔ یہ قریب میں کہیں سے جلنے کی بو آ رہی ہے۔اس نے فائل اس کے ہاتھ سے اچک لی تھی۔

تو میں کہہ رہا ہوں نا کہ میں جل سڑ رہا ہوں تو ظاہر ہے بو بھی مجھ سے ہی آ رہی ہے۔کہیں ادھر ادھر اپنا معصوم دماغ کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اچھا تو آپ مجھے صبح سکول چھوڑ کے آفس جائیں گے نا۔

نہیں جی ۔میں تو کوئی نہیں چھوڑ رہا خود ہی چلی جاؤ۔

لیکن ابو جی تو کہہ رہے تھے کہ آپ سے بات کر لی ہے انھوں نے اور آپ نے حامی بھی بھر لی ہے مجھے روز صبح چھوڑنے کی۔

مجھ سے تو کسی نے پوچھا ہی نہیں بس فیصلہ سنا دیا کہ ارسلان صبح صباء کو چھوڑتے ہوئے جانا ۔اب مجھ سے کسی نے مرضی پوچھی ہوتی تو میں بتاتا نا۔۔وہ اچھا خاصا چڑا ہوا لگ رہا تھا۔

تو کیا آپ انکار کرتے ؟؟؟؟وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

ارے بی بی مجھ ناچیز کی مجال جو انکار کرتا۔

تو؟؟؟؟؟اس نے معصومیت سے پوچھا

تو یہ کہ میں ارسلان بہ رضا بقائمی ہوش وحواس کہتا ہوں کہ مجھے صبح صبح اپنی زوجہ محترمہ صباء کو اس کے سکول چھوڑنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بلکہ جب وہ بائیک پر ہمارے ساتھ بیٹھی ہو گی تو ہمیں فخر ہو گا۔اور ہم خود کو اس دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھیں گے۔اس نے با قاعدہ سر جھکا کے کہا۔جیسے کوئی حلف لے رہا ہو۔

اسے جی بھر کر پیار آیا تھا اس پر۔وہ تھا ہی اس قابل کہ اس پر پیار آئے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر چڑ جاتا تھا۔اور منہ بنانے لگ جاتا تھا۔معصومیت کی اس پر انتہا تھی۔ایسے وقت میں کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ یہ وہی اٹھائیس سالہ جوان ارسلان رضا ہے جس نے سارے خاندان کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔

اس گھر میں کل چار افراد تھے جو دو مہینے پہلے صبا کے آنے سے پانچ ہو گئے تھے۔رضا حسین اس کی بیوی شمیم اور دو بیٹے ارسلان اور کامران۔اور اب وہ پانچ لوگ تھے۔بلکہ جب سے صبا آئی تھی اس گھر میں وہ لوگ پانچ کی بجائے خود کو دس محسوس کرنے لگے تھے۔صبا کے آنے سے تو گھر بہت بھرا ہوا لگ رہا تھا۔وہ تھی ہی ایسی ہر کسی کا خیال رکھنے والی۔رضا حسین اور شمیم کو تو صبا کی شکل میں بیٹی مل گئی تھی۔وہ لوگ اکثر بیٹی نہ ہونے کا افسوس کرتے تھے لیکن اب صبا کے آنے سے ان کے سارے شکوے ختم ہو گئے تھے۔رہی کامران کی بات تو اس کی تو جان صباء میں تھی۔اس نے تو کبھی اسے بھابی نہیں سمجھا۔ہمیشہ اسے

آپی ہی کہہ کر بلاتا تھا۔اور صرف بلاتا ہی نہیں تھا بڑی بہن سمجھتا بھی تھا۔اور اس کے بعد نمبر آتا ہے ارسلان رضا کا۔ جو شادی سے پہلے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔لیکن جب سے شادی ہوئی تھی ہر روز اس کو احساس ہوتا تھا کہ اس کے ماں باپ کا فیصلہ بلکل ٹھیک اور بلکل بر وقت تھا۔

دوستوں!

روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔اسلام کے اس رکن کی اہمیت ہم لوگ قرآن کی اس آیت سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اے ایمان والو!تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

البقرۃ:۱۸۳

ایک اور جگہ فرمایا۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کیلیے ہدایت ہے اور جس میں حق وباطل میں امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔پس تم میں سے جو اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے ضرور رکھے۔

البقرۃ:۱۸۰

اور اسی مہینے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں۔

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں۔

اب جو آیت آپ نے سنی اس میں فرمایا گیا ہے کہ روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ ہم پرہیزگار بن جائیں۔اب اس کا مطلب سمجھنا بہت ضروری ہے۔کہ بھلا بھوکا رہنے سے کوئی پرہیزگار کیسے بنے گا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں جہاں اللہ نے ہمیں ایک خاص وقت تک بھوکا رہنے کا پابند کیا ہے وہاں اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرو۔نفل عبادت کرو گے تو فرض کا ثواب ملے گا اور فرض عبادت کرو گے تو فرض کے ستر گنا ملے گا۔اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ صدقہ خیرات کرو۔زکواۃ اگر اس مہینے میں دو گے تو افضل ہوگا۔عمرہ اگر اس مہینے میں کرو گے تو حج جتنا ثواب ملے گا۔غرض جو بھی نیکی اس مہینے میں کرو گے تو اس کے اصل ثواب کا ستر گنا ملے گا۔ دوسری طرف غور کریں تو اس مہینے میں اللہ تعالٰی نے ہر غلط کام سے سختی سے منع بھی کیا ہے۔اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ باقی مہینوں میں غلط کام جائز ہیں۔یہاں پر غلط کاموں سے مراد میرا وہ سارے کام ہیں جو غلط تو

ہیں لیکن کچھ خاص حالات میں جائز ہیں ۔جیسے کہ قصاص کا قتل ۔اب قصاص کا قتل عام حالات میں جائز ہے ۔جیسے کہ اگر کسی نے آپ کے بھائی بیٹے کو قتل کیا ہوتو اسلام آپ کو اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔اگر کسی نے آپ کو کوئی اور نقصان پہنچایا ہوتو اسلام اس حد تک اجازت دیتا ہے کہ آپ اس شخص کو اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہو لیکن رمضان کے مہینے میں اللہ نے بدلہ لینے سے بھی منع کر دیا ہے ۔

دوسری آیت جو آپ نے سنی اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اللہ کی کتاب جس میں ہم سب کیلئے ہدایت ہے اور جس میں حق و باطل میں امتیاز کرنے والی نشانیاں ہیں وہ اسی مہینے میں نازل کی گئی ہے ۔ اب آپ اس بات پر غور کریں کہ جو کتاب سارے جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت ہے ۔جو ہر انسان کو صحیح اور غلط میں تمیز کرنا سکھاتی ہے وہ اس مہینے میں نازل ہوئی ۔

اب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر غور کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں ۔اب اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کہیں آسمان کے کسی کونے میں ساری دنیا کے شیطان جمع کر دیے جاتے ہیں اور ان کو رسیوں سے جکڑ دیا جاتا ہے ۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر تو اس مہینے میں پوری دنیا میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں کسی گناہ یا غلط کام کا وجود ہی نہ ہوتا ۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس مہینے میں بھی ہم سب گناہ کرتے ہیں ۔تو پھر اس بات کا یہ مطلب ہے کیا کہ ہمارے شیطان کو رسیوں سے نہیں جکڑا گیا ۔یا نعوذ باللہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان جھوٹا ہے یا پھر فرشتے ہم سب کے شیطانوں کو جکڑنا ہی بھول گئے ۔ ۔بے شک ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ شیطان کے جکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ہمیں اچھے کاموں کی ترغیب دی گئی ہے اور غلط لیکن جائز کاموں سے بھی روکا گیا ہے وہاں بھوکا رہنے کا پابند بھی کیا گیا ہے تا کہ ہم نفس کی خواہشات کے سرپٹ گھوڑے کو بھی لگام دے سکیں اور ایسے لوگوں کو بھی سمجھ سکیں جو غریب ہیں اور ہم سب کی بے حسی کی وجہ سے سارا سال بھوکے رہتے ہیں ۔تو اگر ہم نے نفس پہ قابو پا لیا تو سمجھ لیں کہ ہمارا شیطان جکڑ دیا گیا ہے اور اگر اللہ کے فرمان کو رد کر کے صرف بھوکے رہے تو کوئی شک نہیں کہ ہمارا شیطان ابھی بھی آزاد ہے اور نہ صرف آزاد ہے بلکہ ہمارا رہنما بھی ہے ۔

اب ہم اسلام کے چوتھے رکن کی بات کر لیتے ہیں جو کہ زکواۃ ہے ۔سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں زکواۃ کے حوالے سے ۔تو دوستوں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ

اور جو لوگ اس مال میں سے جو اللہ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے بخل کرتے ہیں (اور اس کی زکواۃ ادا نہیں کرتے وہ یہ سمجھ لیں کہ یہ مال ان کے حق میں بہتر نہیں بلکہ یہ ان کے لیے شر ہے ۔اور عنقریب ان کے گلے میں بخل سے جمع کیے ہوئے مال کا طوق پہنا دیا جائے گا۔

اور اللہ کے نبی ﷺ زکواۃ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

جب تم نے اپنے مال کی زکواۃ دی تو تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

اب قرآن مجید کی اس آیت پر اگر ہم غور کریں تو کچھ بہت اہم باتیں اس ایک آیت میں واضح کی گئی ہیں۔ جیسے کہ وہ مال جس کو ہم سب اپنی محنت کا ثمر مانتے ہیں اور اسی کی وجہ سے غرور کے آسمان پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں وہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے تو سب سے پہلے تو ہم پر واضح کیا گیا کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے بلکہ سب کچھ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد بندے کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر وہ زکواۃ نہیں دیتا اور مال جمع کرتا رہتا ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس سے اس کا مال جو بڑھ رہا ہے تو یہ اسے کوئی فائدہ دے گا۔ عام طور پر ہم میں سے جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے تو ہم سب اس پر رشک کھاتے ہیں کہ فلانے کے پاس دو گاڑیاں ہیں یا فلاں کے پاس تین بنگلے ہیں۔ تو اگر اس شخص کے پاس زیادہ مال ہے اور وہ اس کو پاک نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے سزا کا مستحق ہے۔ یہاں پر یہ واضح کردوں کہ یہاں پر پاک کرنے کا مطلب صرف گندی چیز کو صاف کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اگر آپ کا مال صاف ستھرا ہے، آپ نے اپنی محنت سے کمایا ہے تب بھی اگر آپ نے اس کی زکواۃ نہیں دی تو وہ آپ کے لیے صاف نہیں بلکہ گندا ہے اور اسکے استعمال پر آپ کو گناہ ہوگا۔ اب کچھ لوگ اکثر اعتراض کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اگر ہم مال اپنی محنت سے کما رہے ہیں تو اس میں دوسروں کو دینے کا پابند کیوں کیا گیا ہے؟؟ تو اس کا جواب اللہ نے اپنی آیت میں دیا ہے کہ جو مال تمہارے پاس ہے وہ سب اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اس میں سے اللہ کی مقرر کردہ مقدار میں زکواۃ دے کر اپنے مال کو پاک کرلو ورنہ جو مال تمہارے پاس جمع ہوگا اور جس کو تم اپنے لیے بہتر سمجھتے ہو وہ ہرگز تمہارے لیے بہتر نہیں ہے بلکہ وہ تمہارے لیے شر ہے۔ اب یہاں پر مال کو طوق بنانے کا مطلب دو طرح سے لیا جا سکتا ہے۔ ایک تو بلکل صاف اور سیدھا ہے کہ جس نے زکواۃ نہیں دی ہو گی قیامت کے دن اللہ اسی مال کا طوق بنا کے اسکے گلے میں ڈالے گا اور دوسرا مطلب اس بات کا یہ بھی ہے کہ ہم انسانوں کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے حالات آجاتے ہیں کہ مال ہمیں اپنے گلے کا پھندا لگتا ہے۔ کبھی کوئی مال کے لیے اغوا ہو رہا ہے اور وہ اسی مال کو اپنے لیے عذاب سمجھتا ہے، کہیں کوئی مال دولت کی وجہ سے اپنے رشتے اور محبتیں کھو رہا ہے اور پھر پچھتاتا ہے کہ کاش اس کے پاس یہ دولت نہ ہوتی لیکن محبتیں ہوتی۔ کہیں پر دولت کی وجہ سے عزتیں لوٹی جا رہی ہیں تو کہیں پر اسی مال کی بدولت لوگ اپنے ایمان کھو رہے ہیں۔ ان سب حالات میں مال اور دولت گلے میں طوق کی طرح ہی لگتی ہیں اور کوئی شک نہیں کہ اللہ قیامت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی زکوا نہ دینے والوں کے مال کو گلے کا طوق بنا دیتے

پر قادر ہے۔

اب آتے ہیں حدیث شریف کی طرف ۔کہ جب کوئی شخص اپنے مال میں سے زکواۃ دے دیتا ہے تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا ۔اب یہاں پر اس چیز کا مطلب کچھ لوگ اس طرح لیتے ہیں کہ وہ حرام حلال کی تمیز کیے بغیر دولت کماتے جاتے ہیں ۔اور پھر اس میں سے زکواۃ اور صدقہ وغیرہ دیتے رہتے ہیں ۔اور سمجھتے ہیں کہ ان کا مال پاک ہوگیا ہے ۔حالانکہ ایسا نہیں ہے مال کے حوالے سے اللہ نے ہم پر دو فرائض عائد کیے ہیں ۔اب جب ہم ان فرائض کو پورا کریں گے تو اسکے بعد ہمارا مال ہم پر اور ہمارے آل وعیال پر خرچ کرنے میں گناہ نہیں ہے ۔پہلا فرض تو یہ ہے کہ ہمارا مال حلال طریقے سے کمایا گیا ہو اور دوسرا یہ کہ ہم نے اس میں سے زکواۃ دی ہو ۔اب سوال یہ ہے کہ اللہ نے زکواۃ دینے کا پابند کیوں کیا ہے ۔تو دوستوں اپنے اردگرد دیکھ لو ۔کافی لوگ ایسے مل جائیں گے جو خود کمانے کے لائق نہیں ہوتے ۔بیمار ہوتے ہیں تو کوئی معذور کوئی مسافر اپنے گھر سے دور ہوتا ہے تو کوئی مسکین ہوتا ہے ۔اب جب اللہ نے اپنی مخلوق میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں تو اپنے وعدے کے مطابق اسے ان کی روزی روٹی کا بندوبست بھی کرنا ہے نا ۔اور اس کا بندوبست اس سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا تھا کہ اللہ نے اپنے ان بندوں پر جو استطاعت رکھتے ہیں زکواۃ فرض کردی ہے ۔کہ

بے شک اللہ بڑا کارساز ہے ۔

اب ہم آتے ہیں اسلام کے پانچویں اور آخری رکن یعنی حج پر ۔حج سال میں ایک بار پوری دنیا کے مسلمانوں کا ایک عظیم اجتماع ہے لیکن ہم مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت صرف ایک اجتماع جیسی نہیں ہے بلکہ اللہ سے محبت کی ایک نشانی ہے ۔اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ۔

بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اسکے راستے کی استطاعت رکھتا ہو۔

آل عمران:۹۷

اور رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ۔

اگر کسی شخص کو واقعی محتاجی نہیں اور بیمار بھی نہیں اور کسی ظالم حکمران کی طرف سے رکاوٹ بھی نہیں اور پھر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے یا نصرانی ۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

اے لوگوں!

جب تم پر حج فرض ہوجائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر مت کرو اس لیے کہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کب کوئی رکاوٹ آجائے ۔

اپنے حدیث میں نبی ﷺ نے کچھ حالات کا ذکر کیا ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی مسلمان مالی لحاظ سے استطاعت رکھنے کے باوجود بھی حج نہ کرے تب بھی اسے کوئی گناہ نہیں ہے۔جیسے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا معذور ہو یا پھر اسے کسی ظالم شخص یا حکمران نے روک رکھا ہو اور اس سے بغاوت کی صورت میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اسے حج پر نہ جانے پر کوئی سزا نہیں ہوگی۔اب اگر کسی شخص کو ان میں سے کوئی عذر نہیں ہے اور اس کے باوجود بھی اس نے حج نہیں کیا تو اسکے ایمان کو خطرہ ہے۔یہودی یا نصرانی مرنے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے بغیر کسی سخت عذر کے حج نہیں کیا اور اسی حالت میں اسے موت آ گئی تو اس کی موت ایمان پر نہیں ہوگی کہ اس نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا۔پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ اس سے راضی رہے۔

دوسری حدیث میں اسی خطرے سے خبردار کیا گیا ہے کہ کوئی انسان اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں جانتا۔اپنی موت کا کسی ذی روح کو علم نہیں ہے لہذا جیسے ہی حج کرنے کی استطاعت پا لو تو فوراً حج کی تیاری کرلو۔کیونکہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت موت آ کر ہمیں اپنی آغوش میں لیتی ہے یا کوئی اور رکاوٹ کھڑی ہوتی ہے۔لہذا جلد سے جلد اس فریضے کو انجام دے دو کہ جب اللہ کے سامنے جاؤ تو کم از کم اس کے گھر کی زیارت تو کی ہوئی ہو۔

وہ بچوں کو اسلام کی بنیادی ارکان کے بارے میں بتا رہا تھا اور ذہن کے کسی گوشے میں کوئی اور بول رہا تھا۔وہ جس نے اسے بہت پیار سے روکا تھا اس سے جس پر اب وہ بری طرح پچھتا رہا تھا۔۔اس نے ایک ایک کر کے اسلام کے سارے ارکان سمجھا دیے اور دو گھنٹے کے اس درس میں آدھے سے زیادہ وقت وہ اپنے دھیان میں تھا۔ماضی کا ایک ایسا اژدھا تھا جو کسی پل اسے اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دیتا تھا۔جو باتیں اور جو تعلیمات اسے کسی نے سمجھائی تھیں آج وہ کسی اور کو دے رہا تھا۔لیکن دونوں وقتوں میں فرق تھا اور دونوں نیتوں میں بھی۔الفاظ شاید وہی تھے جو کسی اور کے منہ سے اس نے سنے تھے لیکن اثر وہ نہیں تھا۔

آخر ماضی کسی کو بھولتا کیوں نہیں۔۔۔۔درس ختم ہونے اور بچوں کے اٹھ جانے کے بعد اسنے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے تلخی سے سوچا۔

وجی ناشتہ کرلیا؟؟؟ انہوں نے پیچھے سے آواز دی۔

جی خالہ کرلیا ہے۔۔وہ دروازے سے نکلتے ہوئے بولی۔

منگنی اور نکاح سے پہلے جب کبھی اسکا دل نہیں کرتا تھا ناشتہ بنانے کا تو وہ پیچھے آ کر خالہ کے ساتھ

کر لیتی تھی ۔زبیدہ خالہ صارم کے ناشتے کیلئے ہمیشہ جلدی اٹھتی تھی اور صارم کے ساتھ ہی ناشتہ کر لیتی تھی ۔ بعد میں ریحان کیلئے ہلکا سا ناشتہ اور کبھی کبھی وجیہہ کیلیے بھی ناشتہ بناتی تھی ۔لیکن جب سے منگنی ہوئی تھی آج بارہواں دن تھا اور وجیہہ نے ایک بار بھی انکے پاس ناشتہ نہیں کیا تھا ۔وہ روز پوچھتیں اور روز وہ ایک ہی جواب دیتی ۔

وجی ۔۔۔انہوں نے پیچھے سے ایک بار پھر بلایا ۔

جی خالہ ۔۔۔وہ مڑی

تمھاری ایک امانت ہے میرے پاس ۔۔۔

امانت ؟؟؟ کونسی امانت خالہ ؟؟ وہ کافی حیران ہوئی

آجاؤ بتاتی ہوں ۔۔وہ کچن کیطرف گئی ۔پیچھے وجیہہ تھی ۔

انہوں نے اوپر کی الماری کھولی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا کالے رنگ کا پلاسٹک کا لفافہ نکالا اور اسکے ہاتھ میں دیا ۔

یہ کیا ہے خالہ ؟؟

دیکھلو خود ہی ۔۔وہ مسکرا رہی تھی ۔

اسنے حیران ہوتے ہوئے لفافہ کھولا ۔اور اسے حیرت کا ایک اور شاٹ لگا ۔

لفافے کے اندر سے سرخ رنگ کا ایک خوبصورت گلاب کا پھول جو ابھی پورا کھلا بھی نہیں تھا نکلا ۔وہ حیران نظروں سے خالہ کو دیکھنے لگی جو اسکی حالت سے محظوظ ہو رہیں تھیں ۔۔

صارم نے دیا ہے تمہیں دینے کیلیے ۔۔۔۔

کیا؟؟؟؟؟ وہ حیرت کے سمندر میں تھی ۔

وہ رات کو بھی آج کل تھوڑا دیر سے آتا ہے اور صبح بھی تمھارے جاگنے سے پہلے چلا جاتا ہے اور پھر اسکا کچھ بھی تو چھپا ہوا نہیں ہے مجھ سے ۔اسکے ہر جذبے سے آگاہ ہوں ۔صبح جاتے ہوئے اسنے مجھے دیا کہ تمہیں دے دوں ۔

اس نے حیران نظروں سے خالہ کو دیکھا اور پھر ادھ کھلے پھول کو ۔

اب جاؤ نہیں تو بس نکل جائے گی تمہاری ۔خالہ نے اسے یاد دلایا ۔

جی ۔۔اس نے ہلکے سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی ۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا ۔منگنی کے بعد تو دونوں کا ایک بار بھی سامنا نہیں ہوا تھا ۔وہ صبح کا نکلا رات گئے گھر آتا تھا اور اسکے بیچ میں ہمیشہ کی طرح کبھی اوپر سے نیچے اور کبھی نیچے سے اوپر لوگ آتے جاتے

رہتے تھے لیکن یہ سلسلہ صارم کے آنے سے پہلے ختم ہوجا تا تھا اسلیے آج بارہ دن گزرنے کے باوجود ایک بار بھی انکا سامنا نہیں ہوا تھا لیکن آج ایک خوبصورت سا پھول دے کر اس نے گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

مین گیٹ سے نکلتے ہوئے ایک بار پھر رک کر اس نے لفافہ کھولا اور پھول نکال کر ایک بھرپور بھری نظر اس پر ڈالی اور لفافہ بند کر کے اپنے پرس میں ڈالا۔

مجاہد تجھے کب لگا کہ تیرا نشانہ اتنا اچھا ہے یا پھر کسی اور کو کب لگا کہ تجھ میں اللہ نے یہ صلاحیت رکھی ہے۔۔آجکل جب وہ پریشان سا رہنے لگا تھا تو اسکے دوست اکثر اسکی دلجوئی کیلیے کوئی نہ کوئی ایسی بات کر لیتے تھے۔۔۔

اس نے ایک لمبی سانس لی اور بتانے لگا۔۔۔

رحمتے! میں منہ توڑ دونگا تمہارا۔رشید چیخا۔

جواب میں رحمت اللہ نے صحن میں پڑا ہوا ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر اسے مارا جو سیدھا جا کر اس کے سر پر لگا۔وہ تلملا کر ادھر ہی بیٹھ گیا۔

رحمت اللہ اور رشید گل کے گھر پاس پاس ہی تھے۔آج مسجد آتے ہوئے رستے میں کسی بات پر دونوں میں ان بن ہوئی تھی اور مسجد میں داخل ہوئے تو دونوں ہی غصے میں تھے۔اب پتہ نہیں کہ اس نے قصداً ایسا کیا تھا یا غلطی سے ایسا ہوا تھا لیکن اچانک سے رشید کا پاؤں پیچھے آتے ہوئے رحمت کے پیروں کے سامنے آ گیا۔اور وہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور رشید کے مڑنے سے پہلے ہی اس کی کمر پر ایک زور کا چانٹا مارا۔وہ بلبلاتا ہوا آگے جھکا اور فوراً سے مڑ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔رحمت اللہ کو اس تھپڑ کی امید نہیں تھی۔اس نے جلدی سے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑا اور دانتوں سے اس پر کاٹ لیا۔اس کی کاٹ اتنی تیز تھی کہ رشید کی چیخ نکل گئی۔بہت مشکل سے اس نے اپنی کلائی کو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔اس ساری جدوجہد میں رحمت اللہ کو ایک دھکا لگا اور وہ پیچھے جا کر گر گیا۔

میں منہ توڑ دونگا تمہارا۔

رشید نے درد سے کراہتے ہوئے دھمکی دی۔اور اس دھمکی اور وہ دھکا جو رحمت کو لگا تھا کا اثر یہ ہوا کہ رحمت نے صحن میں پڑا ہوا پتھر اٹھایا اور تاک کر نشانہ لیتے ہوئے رشید کو دے مارا جو سیدھا اس کے سر پر جا کے لگا۔وہ جو پہلے ہی درد سے بلبلا رہا تھا اس اچانک حملے پر تلملا اٹھا۔پتھر لگنے سے اس کا سر چکرا گیا تھا۔

اور وہ ایک ہاتھ سے سر تھامے زمین پر بیٹھ گیا۔

یہ لڑائی سات سالہ رحمت اللہ اور اس سے پورے چار سال بڑے رشید کے بیچ میں ہو رہی تھی۔ رحمت نے اپنی عمر کے سات سالوں میں کافی قد کاٹھ نکال لیا تھا۔ دوسری اس کی عادت تھی کہ گھر میں جو بھی بنا ہوتا تھا وہ پیٹ بھر کے کھاتا تھا۔ اسے کھانے سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے وہ کسی بھی لحاظ سے رشید گل سے کم نہیں لگتا تھا۔ پہلی بار دیکھنے والا اکثر اسے اس کے بھائی اصغر علی سے بڑا سمجھتے۔ جبکہ درحقیقت ان دونوں کی عمروں میں ساڑھے تین سال کا فرق تھا۔

تھوڑی طبیعت سنبھل جانے پر رشید اٹھا۔ اس بار وہ بہت غصے میں لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو رحمت کو ڈر لگا لیکن اگلے لمحے جب وہ رحمت کی کلائی پکڑ رہا تھا عین اسی وقت قاری صاحب کمرے سے نکلے۔ رشید ان کو دیکھ کر رک گیا اور پھر اچانک کوئی خیال آنے پر وہی پتھر اٹھا کر ان کی طرف مڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ رشید قاری صاحب کو اس کی شکایت لگانے گیا ہے۔

بزدل کہیں کا۔۔۔ میں نے مار مار کر کچومر نکال دیا تو اب قاری صاحب کو شکایت لگانے چل پڑا۔ خود اتنی ہمت نہیں ہے کہ مجھ سے مقابلہ کرتا۔ وہ بڑبڑایا۔ لیکن اس کی آواز صرف اسی نے خود ہی سنی تھی۔

وہ امید کر رہا تھا کہ ابھی قاری صاحب اسے بلا کر ڈانٹیں گے۔ اور اس نے اپنے ذہن میں رشید کی شکایتوں کے انبار بنا لیے تھے جو اس نے قاری صاحب کے سامنے دہرانے تھے۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے رشید کی پوری بات سن کر بھی اسے نہیں بلایا۔ بلکہ اسے اندر بھیج دیا۔ جب وہ باہر نکلا تو اسکے ہاتھ میں اس کی قرآن مجید تھی۔ مسجد کے کونے میں کچھ لڑکے بیٹھے تھے اور وہ اپنا پچھلا سبق دہرا رہے تھے۔ رشید بھی جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رحمت وہی کھڑا رہا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ قاری صاحب اسے بلا کر جھڑکیں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ اس کی بجائے انھوں نے اسے بلا کر اپنا سیپارا اندر سے نکال کر پڑھنے کا کہہ دیا۔ وہ غنیمت جان کر خاموشی سے اندر گیا اور سیپارا نکال کر صحن میں بیٹھے باقی بچوں کے ساتھ پڑھنے لگا۔۔۔

رحمت بیٹا۔ ادھر آؤ میرے پاس۔۔

بچوں کی چھٹی کے بعد قاری صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاری صاحب اسے ڈانٹیں گے لیکن انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ جا کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ انھوں نے کمرے سے نکلتے ہوئے رشید کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اب صحن میں صرف وہی دونوں اور قاری صاحب رہ گئے تھے۔

رحمت بیٹا! مار کٹائی کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اب آپ دونوں بڑے ہو گئے ہو پھر اس طرح

کیوں لڑے ہو آپ تو دوست ہو اور میں نے اکثر آپ کو ایک ساتھ دیکھا ہے ۔

قاری صاحب میں نہیں لڑا۔لڑائی اسی نے شروع کی تھی ۔اس نے وضاحت دی

یہ بلکل جھوٹ بول رہا ہے قاری صاحب۔ میں اپنے راستے ہی چل رہا تھا کہ اس نے مجھے چٹکی کاٹی ۔ رشید گل غصے میں بولا

یہ جھوٹا ہے قاری صاحب۔ میں نے کوئی چٹکی نہیں کاٹی ۔ بلکہ اس نے پاؤں رکھ کر مجھے گرانے کی کوشش کی ۔وہ بھی اپنا دفاع کر رہا تھا۔

اچھا اچھا ٹھیک ہے ۔اب دوبارا لڑو مت ۔کوئی بات نہیں اگر کسی نے تمہاری چٹکی کاٹی اور کوئی بات نہیں اگر کسی کا پاؤں غلطی سے تمہارے سامنے آگیا ۔

لیکن قاری صاحب غلطی سے نہیں ـــــــــــــــــ

رحمت بیٹا اس بات کو اگر آپ رہنے دو کہ رشید نے غلطی سے ایسا کیا یا قصداً لیکن آپ نے جس طرح مارا اس کو وہ بھی تو ٹھیک نہیں ہے نا ۔اگر واقعی میں رشید نے غلطی سے ایسا کیا ہو تو پھر آپ نے جو اتنا مارا تو مار کر گناہ کمایا نا ۔قاری صاحب بہت آرام سے سمجھا رہے تھے۔

قاری صاحب ـــــــــ ۔وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا

اچھا چلو بیٹا ۔غلطی کی بات کو رہنے دیتے ہیں ۔چلیں ٹھیک ہے کہ رشید نے آپ کو گرانے کی کوشش کی لیکن اگر آپ اسے جواب میں نہ مارتے تو سوچیں کہ اللہ آپ سے کتنا خوش ہوتے اور دوسری بات یہ کہ وہ آپ سے بڑے بھی ہیں تو آپ کو مارنا نہیں چاہیے تھا ۔اور پتھر تو مارنا بلکل نہیں چاہئے تھا بیٹا ۔وہ کہیں ادھر ادھر جگہ پہ لگ جاتا جیسے آنکھ میں تو کیا کرتے پھر۔

دونوں بچے قاری صاحب کے پاس زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے دونوں کو بہت آرام اور سکون سے سمجھا دیا تھا ۔اب وہ سمجھ گئے تھے یا نہیں یہ تو کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس وقت جس طرح وہ قاری صاحب کے سامنے بیٹھے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ سمجھ چکے ہیں ۔

چلو بیٹا اب دونوں اٹھو اور گلے ملو ایک دوسرے سے شاباش۔ ۔تم دونوں بھائی ہو آپس میں اور بھائی لڑتے ہیں لیکن پھر صلح بھی کر لیتے ہیں ۔آخری جملہ قاری صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔اور ایک دوسرے سے گلے مل کر وہ دونوں اپنے اپنے گھر آ گئے ۔

ان دونوں کی لڑائی تو اس دن قاری صاحب نے ختم کروا دی تھی لیکن اس لڑائی کا ایک فائدہ رحمت اللہ کو یہ ہوا تھا کہ اب محلے کے زیادہ تر بچے اس سے ڈرنے لگے تھے۔اب ہر بچہ چاہنے لگا تھا کہ

رحمت اللہ سے اس کی دوستی ہو جائے تا کہ کوئی اس سے لڑے نا۔ طاقتور ہونے کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ لوگ آپ سے دبتے ہیں۔ ہر شخص آپ سے دوستی کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ دشمن بھی آپکے دوست ہو جاتے ہیں۔ یہی حال رحمت اللہ کے ساتھ بھی تھا۔ اس کے دوستوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ جس میں سے کچھ تو اس کی اپنی عمر کے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو بڑے تھے لیکن پھر بھی انھوں نے رحمت سے دوستی کر لی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس نے اپنے سے چار سال بڑے رشید کی پٹائی لگائی تھی اور وہ اس واقعے سے پہلے خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود سے بڑے لڑکے کو اتنا مار سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اسکا نشانہ اتنا اچھا ہے کیوں کہ نتیجہ جانے بغیر اس نے پتھر سے رشید گل کے سر کا ہی نشانہ لیا تھا اور پتھر سیدھا جا کے اس کے سر پر لگا تھا۔ اب یہ رشید کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے نشانہ سر کے اوپری حصے کا ہی لیا ورنہ پتھر جا کے اس کی آنکھ بھی پھوڑ سکتا تھا۔ اب اس کے بہت سے دوست بن گئے تھے۔ انکے ساتھ گھوم پھر کر اسے مزا آتا تھا اور وہ لوگ اکثر ادھر ادھر شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ اس کا نشانہ کتنا اچھا تھا یہ تو اس لڑائی میں سب کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اب تو اکثر بچے مل کر نشانہ بازی کے چھوٹے چھوٹے مقابلے کرتے رہتے تھے۔ سب چاہتے تھے کہ وہ جیت جاتے لیکن حیرت انگیز طور پر جس بھی مقابلے میں وہ شریک ہوتا کوئی اور جیت ہی نہ پاتا۔ اس کا نشانہ دو صورتوں میں چوکتا تھا۔ ایک تو یہ کہ جب نشانہ اتنا دور ہوتا کہ وہ پتھر اس تک پہنچا ہی نہ پاتا اور دوسرا یہ کہ جب اس کا دل مقابلہ کرنے کو نہ چاہتا اور وہ جان بوجھ کر نشانہ سہی نہ لیتا۔ وہ لوگ مل کر بہت شرارتیں کرتے تھے۔ چلتی گاڑیوں کے شیشے کا غلیل سے نشانہ لے کر پتھر مارتے تھے۔ کبھی لگ جاتا تھا اور کبھی نہیں۔ ایک دوبار پکڑے بھی گئے تھے اسی شرارت کے دوران لیکن پھر اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ درخت پر چڑھ کر خود کو پتوں میں چھپا لیتے اور تاک کر نشانہ لے لیتے۔ اور اکثر نشانہ رحمت اللہ ہی لیتا تھا۔ اس لیے کہ سب کو یقین تھا کہ اس کا نشانہ بہت کم چوکتا ہے۔ اور پھر وہ لوگ خوب ہنستے تھے جب پتھر جا کر زور سے گاڑی کے شیشے سے ٹکراتا۔ کسی گاڑی کا شیشہ تو کبھی ٹوٹا نہیں لیکن چھوٹی موٹی دراڑ اکثر شیشے میں پڑ ہی جاتی تھی اور جب گاڑی کا مالک سراسیمگی کی حالت میں گاڑی سے نکل کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہوتا تو وہ لوگ تھوڑی دور کسی درخت کے پتوں میں چھپے ہوئے یا کسی دیوار کے پیچھے منہ ہی منہ میں ہنستے اور جیسے ہی وہ شخص چلا جاتا تو درخت سے اتر جاتے یا دیوار کی اوٹ سے نکل آتے اور کھی کھی کر کے خوب ہنستے اور ایک دوسرے کو خوب شاباشیاں بھی دیتے ایسے جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

وہ سب بچے غریب خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسے ماں باپ کے بچے تھے جو بہت مشکل سے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھا پاتے تھے۔ ان کی تربیت کی کس کو فکر تھی اور جہاں اتنی غربت ہو وہاں

تربیت ہو بھی کیسے سکتی ہے ۔والدین کو فکرِ معاش سے فرصت ملے گی تو وہ تربیت کا سوچیں گے ۔اور فکرِ معاش سے آزادی کم از کم اس محلے کے آدھے سے زیادہ گھروں میں تو ممکن نہیں تھی سو یہ سارے بچے صرف کھانا کھا کر ہی بڑے ہو رہے تھے۔تربیت نام کی بلا سے وہ نا آشنا تھے ۔وہ معاشرے کے ساتھ ہی بڑے ہو رہے تھے اور معاشرہ کب کسی کا خیر خواہ ہوا ہے جو انکا ہوتا ۔لے دے کے ایک قاری ادریس ہی تھے جو صبح شام یہی کوشش کرتے تھے کہ ان بچوں کو سہی اور غلط کی تمیز سمجھا سکیں لیکن ان کی ساری کوشش پر پانی پھرتا ہوا نظر آتا جب سڑک پر سے گزرتی کسی گاڑی کے شیشے پر کسی انجان سمت سے پتھر آ کر لگتا اور شیشے میں چھوٹی سی دراڑ پڑھ جاتی ۔اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب ادھر ادھر سے نکل کر ایک دوسرے کو شاباشی دے رہے ہوتے ۔

کوئی نہیں جانتا تھا اور وہ بچے خود بھی انجان تھے کہ وہ گاڑیوں پر پتھر پھینک کر اور ان کے شیشے توڑ کر خوش کیوں ہوتے ہیں اور اس چیز میں مزا کیا ہے لیکن بس وہ صرف یہ جانتے تھے جب گاڑی کا مالک گاڑی سے نکل کر ادھر ادھر غصے میں دیکھتا ہے اور وجہ ڈھونڈنے میں ناکام ہو کر سر ہلاتا ہوا واپس گاڑی میں بیٹھتا ہے تو بہت مزا آتا ہے اور اس کی حالت پر بہت ہنسی بھی ۔شاید اس خوشی کی وجہ غصہ تھا جو انہیں ان گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر آتا تھا ۔وہ سب ان ماں باپ کے بچے تھے جو گاڑی تو کیا ایک سائیکل تک خریدنے کے لیے دو سال تک ایک ایک پیسہ جوڑتے تھے ۔تو گویا وہ پتھر مار کر اور شیشہ توڑ کر اپنی دانست میں انتقام لیتے تھے ۔کس چیز کا؟؟؟؟یہ وہ بچے خود بھی نہیں جانتے تھے ۔وہ تو صرف مزے کے لیے کرتے تھے ۔

ہیلو ابو !ابو میں پاس ہو گیا ہوں ۔کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہے میں نے ۔اس نے خوشی سے اپنے باپ کو بتایا جو اس وقت ٹیکسی میں کوئی سواری لیے منزل کی طرف جا رہا تھا ۔احسان خان کچھ نہیں بولا ۔بس دھیمی سی ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی ۔

ہیلو ابو! آپ کو آواز آ رہی ہے میری؟؟؟ اسے فکر ہوئی کہ شاید باپ نے اس کی بات سنی ہی نہیں جو انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا ۔وہ نہیں جانتا تھا کہ باپ کے پاس خوشی کے اظہار کے لیے الفاظ ختم ہو گئے تھے ۔وہ بولنا چاہ رہے تھے لیکن الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا تھا ۔

ایسا اکثر ہوتا ہے کہ زیادہ خوشی اور زیادہ غم کے مواقع پر الفاظ ہمارا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں ۔ہم بولنا چاہتے ہیں ،اپنے احساسات بتانا چاہتے ہیں لیکن زبان کچھ بھی بولنے سے انکاری ہو جاتی ہے ۔ایسے جیسے زندگی میں کبھی کوئی لفظ بولا ہی نہ ہو ۔احسان کے ساتھ بھی اس وقت یہی ہو رہا تھا ۔وہ بولنا چاہتا تھا کہ وہ

کتنا خوش ہے ۔وہ یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کی کامیابی کا سن کر اس کا سینہ ہمیشہ کی طرح کتنا چوڑا ہوگیا ہے ۔وہ یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ بیٹے کی کامیابی کا سن کر اسے اپنی محنت کی ایک ایک پائی وصول ہونے کا احساس ہوتا ہے ۔لیکن ان میں سے کچھ بھی وہ بتا نہیں سکا ۔بمشکل تمام یہ کہہ پایا

ہاں بیٹا مجھے آواز آ گئی ہے ۔اور میں نے سن بھی لیا ہے ۔

تو پھر آپ کچھ بولتے کیوں نہیں ابو؟؟؟ آپ خوش نہیں ہوئے کیا؟؟؟ اسے جانے کس بات کی فکر ہوئی ۔۔

بیٹا میں بہت خوش ہوں ۔بہت زیادہ ۔لیکن میں اس وقت گاڑی چلا رہا ہوں ۔سواری ہے میرے ساتھ ۔میں سواری اتار کر سیدھا گھر ہی آتا ہوں ۔

کس مشکل سے اس نے یہ بولا تھا یہ وہ ہی جانتا تھا ۔اس کے ہونٹوں کی مسکان دھیمی نہیں ہوئی تھی ۔ اور یہی مسکان بتا رہی تھی کہ وہ کتنا خوش تھا ۔اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا مرد اگر فون پر مصروف نہ ہوتا تو اس کی آنکھوں میں جھلملاتے قطرے واضح دیکھ لیتا ۔دوسری طرف سے ٹھیک ہے ابو کہہ کر فون بند کر دیا گیا ۔فیصل جانتا تھا کہ اس کے ابو ڈرائیونگ کرتے ہوئے کبھی بھی فون نہیں اٹھاتے لیکن آج اس کے ابو کا فون کھلا تھا اور نہ صرف کھلا تھا بلکہ وہ گھر سے فون آنے کے انتظار میں تھا ۔اور اسی وجہ سے فون اس نے اپنے سامنے گاڑی کی ڈیک پر رکھا تھا ۔

احسان خان ٹیکسی ڈرائیور تھا ۔صبح نکلتا تھا تو شام کو گھر واپس آتا تھا اور کبھی کبھی تو واپسی میں رات ہو جاتی جب کبھی اسے کوئی دور کی سواری ملتی ۔کبھی کبھی وہ دن کا کھانا کھانے گھر آجاتا لیکن ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ۔سردی ہو یا گرمی بارش ہو یا دھوپ کبھی بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا ۔اس نے اپنے کام سے کبھی چھٹی نہیں کی ۔صبح ساڑھے سات بجے نکل کر وہ چار بچوں کے گھر جا کر انہیں لے کر سکول چھوڑ آتا ۔پھر سواری کی تلاش میں ٹیکسی ادھر ادھر گھماتا رہتا ۔سارے دن کی محنت کے بعد وہ رات کو تھکا ہارا گھر آتا ۔لیکن اپنے بچوں کو دیکھ کر اس کی ساری تھکان رفو چکر ہو جاتی اور وہ ہشاش بشاش ہو کر اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ کھانا کھاتا اور باتیں کرتا ۔بس یہی اس کی روزمرہ کی روداد تھی ۔اتنی محنت کے باوجود وہ اپنے بچوں کی سکول کی فیسیں ہنسی خوشی بھرتا تھا ۔اسے بس ایک ہی خواہش تھی کہ اس کے بچے پڑھ لکھ جائیں ۔اس مقصد کے لیے اگر اسے دوگنی محنت بھی کرنی پڑتی تو وہ دریغ نہ کرتا ۔اور اس کا بیٹا فیصل اچھی طرح جانتا تھا کہ انکا باپ ان کیلیے کتنی محنت کرتا ہے ۔وہ دل لگا کر پڑھتا تھا اور اس بات کا پتہ اس کے رزلٹ سے بھی چلتا تھا ۔ٹیکسی ڈرائیور کا بیٹا ہو کر وہ اپنی کلاس میں بیٹھے ہوئے بہت سے امیروں کے بچوں سے آگے تھا ۔اور یہی فخر فیصل کی ہر کامیابی پر شاہدہ اور احسان کی آنکھوں میں آنسو لاتی تھی ۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سواری کو اپنی منزل پر اتار دیا اور فوراً ٹیکسی موڑ کر اپنے گھر کے رستے پر ڈال دی۔آج وہ مزید ٹیکسی چلانا نہیں چاہتا تھا۔گھر کے راستے میں ایک بیکری پر رک کر اس نے آج صبح سے جتنے پیسے کمائے تھے ان سب سے کی مٹھائی خرید لی اور یہ اس کے ہر سال کا معمول تھا۔جس دن فیصل کا رزلٹ آتا وہ یہی کرتا تھا۔اپنی جیب خالی کر کے ہی وہ گھر جاتا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو سب اس کے منتظر تھے۔فیصل نے جیسے ہی گلی میں ٹیکسی کے مڑنے کی آواز سنی فوراً سے پہلے بھاگ کر گھر سے باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا اپنے باپ کی طرف آیا۔احسان جانتا تھا اس کی اس حرکت کو سو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ٹیکسی روک کر نکل آیا۔وہ بھاگتا ہوا آیا اور چھلانگ مار کر اپنے باپ کے گلے میں جھول گیا۔وہ جانتا تھا کہ باپ کے مضبوط بازو اسے گرنے نہیں دینگے۔اور یہی ہوا احسان نے اسے اپنے گلے لگا کر اٹھا لیا اور ٹیکسی وہی گلی کے باہر چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی تو وہ بعد میں گھر لے ہی جاتا لیکن خوشی کے یہ لمحات اس کی زندگی میں بہت کم ہوتے تھے۔اس لیے وہ ٹیکسی کی فکر میں ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

دوستوں آج ہم حقوق العباد پر بات کرینگے۔جس میں سب سے پہلے والدین آتے ہیں۔والدین کے بعد بہن بھائی اور باقی رشتہ دار آتے ہیں۔اب والدین کے حقوق پر اگر نظر دوڑائی جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد قرار دیا ہے۔مطلب یہ کہ سب سے پہلے اپنے رب کے حقوق پورے کرنا ضروری ہے اس کے بعد والدین کے۔اللہ کے حقوق پر ہم پہلے ایک درس کر چکے ہیں سو اس بار ہم بندوں کے حقوق کے بارے میں جانینگے۔والدین سے میرا مطلب ماں اور باپ دونوں ہیں۔اگر چہ حدیث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ماں کے حقوق باپ کے حقوق سے تین گنا زیادہ ہوتے ہیں۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں لے سکتے کہ باپ کے حقوق کم ہوتے ہیں۔آیت سے اندازہ لگالیں کہ اللہ نے اپنی خوشی کو باپ کی خوشی اور اپنی ناراضگی کو باپ کی ناراضگی کے ساتھ منسلک کیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت بار والدین کے حقوق کا ذکر کیا ہے۔جن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے۔

ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔اگر تیری موجودگی میں ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کرنا اور عاجزی سے ان کے آگے جھکے رہنا اور دعا کرنا کہ اے میرے رب! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴

والدین پیدا کرتے ہیں۔آپ سب میں اکثر خود بھی شادی شدہ ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ

بچے کے بڑا ہونے کے پیچھے ماں باپ کی کتنی محنت کارفرما ہوتی ہے تو اگر آپ ان سارے مراحل سے گزر رہے ہیں یا گزر چکے ہیں تو اپنے ماں باپ کی محنت کو آپ کیسے بھول سکتے ہیں۔اب اس آیت میں احسان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی اپنے والدین کی خدمت کرتا ہے تو وہ ان پر احسان کرتا ہے۔بلکل نہیں۔اس لیے کہ ہم کچھ بھی کر لیں ان کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔بہت کچھ بھی کر لیں تو ماں کے اس احسان کا بدلہ کیسے اتاریں گے جو اس نے پورے نو مہینے اپنی کوکھ میں رکھ کر کیا۔۔۔۔۔۔۔

قاری صاحب نے بہت سال پہلے کچھ کہا تھا لیکن اس وقت اسے اتنا ہی یاد تھا۔۔۔۔۔۔

فضل اللہ! میرا اور تمہارا اس محلے میں پورے بیس سال کا ساتھ ہے اور ہم بہت اچھے پڑوسی ہیں اس لیے میں نے رحمت کو کچھ کہا نہیں اور تمہیں بتانے آ گیا ورنہ میں نے اسے اچھی طرح دیکھ لیا تھا اور پکڑ بھی لیتا لیکن تمہاری ہمسائیگی کا خیال آ گیا۔اب تم ہی اس کو قابو میں رکھو۔

یہ محلے کا جاوید تھا جو آج فضل اللہ کے گھر رحمت اللہ کی شرارتوں کی شکایت کرنے آیا تھا۔
جاوید محلے کے ان دو چار لوگوں میں سے تھا جن کے پکے گھر تھے۔ان کے فرش سیمنٹ کے تھے اور کھڑکیوں میں شیشے بھی لگے تھے۔اور جو کچی زمین تھی اس پر انھوں نے کچھ پودے اگا رکھے تھے۔
جاوید کے دو بیٹے اور ایک چھوٹی سی بیٹی تھی اور وہ تب سے اس محلے میں رہ رہا تھا جب اس کے ماں باپ زندہ تھے اور وہ غیر شادی شدہ تھا۔اب تو وہ چالیس سال کا بھرپور مرد تھا۔کپڑے کا چھوٹا سا کاروبار کرتا تھا۔امیر نہیں تھا لیکن اس محلے کے چند ایک پکے گھروں والوں میں اسکا شمار بھی ہوتا تھا۔وہ صبح اپنی دکان پر جاتا اور دونوں بیٹے سکول۔پیچھے گھر میں صرف اس کی بیوی نسیمہ اور اس کی گود میں دس ماہ کی بچی رہتی۔
آج کل جاوید کے گھر میں لگے ہوئے امرود کے دو درختوں پر امرود پک گئے تھے۔رحمت اور اس کے دوست گیارہ بجے تک سبق پڑھ کر فارغ ہو جاتے تو جاوید کے گھر کی راہ لیتے۔غلیل ان کے پاس ہوتا۔دیوار کے پاس کھڑے ہو کر رحمت امرود کا نشانہ لیتا اور غلیل سے پتھر مارتا تو امرود ٹوٹ کر پیچھے جاوید کے صحن میں جا گرتا۔اور پھر اس کے دوست نسیمہ سے نظر بچا کر امرود اٹھا لاتے۔نسیمہ کو پتا نہ چلتا۔کیونکہ ایک تو وہ اپنا کاموں میں مصروف ہوتی تھی۔کبھی باورچی خانے میں ہوتی تو کبھی کمرے میں بچی کو سلا رہی ہوتی۔اور دوسرا یہ کہ گھر بڑا تھا اور درخت صحن کے ایک کونے میں تھے۔سو وہ امرود توڑ بھی لیتے اور اٹھا بھی لیتے اور وہ بے خبر رہتی۔
آج شاید رحمت اللہ کی بدقسمتی کا دن تھا کہ جاوید گھر پر تھا۔کیونکہ اسے کل دن سے بخار تھا۔وہ

لوگ تو حسب معمول گیارا بجے اپنا سبق ختم کر کے اس کے گھر کے باہر آ گئے ۔جاوید صحن میں لیٹا ہوا تھا لیکن وہ لوگ اس کی موجودگی سے بلکل بے خبر تھے ۔رحمت کے ہاتھ میں غلیل تھا اور وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر کبھی ایک اور کبھی دوسری آنکھ بند کر کر کے اور مختلف زاویوں سے نشانہ بنا رہا تھا کہ اچانک سے غلیل کا پٹھہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ابھی وہ پتھر مارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔اور وہ ایسے زاویے سے کھڑا تھا کہ پتھر سیدھا جا کر جاوید کی چارپائی کے قریب گر گیا۔جاوید کی قسمت اچھی تھی کہ اسے لگا نہیں ورنہ ایک آدھ پھوڑا تو ضرور بنتا۔جاوید بہت ڈر گیا کیوں کہ پتھر اگر اسے لگ جاتا یا اس کے پاس ہی کھڑکی پر لگا جاتا تو دونوں کا نقصان ہوتا ضروری تھا۔وہ اٹھ کر باہر جانے لگا کہ باہر دیکھ لے کہ پتھر کہاں سے آیا کیونکہ اس کے آنے کی سمت بتا رہی تھی کہ وہ دروازے کے ساتھ ملحقہ دیوار کے پار سے آیا ہے۔

دوسری طرف رحمت اللہ اور دوست اس سارے معاملے سے بے خبر امرودوں کو تاڑ رہے تھے اور رحمت نے ایک دوسرا پتھر جو وہ لوگ رستے سے جمع کر کے لاتے تھے جیب سے نکال کر نشانہ باندھ لیا تھا۔اس بار وہ امرود کے بلکل نیچے کھڑا تھا اور نشانہ بلکل آسمان کی طرف باندھا تھا۔اس کے دونوں دوست دوسری طرف تیار کھڑے تھے کہ وہ جیسے ہی امرود گرائے گا ان میں سے ایک چپکے سے گھر میں گھس کر امرود اٹھا لائے گا۔ابھی اس نے نشانہ باندھا ہی تھا کہ پیچھے سے جاوید نے آواز دی۔

رحمتے ۔۔۔۔اور رحمتے ۔۔

اور اس نے پیچھے دیکھا تو جاوید اسی کی طرف آ رہا تھا۔اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک طرف کو دوڑ لگا دی۔اس کے دونوں دوست پہلے ہی گلی کے اندر بھاگ چکے تھے۔کچھ قدم آگے جا کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جاوید اسے اپنی طرف آتا نظر آیا۔پھر تو اس نے اپنی سمت جانے بغیر وہ دوڑ لگائی کہ جاوید تو کیا کوئی بھی اسے نہیں پکڑ سکتا تھا۔لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ جاوید اسے دیکھ چکا تھا اور صرف دیکھا نہیں تھا بلکہ پہچان بھی گیا تھا اور پھر شام کو فضل اللہ کے گھر آنے پر شکایت لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

ارے نہیں جاوید بھائی۔میں اسے سمجھا لونگا۔سمجھ جائے گا اور اگر نہ سمجھا تو میں سختی بھی کر لونگا۔آپ بے فکر ہو جائیں۔آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔بس اب کی بار معاف کر دیں بچہ ہے۔فضل اللہ نے التجائی لہجے میں کہا۔

معاف کرنے کی بات نہیں ہے فضل بھائی۔میں اپ سے کبھی کچھ نہ کہتا اگر آج یہ نہ ہوتا تو۔آپ کے بچے میرے بچے ہیں۔امرود لینے آ جاتا تو منع کبھی نہ کرتا لیکن پتھر پھینکنے سے تو کوئی بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے نا۔جیسے آج اگر مجھے لگ جاتا یا کھڑکی پر لگ جاتا تو ۔۔اور پھر میں تو ساری دن گھر میں ہوتا بھی نہیں ہوں۔جاوید غصے میں تھا

مانتا ہوں جاوید بھائی کہ بہت غلط کیا ہے اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے قابو کر لونگا۔آئندہ نہیں کرے گا ایسی حرکت ۔۔فضل بہت شرمندہ تھا۔

چلیں ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں ۔خُدا حافظ

اللہ حافظ جاوید بھائی ۔

اور پھر جاوید چلا گیا۔لیکن شام کو مسجد سے آنے کے بعد فضلو نے رحمت کو اپنے پاس بلایا۔

رحمتے ۔۔ادھر آؤ

جی ابا۔۔۔۔۔وہ باپ کے پاس چلا آیا۔

تجھے امرود بہت پسند ہیں کیا؟؟؟؟؟؟؟انہوں نے گھورتے ہوئے پوچھا

اور امرود کا نام سن کر اس کا دل بلیوں اچھلا تھا۔سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ معاملہ جان گیا تھا۔لیکن انجان بنا رہا۔

امرود؟؟نہیں تو۔۔

تو پھر دوسروں کے گھروں میں پتھر کیوں پھینکتے ہو امرود کیلئے اگر امرود پسند نہیں ہیں تو؟؟؟

ابا میں نے تو کسی کے گھر میں پتھر نہیں پھینکا۔اس آٹھ سالہ بچے کی دروغ گوئی اور ڈھٹائی عروج پر تھی ۔۔اگر فضل اللہ جانتا نہ ہوتا تو کبھی اندازی نہ لگا پاتا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

جاوید نے مجھے بتایا ہے آج کہ تم نے اس کے گھر میں پتھر پھینکے اور اس نے تمہیں غلیل کے ساتھ دیکھ لیا ہے۔۔

جاوید چچا بلکل جھوٹ بول رہے ہیں ابا۔میں نے کچھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اب بھی اپنی بات پر ڈھٹا ہوا تھا۔

اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر اپنا نشان چھوڑ گیا۔اپنے سے پینتیس سال بڑے شخص کو جھوٹا کہنا فضل کو غصہ دلا گیا۔اس نے تو ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اپنے بیٹوں کو تمیز سکھا سکے اور باقی سارے بچے با ادب بھی تھے لیکن آج پہلی بار اس نے اپنی اولاد میں بے ادبی دیکھی تھی تو غصہ آ گیا۔

اور یہ بھی بتا دو کہ غلیل کہاں سے آیا تمہارے پاس؟؟کڑک دار آواز میں پوچھا گیا۔

ابا میرے پاس غلیل نہیں ہے۔۔وہ رونے کے قریب تھا

میں کہتا ہوں سچ سچ بتا دو کہ غلیل کہاں سے ایا ورنہ بہت مارونگا رحمتے اور تمہارے ساتھ اور کون تھا یہ بھی بتا دو۔۔۔اب کی بار فضل نے اس کا کان پکڑ کر کھینچا۔

آہہہیی ۔۔۔۔ابا۔۔۔کان چھوڑ دیں ۔بہت درد ہو رہا ہے۔۔

اماں ۔۔۔۔۔۔۔۔

رحمتے میں کہتا ہوں جلدی سے سچ بتا دو ورنہ بہت مار پڑے گی ۔اس نے کان اور کھینچا۔

اسنے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔جمیلہ اس کی چیخیں سن کر جلدی سے باورچی خانے سے نکل آئی ۔

ارے ۔۔۔۔۔یہ کیا کر رہے ہو فضل؟؟؟؟ وہ بھاگتی ہوئی ان کی طرف آئی ۔ماں تھی۔ بیٹے کو بچانے تو آنا تھا۔

تم دور رہو جمیلہ۔۔ مجھے اس سے خود ہی بات کرنے دو ۔اس نے غصے میں جمیلہ کو بھی ڈانٹا۔وہ وہی کھڑی رہی ۔اسے بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ صابر وشاکر فضل آج اتنے غصے میں کیوں ہے۔۔۔

ابا چھوڑ دو مجھے ۔۔۔۔۔اس نے روتے ہوئے صدا لگائی ۔

تم مجھے ابھی اور اسی وقت بتا رہے ہو کہ تمہارے ساتھ اور کون تھا اور تمہارے پاس غلیل کہاں سے آیا؟؟ورنہ حشر کر دونگا تمہارا رحمت ۔۔۔۔آج پہلی بار وہ اتنا غصے میں تھا۔رحمت صبح کے واقعے کے بعد جانتا تھا کہ جاوید شکایت ضرور لگائے گا۔لیکن ابا اس کو ایسی سزا دینگے یہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

ابا وہ۔۔۔۔

ہاں وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟

ابا وہ فہیم اور الیاس تھے۔

اور غلیل کس کا تھا؟؟؟؟

الیاس کا تھا ابا۔۔۔

اچھا۔۔۔۔۔وہ الیاس جو ایوب کا بیٹا ہے نا؟؟؟؟اس نے پوچھا۔

جی ۔دردبھرا ایک لفظی جواب آیا۔

فضل نے اس کا کان چھوڑ دیا اور وہ بھاگ کر اس سے دور کھڑا ہوگیا اور مڑ کر اس کی طرف ایسے دیکھنے لگا جیسا ابھی وہ اس پر دوبارہ جھپٹ پڑے گا۔

دیکھ رحمتے !!!اس بار تو چھوڑ دیا ہے ۔لیکن آئندہ کوئی شرارت نہیں ہونی چاہیے ۔اگر آئندہ ایسی کوئی حرکت کی تو وہ حال کرونگا جو تم سوچ بھی نہیں سکتے ۔اب جاؤ اور کھانا کھا کر سو جاؤ۔

فضل اللہ نے اسے دھمکی دی۔

وہ کچھ کہے بغیر روانہ ہوگیا۔

تو نے سن لی نا میری بات؟؟؟؟فضل اللہ نے پیچھے سے چیخ کر پوچھا۔

جی ۔۔۔ یک لفظی جواب آیا۔

اور پھر وہ جان گیا تھا کہ اسکا نشانہ واقعی اچھا ہے اور یہ صلاحیت اسے خدا کی طرف سے عنایت ہوئی تھی۔لیکن ابھی تک وہ اور اسکے دوست ہی جانتے تھے۔۔

مجاہد اللہ تم نے کیا سوچا ہے؟؟؟
کس بارے میں؟؟؟
اس دن میں نے بتایا تھا تمہیں۔ایک پیشکش دی تھی۔میرا خیال تھا کہ تمہیں یاد ہوگی لیکن شاید تم بھول گئے ہو تو دوبارہ یاد دلا دیتے ہیں کہ۔۔۔
مجھے سب یاد ہے دوبارہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ تڑنت کر بولا
تو پھر کیا سوچا تم نے؟؟؟ وہ آج بھی اپنے اسی لہجے میں بول رہے تھے جس سے وہ دلوں کو رام کرتے رہتے تھے
میں تیار ہوں لیکن میں آپ پر اب یقین نہیں کرسکتا۔آپ دھوکہ بھی کرسکتے ہیں میرے ساتھ۔
کئی دنوں میں وہ کافی کچھ سمجھ گیا تھا۔
تو یقین کیسے آئے گا تمہیں؟؟
یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب میں آپ پر کسی بھی طرح کوئی اعتبار نہیں کرسکتا۔آپ مجھے ایک بار پھر بھی دھوکہ دے سکتے ہیں۔وہ غصے میں تھا
کیسا دھوکہ؟؟؟
آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھے آزاد کردینگے لیکن اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو؟؟ جیسے ابھی مجھے قید کرلیا ہے تب بھی کرسکتے ہیں اور پھر میں کون ہوتا ہوں آپ کو وعدے کی پابندی پر مجبور کرسکنے والا۔۔
تو کس طرح کا یقین چاہتے ہو تم؟؟؟ تمہیں کس طرح یقین دلایا جائے؟؟؟
میرے لیے بہت مشکل ہے آپ پر یقین کرنا۔
اگر قرآن پر حلف اُٹھالیا جائے کہ تمہیں اس مشن کے بعد آزاد کردیا جائے گا تو مان جاؤ گے ؟؟؟؟
اس نے گھور کر انہیں دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔اس بات کی امید نہیں تھی اسے۔۔
دیکھو بچے میرے لیے یہ بھی مشکل نہیں تھا کہ تمہاری بغاوت کے ساتھ ہی تمہیں مروا دیتا اور

میرے لیے یہ بھی مشکل نہیں ہے کہ ابھی اسی وقت تمہیں مروا دوں لیکن میں ایسا بلکل نہیں چاہتا ۔تمہیں مار کر مجھے کوئی فائدہ نہیں ملے گا نہ ہی تمہیں کوئی نقصان پہنچے گا ۔لیکن تمہیں زندہ رکھ کر مجھے بھی فائدہ ہے اور تمہیں بھی اور تمہارے گھر والوں کو بھی لیکن ہم سب کا فائدہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے ۔تم مجھے فائدہ نہیں دو گے تو بدلے میں تمہیں بھی نقصان ملے گا۔ اور اگر مجھے فائدہ دو گے تو میں بھی تمہیں دے دونگا۔اسلیے میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فائدہ دے دیتے ہیں ۔تم اس مشن میں میری مرضی کے مطابق کام کر لو اور بدلے میں میں تمہیں بھول جاؤنگا۔

اگر میں ایسا نہ کروں تو؟؟؟؟؟

تو جان لو کہ مجھے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔میرا کام تب بھی ویسا ہی ہوگا ۔جب تم نہیں تھے تب بھی ہم یہی کام کرتے تھے جب تم نہیں ہو گے تب بھی ہم یہی کام کرینگے ۔ہمارا کام تو چلتا رہے گا۔تم نہیں تو کوئی اور آجائے گا۔یہ ضرور یاد رکھو کہ ہر رہنما اپنے حصے اور قسمت کے بے وقوف اپنے ساتھ لے کر آتا ہے ۔فرق پڑے گا تو صرف تمہیں۔۔۔

کیسا فرق؟؟؟؟

تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن چلو میں دوبارہ بتا دیتا ہوں کہ تمہارا ایک بیٹا اور ایک بیوی۔۔۔۔۔۔۔۔

خبردار اگر میری بیوی اور بیٹے کے بارے میں کوئی بات بھی کی تو۔۔۔وہ زور سے چیخا

ہاہاہا۔۔۔انہوں نے قہقہہ لگایا۔

جانتا ہوں مجاہد اللہ جانتا ہوں۔بس تمہیں صرف یہ بتانا تھا کہ تمہارے گھر میں اسکے علاوہ بھی آٹھ لوگ موجود ہیں جن میں سے تین چار سے تو بہت محبت کرتے ہو تم ۔اور تم کبھی نہیں چاہو گے کہ انہیں کوئی نقصان پہنچے اور میرا خیال ہے کہ انکی موت کا تو تم سن بھی نہیں پاؤ گے۔۔۔

اسکی رگیں تن گئی ۔ایسے جیسے بہت غصے کو قابو میں رکھا ہو

جیسا آپ چاہ رہے ہیں میں ویسا کرنے کو تیار ہوں لیکن آپ ایسا کچھ بھی نہیں کرینگے ۔وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا

میں ایسا کچھ بھی نہیں کرونگا۔۔۔

مجھے یقین نہیں ہے۔۔۔

وہ اندر گئے اور چند لمحے بعد واپس آئے ۔انکے ہاتھ میں قرآن مجید تھی وہ اسکے قریب آ کر کھڑے ہوئے اور بولے۔

میں اس کتاب پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہوں کہ اگر تم میری مرضی سے چلو گے تو میں تمہارے کسی بھی اپنے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ نگا اور جب تم اپنے ساتھیوں سمیت یہ کام کر کے آجاؤ گے تو کچھ دن تمہیں زیر زمین رکھنے کے بعد آزاد کر دونگا اسکے بعد تم آزاد ہو گے چاہے جہاں بھی جاؤ لیکن تمہیں میرے ساتھ یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ تم ساری زندگی یہاں کے راز اپنے سینے میں دبائے رکھو گے اور کبھی بھولے سے بھی دوبارہ یاد نہیں کرو گے۔وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر بولے

وہ چند ثانیے رکے اور پھر دوبارہ اندر جا کر قرآن مجید رکھ آئے۔

اگر اب بھی تمہیں یقین نہیں ہے مجاہد تو میں کل کی فجر کی نماز میں اعلان کر دونگا اسکے بعد تو تمہیں یقین کر لینا چاہئے کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں کیے گئے وعدے سے میں مکر نہیں سکونگا۔وہ مسکراتے ہوئے بولتے رہے اور اسکے اندر ایک لاوہ پھٹتا رہا

ٹھیک ہے۔میں تیار ہوں۔بمشکل تنا کہہ کر وہ جلدی سے وہاں سے نکل گیا۔

حمزہ ہم نے کم سے کم کتنی مختلف جگہوں پر حملے کیے ہونگے؟؟؟؟؟

اس رات کھانے سے فارغ ہو کر وہ سونے کیلئے لیٹے تھے کہ مجاہد نے اچانک سے سوال کیا۔

کیا مطلب؟؟؟؟وہ اسکی طرف مڑا

میں نے کوئی مشکل بات نہیں پوچھی اور نہ ہی ایسی جو تمہیں معلوم نہ ہو۔۔۔اس نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔۔

حمزہ اسکی طرف دیکھتا رہا۔

حمزہ کی عادت تھی کہ مولانا صاحب کے حکم پر کوئی بھی مشن کرنے کے بعد واپس آ کر وہ ایک کاپی میں اسکا نام لکھتا تھا۔سارے دوست اس پر ہنستے تھے لیکن وہ ہنستے ہوئے جواب دیا تا تھا کہ اگر قیامت میں اسکے گناہ زیادہ ہو گئے اور فرشتے کچھ بھول گئے تو وہ یہ کاپی تو پیش کر سکے گا جس میں اسکی دین کی سربلندی کی کاوشیں محفوظ تھیں۔۔۔اور اسی عادت کی وجہ سے مجاہد اس پر طنز کر رہا تھا۔۔۔

کل نو ہو گئے ہیں۔۔۔

ہم۔۔۔تمہیں یاد ہے حمزہ جب ایک بار ہم نے ایک بازار میں نہتے لوگوں پر گولیاں برسائی تھیں۔ہم نے یہ تک نہیں دیکھا تھا کہ وہاں معصوم بچے بھی تھے اور خواتین بھی تھیں لیکن پھر بھی ہم نے گولیاں برسائی اور ہمیں حکم مولانا صاحب نے دیا تھا۔وہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولتا رہا۔

تو خواتین کو وہاں بازاروں میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟؟؟جب اللہ اور رسول ﷺ نے

خواتین کو بازاروں میں گھومنے سے منع کیا ہے تو پھر اتنی بڑی تعداد میں وہاں گھومنے اور وہ بھی ساری کی ساری ننگے سر کیا ضرورت تھی۔اور مولانا صاحب نے بلکل ٹھیک کیا اور ہم نے بھی کہ جہاں اتنی بے حیائی پھیلی ہوگی وہاں کسی طریقے سے تو انہیں روکنا پڑے گا نا۔۔۔

حمزہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی کو جان سے مارنے کا کوئی حق نہیں ہے۔بے شک وہ جتنا بھی گناہگار ہو۔۔۔

ایسا نہیں ہے مجاہد۔برائی کو روکنے کیلیے کسی کو تو قدم اٹھانا پڑتا ہے۔۔۔وہ جذبات میں تھا

تو برائی روکنے کا ایک ہی حل ہے کہ ہم جانیں لے لیں؟؟؟کوئی اور حل بھی تو ہو سکتا تھا نا۔۔۔

تمہیں لگتا ہے مجاہد کہ ہم اگر وہاں جا کر ان خواتین کو کہتے کہ بہن جی آپ نے بہت غلط کیا ہے کہ آپ بازار آگئی ہیں اور وہ بھی اس حلیے میں کہ ہر شخص کیلیے آپ دعوتِ نظارہ بنی ہوئی ہیں۔اس لیے آپ اللہ سے توبہ کر لیں اور اپنی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنے گھر کی چاردیواری میں رہا کریں تو وہ مان جاتیں؟؟؟ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا تھا مجاہد اور نہ ہوتا ہے سو پھر ہمارے پاس ایک ہی رستہ ہے تا کہ ہم انہیں ڈرائیں۔۔۔۔۔بس۔۔

اسنے یہ کہہ کر کروٹ لی اور سو گیا لیکن اسے ایک بار پھر ماضی کے سمندر میں دھکیل گیا جب کسی نے اسے انسانوں کے حقوق سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔۔۔۔۔

دوستوں پچھلے درس میں ہم نے والدین کے حقوق پر بحث کی تھی۔اب ہم بات کریں گے باقی حقوق العباد پر۔اب آپ کیلیے ضروری نہیں ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق کریں۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انسان پر سب سے بڑا حق انسانیت کا ہے۔۔نہیں سمجھے؟؟؟

مطلب میرا یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو کوئی تکلیف ہے یا اسے کسی چیز کی ضرورت ہے تو اس بات سے قطع نظر کہ آیا وہ مسلمان ہے یا نہیں ہمیں فوراً اس کی مدد کر دینی چاہیے بھی ہمارے بس میں ہو۔اب دیکھیں تا کہ اگر کسی گاڑی میں کچھ مسلمان اور کافر ایک ساتھ بیٹھے منزل کی طرف جا رہے ہیں اور راستے میں کوئی حادثہ پیش آیا گاڑی الٹ گئی۔اب ان لوگوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہے تو کیا ہم ان میں سے جو مسلمان ہے ان کی مدد کر دیں گے اور جو نہیں ان کو ایسے ہی چھوڑ دیںگے؟؟؟قطعاً نہیں۔یا پھر اس بات کو اس طرح لیتے ہیں کہ اگر کہیں پر کوئی شخص زخمی یا بیمار حالت میں پڑا ہے اور اسے آپ کی مدد کی اشد ضرورت ہے اور آپ جانتے ہوں کہ وہ آپ کا محلہ دار ہے لیکن وہ مسلمان نہیں ہے تو کیا آپ کو اسے اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے صرف اس لیے کہ وہ مسلمان نہیں ہے؟؟؟ایسا تو کوئی بھی نہیں کر

سکتا۔ کیوں کہ ہمارا مذہب ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم غیر مسلموں سے بھی حسن سلوک اپنائیں۔

میری بات سنو دوستوں۔۔آپ کو ہر مذہبی انسان کہے گا کہ اچھا مسلمان بنو۔اچھا مذہبی انسان بنو لیکن قاری ادریس آپ کو یہ کبھی بھی نہیں کہیگا کہ اور کچھ کرو یا نہ کرو بس عبادتیں کر کے اچھا مسلمان بننے کی کوشش کرو۔میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔چلتی پھرتی دو ٹانگوں کی مخلوق جو اللہ کی عبادت بھی کرتی ہے اور سجدوں میں بھی گری رہتی ہے اور مسلمان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔اللہ کی زمین بھری ہوئی ہے۔ ایک ہجوم پھیلا ہوا ہے زمین کے ایک کونے سے دوسرے تک لیکن اس بھری ہوئی زمین پر صحیح معنوں میں مسلمانوں کی تعداد گنی چنی ہی ہے۔تو کچھ بھی بننے سے پہلے اچھا مسلمان بنو۔اچھا مسلمان بنو گے تو اچھا انسان خود ہی بن جاؤ گے کہ ہمارے نبی تو یہودیوں کی بھی عزت کرتے تھے اور انکی بھی مدد کرتے تھے

میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اچھے مسلمان بنو صرف عبادت گزار مسلمان نہیں۔اچھے مومن کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر انسان کو اہمیت دینی چاہئے اسے عزت دینی چاہیے۔ہر انسان سے محبت کرنی چاہئے۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ہمارے حسن سلوک کے لیے سامنے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے ۔اب دیکھیں نا ہم سب چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام پھیل جائے۔اور کفر ختم ہو جائے۔لیکن ہم اس کے لیے خود کو بدلنے پر قطعاً تیار نہیں ہیں۔ہم لوگ اپنے سے نیچے ہر غیر مسلم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔چاہے اس میں ہمارا کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔بس ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے کو اور خاص طور پر غیر مسلم کو تو ضرور نقصان پہنچا لیں۔اب یہ بات انسانیت اور مسلمانیت دونوں کے سخت خلاف ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ہمیں یہ نہیں سکھاتا۔دوستوں میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کون سا مذہب ہے جو اپنے پیروکار کو سکھائے کہ قتل کرو دھوکا دو۔جھوٹ بولو۔۔کوئی بھی مذہب نہیں۔ہر مذہب سب سے پہلے انسانوں سے پیار کا درس دیتا ہے۔ہر مذہب قتل کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ہر مذہب جھوٹ اور دغا بازی کو روکتا ہے۔ ہم میں اور دوسرے مذاہب میں فرق صرف عبادات کا ہے۔تعلیمات سب مذاہب کی ایک ہی جیسی ہیں۔جیسے اسلام ہمیں زنا سے روکتا ہے تو کونسا مذہب ہے جو زنا کو پسند کرتا ہے؟؟اسلام قتل سے روکتا ہے تو کونسا مذہب پسند کرتا ہے۔آپ میری بات کو سمجھیں۔فرق صرف عبادات کا ہے۔ہم ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو کچھ مذاہب بہت سے خداؤں کا پرچار کرتے ہیں۔ہم مسجد میں ماتھا جھکاتے ہیں تو کوئی مندر میں اور کوئی گرجا میں۔لیکن سکھاتا سب کا مذہب سب سے پہلے انسانیت ہے۔۔مندر میں سجدہ کرنے والے کو اس کا مذہب یہ نہیں کہتا کہ وہ مسجد میں سجدہ کرنے والوں کو مار ڈالے۔ایک اللہ کے ماننے والے کو اجازت نہیں ہے کہ وہ دیوتا کے پجاری کو کوئی مار دے یا گرجا کو آگ لگا دے۔اور یہ جو ایک آواز ہے یہ

کسی مذہب کی نہیں ہے ۔یہ پیغام انسانیت کا ہے ۔یہ پیغام تب بھی تھا جب اسلام نہیں آیا تھا۔

اب آپ یہ بتائیں کہ اچھا مسلمان بننے کے لیے صرف پانچ وقت کی نماز کافی ہے کیا؟؟ بلکل نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نماز روزہ زکواۃ حج اسلام کے بنیادی ارکان ہیں لیکن صرف یہی اسلام نہیں ہے۔ اسلام توصرف مذہب نہیں ہے نا ۔بلکہ زندگی گزارنے کا طریقہ ہے ۔ایک رہنما ہے ۔اب ہم اس سے کتنی رہنمائی لیتے ہیں یہ ہم پر منحصر ہے ۔ ہمارے نبی نے ہمیں صرف تعلیمات نہیں دی بلکہ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ۔لیکن المیہ ہمارا یہ ہے کہ ہم نے اسلام کوصرف مذہب سمجھ لیا ہے ۔یعنی صرف عبادات کا ایک مجموعہ ۔جبکہ ایسا نہیں ہے ۔عبادات کوتو اسلام نے عملیات کے بعد رکھا ہے ۔جیسے کہ نماز کو چھوڑ دو اور بعد میں قضا پڑھ لو لیکن اگر کسی کو اشد ضرورت ہے تو وہ پہلے پوری کرو ۔یا پھر یہ کہ داڑھی رکھنا افضل ہے لیکن اگر کسی نے نہیں رکھی تو ہم اس کے اوپر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے ۔ بلکہ ہم کسی کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے ۔ جو آج کل کے مولوی اور علما کرتے ہیں سب غلط ہے ۔ہم خود گناہگار ہیں ہم کیا سمجھ سکیں کہ جس کو ہم اپنی دانست میں داڑھی نہ رکھنے اور کچھ نمازیں چھوڑنے کی وجہ سے کافر سمجھ رہے ہیں اللہ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے ۔ کیوں کہ اللہ کے دفتر میں صرف نماز روزے سے کام نہیں چلتا ۔اللہ نے اختیار اپنے پاس رکھا ہے کہ اگر اس کا بندہ گناہ کرے اور پھر نادم ہوکر معافی مانگے تو وہ فوراً اسے معاف کر دے لیکن کسی انسان کا حق مارنے یا اسے کوئی نقصان پہنچانے کے بعد اللہ بھی اس کو معاف نہیں کرتا جب تک وہ شخص آپ کو معاف نہ کردے جس نے نقصان اٹھایا ہے ۔تو ثابت ہوا کہ اللہ نے اسلام کوصرف عبادات کا ایک مجموعہ بنا کر نہیں بھیجا بلکہ ہمیں ایک رہنمائی دی ہے ۔اور اس کے ساتھ ایک نمونہ بھی بھیجا ۔ نبی ﷺ کی صورت میں ۔اس بات کا اندازہ تھا کہ بعد میں آنے والی مسلمان کہیں گے کہ ان تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہے سوایک انسان کو بھیجا ۔اپنے دشمن کومعاف کرنا ممکن ہے تو اٹھا کر دیکھ لو کہ انہوں نے کن کو معاف نہیں کیا؟ اپنے چچا کے قاتلوں کو معاف کیا خود پر حملہ کرنے والوں کومعاف کیا ان کو بھی معاف کیا جو گھر کا کچرا ان پر پھینکتے تھے ان کو بھی معاف کیا جنہوں نے اتنے پتھر برسائے کہ جوتے خون سے بھر گئے ۔اگر بھوکے ہو اور کھانا نہیں ہے تو اس شخص کو یاد کرلو جس کو اتنی بھوک لگی کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے لیکن وہ کام نہیں کیا جو اللہ کو پسند نہیں تھا ۔اگر امیر ہوتو اس شخص کو یاد کرو جس کے پاس مال غنیمت آتا ہے تو تب تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا جب تک اپنے ہاتھ جھاڑ نہ لے ۔اگر غریب ہوتو اس کی محنت کا خیال کرلو کہ وہ کیا کرتے تھے ۔اگر بیمار ہوتو یاد کرلو کہ اللہ کے محبوب بھی تو بیمار ہوئے تھے ۔کیا انھوں نے ہماری طرح اللہ سے شکایتوں کے ڈھیر لگا دیا تھے؟؟؟ بلکل نہیں ۔بلکہ وہ ہر حال میں اللہ کی رضا میں راضی رہے ۔اور اپنی زندگی کا قدم قدم اللہ کی مرضی سے اٹھایا ۔اب اس سے دو باتیں ختم ہوگئی ۔

ایک تو یہ کہ اسلام کو جو ہم نے صرف عبادات تک محدود سمجھا اور رکھا ہے اور دوسری یہ کہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

تو دوستوں! آج کے درس کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں۔اس امید کے ساتھ کہ آج گھر جا کر ہم سب غور کریں گے کہ ہم نے اپنی زندگی میں اسلام کی جگہ کہاں رکھی ہے۔کیا اسلام ہماری زندگی میں عبادات سے زیادہ بھی کچھ ہے یا نہیں؟اور اگر نہیں تو کیوں نہیں۔۔ایسی کون سی مجبوری ہے جو ہمیں وہ تعلیمات اپنانے نہیں دے رہی۔۔۔

اللہ حافظ۔

قاری صاحب محفل برخاست کر کے وضو کرنے چلے گئے۔پھر اذان دی اور اس کے بعد سب نے ایک ساتھ نماز پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

فضل اللہ اور رحمت آج کے درس میں بھی موجود تھے۔وہ بھی شام کا دھندلکا پھیلنے کے بعد گھر واپس آئے۔اور رحمت رات دیر تک قاری صاحب کی باتوں پر غور کرتا رہا۔اور ان ہی کی باتیں سوچتا ہوا نیند کی وادی میں چلا گیا۔۔۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ شکیل بھائی۔اعتبار نہ کر کے بھی تو کچھ حاصل نہیں ہوا مجھے تو پھر اعتبار کرنے پر ہی غور کیوں نہ کروں۔۔وہ دھیمی آواز میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔اب وہاں مزید بیٹھنے اور مزید کوئی بھی انکشاف سننے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔

مجاہد۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جا رہا تھا تو انہوں نے آواز دے کر روک لیا

جی۔۔۔وہ رک گیا۔وہ آگے بڑھے۔اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے

تم مجھے بہت عزیز ہو مجاہد اللہ اس لیے میں نے تمہیں اتنا کچھ بتایا ہے۔ورنہ مجھے بھیجا اسلیے گیا تھا کہ میں تمہیں سمجھا لوں کہ تم غلط ہو اور غلط سوچ رہے ہو لیکن میرا دل نہیں کیا کہ میں تم سے یہ کہہ کر تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کروں کہ مولانا صاحب دین کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں اور تم ان سے بغاوت کر کے غلط کر رہے ہو۔کیوں کہ تم میرے جیسے ہو۔بلکل میرے جتنے مجبور اور بلکل میرے جیسے اور جب دوسرا بلکل آپ جیسی ہی غلطی کرنے جا رہا ہو تو ہمیشہ دل کرتا ہے کہ اس دلدل میں گرنے سے بچا لیا جائے۔تم فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔کیونکہ تمہارے کیے ہوئے فیصلے سے تم سے جڑے گیارہ بندوں کے مستقبل کا فیصلہ جڑا ہے۔زندگی کبھی بھی ایک کے بعد دوسری غلطی کرنے کی مہلت نہیں دیتی بیٹا اور ایک بہت بڑی غلطی تم نے اپنا رستہ چن کر چکے ہو سو اگلا قدم احتیاط سے اٹھانا کہیں ایسا نا ہو کہ اگلا

فیصلہ بھی غلطی ثابت ہو کر اپنے پیچھے تباہی کا دروازہ نہ کھول لے ۔سمجھ رہے ہو میری بات ؟؟؟ انکا انداز سوالیہ تھا

جی ۔۔۔۔۔آواز بہت بے جان تھی ۔

ٹھیک ہے تم جاؤ اب ۔اللہ سے دعا کرونگا تمہارے لیے ۔

اور وہ مرے ہوئے قدم اٹھاتا وہاں سے نکل آیا ۔۔

کتنا مشکل ہوتا ہے کسی انسان کیلیے اس بات کو قبول کرنا کہ جن انسانوں سے وہ بے انتہا محبت اور انکی بے حد عزت اور تکریم کرتا تھا انکی نظر میں وہ ایک ایسی چیز سے بڑھ کر نہیں ہے جسکو صرف اپنے مقاصد کیلیے استعمال کیا جائے ۔اس سے زیادہ تکلیف دہ زندگی میں کیا ہوگا کہ جب انسان کو پتا چلے کہ جس روشنی کی لکیر کے پیچھے وہ زندگی بھر اندھیروں میں بھٹکتا رہا وہ تو صرف اسکی آنکھوں کا دھوکہ تھی ۔اصل میں تو اسکا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور اس سے بڑھ کر تکلیف دہ تو یہ کہ جب وہ آنکھوں کا دھوکہ بذات خود مزید اندھیرے کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

لیکن یہ سب اس وقت صرف وہ ہی جانتا تھا ۔کسی کو نہیں بتا سکتا تھا وہ ۔اپنے دوستوں کو بھی نہیں ۔ورنہ وہ پانچ دن اسکی زندگی میں دوبارہ بھی لائے جا سکتے تھے ۔۔

رستہ چلتے ہوئے ماضی کے ٹکڑے ایک بار پھر اسکے ذہن میں چلنے لگے

ابا میں جب حفظ کر لونگا تو اس کے بعد کیا کرونگا ؟

اس کے بعد تم قاری صاحب سے ترجمہ پڑھتے رہنا ۔۔اور علم پڑھتے رہنا ۔

لیکن ابا قاری صاحب کے پاس تو صحیح سے مدرسہ نہیں ہے ۔میں مدرسہ جاؤنگا ۔

کون سے مدرسے؟؟؟؟؟؟

ابا کوئی بھی ۔مدرسے تو بہت سارے ہوتے ہیں ۔

لیکن بیٹا تم قاری صاحب سے کیوں نہیں پڑھنا چاہتے ؟؟؟

ابا میں پڑھ تو رہا ہوں قاری صاحب سے ۔لیکن آگے پڑھنے کے لیے مجھے مدرسے جانا ہوگا ۔وہ اصرار کر رہا تھا ۔

اچھا ٹھیک ہے بیٹا ۔حفظ ختم ہونے میں تو ابھی کافی وقت ہے ۔۔ابھی سے کیوں فکر کر رہے ہو؟؟؟

اتنا زیادہ وقت تو نہیں ہے ابا ۔میں بیسویں سیپارے پر پہنچ چکا ہوں ۔اور ابھی تو میری رفتار بھی زیادہ ہو گئی ہے ۔قاری صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر میں اسی رفتار سے پڑھتا رہا تو بس دو سالوں میں

قرآن پاک ختم کرلونگا۔

چلو کچھ سوچتے ہیں اس بارے میں بیٹا۔ میں کسی مدرسے کا پتہ کرلونگا۔اگر اچھا ہوگا تو پھر چلے جانا۔لیکن دو سال تو کافی وقت ہے۔ابھی سے فکر نہ کرو۔

ٹھیک ہے ابا۔

رحمت اللہ گیارہ سال کا ہو چکا تھا۔پانچ سال کی عمر سے حفظ شروع کرنے کے بعد آج وہ بیسویں سیپارے پر پہنچا تھا۔اور آج ہی قاری صاحب نے خوش ہو کر کہا کہ اگر وہ اسی رفتار سے پڑھتا رہا تو دو سال سے کم عرصے میں وہ ختم کرلے گا۔تو گھر واپس آتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ختم کرنے کے بعد وہ کیا کرے گا اور یہی بات آج اس نے اپنے باپ سے کی تھی۔

اور پھر دو سال بعد حفظ ختم کرنے کے بعد جب اس نے مدرسے جانا چاہا قاری صاحب نے بہت مخالفت کی اور فضل کو بھی قائل کرلیا کہ اسے مدرسے نہ جانے دیا جائے۔اور فضل قائل ہو بھی گئے۔جمیلہ بھی اسے کسی صورت خود سے دور کرنے کیلیے تیار نہیں تھی۔لیکن کچھ ہی دن بعد محمود کی طرف سے آنے والی شکایت فضل کو بہت بڑی مشکل میں مبتلاء کر گئی تھی۔

فضل اللہ! میری گاڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے اور یہ گاڑی میری نہیں ہے مالک کو پتہ چلے گا تو بہت غصہ کرے گا اور میں خود غریب آدمی ہوں ڈرائیور ہوں۔میں کہاں سے تاوان بھروں گا؟؟؟؟؟؟؟

بھئی میری بات سنو۔تمہیں واقعی یقین ہے کہ یہ میرے بیٹے نے ہی کیا ہے؟؟؟؟؟ اسے یقین نہیں آیا

ارے واہ فضل! یقین کا کیا مطلب؟؟؟؟؟ میں نے خود دیکھا ہے اسے غلیل سے پتھر مارتے ہوئے۔ اب تم مجھے بتاؤ فضل میں کیا کروں گا۔؟؟

میں آپ سے معافی مانگتا ہوں محمود بھائی۔میں بہت شرمندہ ہوں۔

تمہارے شرمندہ ہونے سے کیا ہوتا ہے فضل۔میرا نقصان تو پورا نہیں ہو جائے گا نا۔نا ہی تمہاری معافی سے میں ان جھڑکیوں سے بچ جاؤنگا جو مجھے مالک سے ملیں گی۔فائدہ کیا ہے۔وہ بہت غصے میں تھا۔

میں کیا کرسکتا ہوں محمود بھائی؟؟؟؟؟ اپنے بیٹے سے تو میں اچھی طرح پوچھ لونگا لیکن آپ کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟؟؟؟؟ وہ بے حد شرمندہ تھا

میرے لیے تم کچھ بھی نہیں کرسکتے فضل۔کیوں کہ اس گاڑی کا شیشہ بدلنا تمہارے بس کا کام نہیں

ہے اور نہ ہی میرے بس کا ہے۔

تو پھر کیا ہوگا محمود بھائی ؟؟؟؟؟فضل اللہ بہت پریشان اور بے حد شرمندہ تھا

یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا ہوگا۔سیٹھ کے غصے کو تم نہیں جانتے۔میری نوکری بھی جا سکتی ہے۔اس وجہ سے کہ میں گاڑی کا خیال نہیں رکھ سکا۔اگر کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہوتا تو پھر بھی ٹھیک تھا لیکن اس طرح-----

محمود بھائی میں سوائے شرمندگی اور معافی مانگنے کے اور کیا کر سکتا ہوں۔وہ نظریں زمین پر گاڑے ہوئے تھا۔

تم شرمندہ ہو کر اور معافی مانگ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے فضل۔تمہارے بیٹے نے جو کرنا تھا وہ کر دیا ہے۔اب تم کچھ نہیں کر سکتے۔یہ کہہ کر وہ بہت غصے میں چلا گیا۔

اور اس لمحے فضل کا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔رحمت نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا۔وہ زمین میں نظریں گاڑے ادھر ہی کچھ دیر زمیں پر بیٹھ گیا۔وہ پچھلے بیس سال سے اسی محلے میں رہ رہا تھا۔اور اس کے محلے والوں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔وہ ہر کسی کی عزت کرتا تھا اور بدلے میں محلے والے بھی اس کی خوب عزت کرتے تھے۔اس نے اپنے بیٹوں کو بھی یہی سکھایا تھا لیکن پتا نہیں رحمت اللہ نے دوسروں کو تکلیف دینا کس سے سیکھا تھا۔حالانکہ فضل اور نہ ہی جمیلہ نے اسے یہ سکھایا تھا۔

وہ کافی دیر ادھر کچی زمیں پر بیٹھا رہا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔آج سے چار سال پہلے بھی اسی محلے کے جاوید کے ہاتھوں رحمت نے اس کی بے عزتی کروائی تھی اور آج چار سال بعد ایک بار پھر وہی بے عزتی ہوئی لیکن جاوید نہیں محمود کے ہاتھوں۔آج سے چار سال پہلے وہ سات سال کا تھا تو اس کی حرکت کو بچپنا کہا جا سکتا تھا لیکن آج اس کی حرکت کو بچپنے پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔چار سال پہلے بھی وہ غلیل کے ساتھ پکڑا گیا تھا اور آج چار سال بعد بھی غلیل کے ساتھ---پہلے نشانے پر امرود تھا تو آج گاڑی کا شیشہ۔غلیل اسے نہ پہلے فضل اللہ نے لے کر دیا تھا نا ہی آج۔اور اس کے دوست آج بھی وہی تھے جو آج سے چار سال پہلے تھے----

تو---------------------

تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پچھلے چار سال سے یہی سب کچھ کر رہا ہے؟؟ تو کیا وہ سدھرا ہی نہیں اب تک؟؟؟وہ جو شام کو دیر سے گھر آتا ہے اور وہ جو ہر بات پر تنگ کر جواب دیتا ہے۔

تو اس نے آج بھی وہی کیا ہے جو چار سال پہلے کیا تھا۔غلیل سے نشانہ لیا تھا کسی کا۔وقت کے

ساتھ اس کا شکار بھی بدل گیا تھا۔امرود سے گاڑی کے شیشے تک پہنچ گیا تھا وہ۔۔۔۔۔اور وقت انسان کو ہمیشہ بدلتا ہے۔چاہے وہ اچھائی میں ہو یا برائی میں۔۔۔۔۔

وہ اٹھ کر گھر آ گیا۔گلی میں سے گزرتے لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔وہ وہی کچی زمین پر بیٹھا تھا تو لوگوں نے تو مڑ کر دیکھنا ہی تھا۔اس کے اندر غصے کی جگہ انگاروں نے لے لی تھی۔رحمت کی خوش قسمتی یا پھر ہوشیاری کہ وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ورنہ فضل کے ہاتھوں آج اس کی خوب پٹائی ہونے والی تھی۔

مغرب کی اذان کو کافی دیر گزر چکی تھی۔فضل آج مغرب کی نماز پڑھنے مسجد نہیں گیا۔اسے شرم آ رہی تھی جو اگر گلی میں سے گزرتے کسی نے اس کی اور محمود کی باتیں سنی ہوں تو۔۔۔وہ رحمت کا انتظار کر رہا تھا۔عصر سے ہی وہ اس کے انتظار میں تھا لیکن وہ بھی شاید اپنے باپ کے ارادوں سے خوب واقف تھا۔شام کی اذان ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی تھی لیکن ابھی تک اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔یہ کوئی پہلی بار نہیں تھا۔۔وہ کبھی کبھی اسی وقت گھر آتا اور کوئی وجہ نہیں پوچھتا تھا۔لیکن آج عام دن نہیں تھا۔آج وہ شدت سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔وہ برآمدے میں پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھ جاتا اور پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔پھر بیٹھ گیا۔پھر اٹھ گیا۔ظفر اور امان ورکشاپ سے آ چکے تھے اور اپنے باپ کو اٹھتے بیٹھتے انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا۔اور جمیلہ تو کافی دیر سے اسے مضطرب دیکھ رہی تھی۔اس نے فضلو کو کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا تھا۔دروازہ تھوڑا سا ہلا تو فضل چونکتا ہو گیا۔آہٹ سے وہ اس کی آمد کو سمجھ چکا تھا۔

رحمتے۔۔۔۔اور رحمتے۔۔۔۔ادھر آؤ۔۔

وہ سیدھا اپنی ماں کے پاس باورچی خانے میں جا رہا تھا جب باپ کی کڑک دار آواز نے اسے مڑنے پر مجبور کر دیا۔جمیلہ باورچی خانے سے نکل آئی تھی۔وہ کانپتے دل کے ساتھ برآمدے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔جانتا تھا کہ محمود نے ابا کو شکایت لگائی ہو گی۔اپنی عقل کے مطابق وہ کافی دیر سے آیا تھا تا کہ ابا کا غصہ کم ہو جاتا لیکن ایسا نہیں تھا ابا نہ صرف غصہ تھے بلکہ غصے کی انتہا پر تھے اور وہ طوفان کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

جی ابا۔۔۔۔۔۔۔۔انتہائی فرمانبرداری سے نظریں جھکا کر اس نے کہا۔

فضل چند قدم اٹھا کر اس کے پاس آیا۔وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن نہیں بول پایا اور پھر اچانک سے گھوم کر اس کے منہ پر زور کا ایک ایسا جھانپڑ مارا کہ رحمت کو اپنا آپ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔دن میں تارے نظر آنا اسے سمجھ میں آ گیا تھا اور وہ ابھی سنبھلا بھی نہیں تھا کہ اس سے زیادہ شدت کا ایک اور زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔اسے لگا کہ منہ کے اندر ایک یا دو دانت تو ضرور ٹوٹ گئے ہوں گے۔جمیلہ

دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئی۔وہ تو ماں تھی نا۔دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن اس کے لیے تو اسکا بیٹا بے قصور ہی رہے گا۔

تم قریب مت آنا جمیلہ۔۔میں کہہ رہا ہوں کہ قریب مت آنا ورنہ اس کے ساتھ ہی تمہارا بھی یہی حشر کر دونگا۔۔۔وہ زور سے چیخا

کیا ہو گیا ہے تمہیں فضل؟؟؟؟؟؟؟ کیوں مار رہے ہو بچے کو اتنا؟؟؟؟؟ وہ پریشانی میں چیخی۔

دو تھپڑ کھا کے اس نے وہ چیخ و پکار مچائی تھی کہ شاید پورے محلے والوں نے سن لی ہوگی۔اس کے رونے اور فضل اور جمیلہ کی آوازیں سن کر ظفر اور امان بھی کمرے سے نکل آئے تھے۔جمیلہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔اپنے شوہر کی زبان سے آج تک اس نے ایسے انگارے نہیں سنے تھے۔فضل کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر ظفر اور امان بھی اس کی طرف بھاگے۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتے۔اس نے پاس کھڑے رحمت کے منہ پر ایک اور کڑا کے دار تھپڑ مار لیا اور شاید مزید بھی مارنا چاہتا تھا لیکن ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا جب ظفر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ ایک دم سے باپ کے سامنے آ گیا تھا۔وہ دونوں جوان تھے۔۔باپ کو قابو کر سکتے تھے۔اور انھوں نے کیا بھی یہی۔رحمت کے لیے بس یہی ایک لمحہ بھی کافی تھا۔وہ جلدی سے بھاگ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔جو اپنے بیٹے کو پٹتے دیکھ کر خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ماں کے پاس جا کر وہ اور بھی رونے لگ گیا۔

ظفر اور امان نے فضل کو چارپائی پر بٹھایا۔امان جلدی سے بھاگ کر نلکے سے پانی لایا۔پانی پی کر جب فضل کے اوسان تھوڑے بحال ہوئے تو انھوں نے ماجرا پوچھا۔

تم نہیں جانتے بیٹا۔اس نے آج مجھے کتنا شرمندہ کیا ہے۔مجھے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔نقصان کرنا بھی تھا تو اتنا کرتا کہ میں اس کو پورا کرنے کے قابل تو ہوتا۔اس نے تو وہ نقصان کیا جو میں پورا بھی نہیں کر سکا اور اس نے محمود بیچارے کو کتنی مشکل میں ڈالا ہے۔۔۔تم جانتے ہو؟؟؟؟؟؟ اس کی باتیں کسی کو سمجھ نہیں آئی۔اتنی ہی بے ربط باتیں کی تھی اس نے۔

لیکن ابا ہوا کیا ہے؟؟ آپ صاف بات کریں نا۔سمجھ نہیں آ رہی۔امان نے پوچھا۔

اس نے مجھے شرمندہ کروا دیا ہے بیٹا۔تنگ کر رکھا ہے اس نے مجھے۔۔۔

لیکن کیا کیا ہے ابا اس نے؟؟؟؟؟

محمود آیا تھا آج۔وہ جو کھیتوں کے پیچھے رہتا ہے۔وہ اپنے مالک کی گاڑی لایا تھا اپنے گھر تو اس نے پتھر مار کر شیشہ توڑ دیا ہے اس کا۔

لیکن آپ کو کس نے بتایا ابا کہ یہ رحمت نے ہی کیا ہے؟؟؟؟ وحید پہلی بار بولا

بتاتا کیا ہے؟؟ اس نے خود دیکھا ہے اس منحوس کو غلیل کے ساتھ۔اور پھر اس کو پکڑنے کے لیے بھی بھاگا لیکن یہ ہاتھ نہیں آیا اس کے۔

ابا اس کے پاس تو غلیل بھی نہیں ہے۔محمود چچا کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

ارے واہ!!! کتنوں کو غلط فہمی ہوئی ہے؟؟ پہلے جاوید آیا تھا کہ اس کے گھر میں پتھر مارتا ہے اوراب --------

کیا؟؟؟؟؟ جاوید چچا کے گھر میں پتھر مارے؟؟؟ یہ کب کیا ابا؟؟

ظفر بہت حیران ہوا۔رحمت کب اتنا بڑا ہو گیا تھا؟؟ سوچ میں پڑ گیا۔اس کی حرکتوں پر۔

اور صرف اتنے پر اس نے کہاں بس کیا ہے؟؟؟ ہر دوسرے دن گلی میں اس نے کسی نا کسی بچے کی پٹائی کی ہوتی ہے۔جھگڑا تو یہ روز ہی کرتا ہے۔اس نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے میرا۔اس کی حرکتوں پر پردہ ڈالتے ڈالتے میں تھک گیا ہوں۔۔وہ بہت ٹوٹے لہجے میں بولا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابا؟؟؟ آپ نے تو آج تک کچھ بھی نہیں بتایا۔

آج تک نہیں بتایا تو آج بتا رہا ہوں نا۔آج میں اسکی ساری مستی نکال دیتا۔تم لوگوں نے کیوں روکا مجھے۔۔؟؟؟ وہ ایک بار پھر غصہ ہو کر تیز آواز میں بولا۔

ابا ایسے مار پیٹ سے کیا ہو جائے گا۔ہم محمود چچا کو شیشے کی مرمت کے پیسے دے دینگے۔۔۔وحید نے تجویز دی

ہاں ہاں۔۔پیسے دے دینگے۔۔جیسے اس گھر میں تو ٹکسال لگا ہوا ہے نا۔ارے بے وقوف وہ بتا رہا تھا کہ اس گاڑی کے ایک شیشے کی قیمت دس ہزار سے زیادہ ہے۔۔۔

کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟

ہاں وحید محمود چچا ٹھیک کہہ کر گئے ہیں۔اس گاڑی کا ایک شیشہ اتنے کا ہی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ظفر علی چونکہ گاڑیوں کی ورکشاپ میں کام کرتا تھا اس لیے وہ قیمت کا اندازہ کر سکتا تھا۔

لیکن بھائی ----

لیکن ویکن کچھ نہیں وحید۔۔مجھے اس منحوس کی مستی نکال لینے دو تو ٹھیک ہو جائے گا۔اس کا علاوہ کوئی حل نہیں ہے اس کا۔اس کی آواز بہت تیز تھی۔جو باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی جمیلہ اور اس کی گود میں سر رکھے ہوئے روتے ہوئے رحمت کے کانوں میں بھی پڑی۔

اماں میں نے کچھ نہیں کیا۔ابا نے مجھے اتنا مارا اور آپ دور کھڑی رہی۔

ارے میرا بچہ میں جانتی ہوں کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔بس تیرے ابا کو کسی نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا ہو

گا تو غصہ ہو گئے ۔

وہ ماں تھی ۔کبھی اپنی اولاد کو غلط نہیں کہہ سکتی تھی ،وہ باپ تھا ،اسے سماج کا سامنے کرنا تھا ۔وہ ماں تھی صرف اولاد سے پیار تھا ۔وہ باپ تھا ،اسے عزت کا بھی خیال تھا ۔باپ تھا تو صحیح غلط سمجھ رہا تھا ۔ماں تھی تو ساری دنیا اس کے سامنے غلط تھی سوائے اولاد کے ۔باپ اور ماں میں اتنا فرق تو ہوتا ہی ہے ۔

پاپا ۔میں آپ سے ناراض نہیں ہوں ۔

ارے واہ بیٹا ۔۔۔یہ انقلاب کیسے آ گیا ؟؟؟؟؟وہ بے حد حیران ہوا ۔

پاپا مما کہہ رہی تھی کہ آپ بارڈر پر کام کرتے ہیں اور اگر آپ میں نے آپ کو تنگ کیا تو آپ صحیح سے کام نہیں کر پائیں گے اور پھر پھر دوسرے ملک سے لوگ آ کر ہمیں مار ڈالیں گے ۔تو اب میں آپ سے ناراض نہیں ہوں ۔

اس نے تفصیل سے بتایا ۔کل رات ہی تو اس کی بات ہوئی تھی اپنی ماں سے ۔وہ دونوں کافی دیر تک بحث کرتے رہے ۔عائشہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی رہی ۔

شہر بیٹا پاپا سے ایسے ناراض نہیں ہوتے ۔وہ پھر اداس ہوتے ہیں ۔

اس نے بات شروع کی ۔کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ ان ہی کی خاطر گھر سے باہر رہنے والا شاہنواز اپنے بیٹے کا پیار کھو دے ۔وہ اتنی جلدی نہیں آ سکتا تھا یہ تو طے تھا ۔وہ بارڈر پر ڈیوٹی دے رہا تھا ۔اور وہ اور اس جیسے لوگ ڈیوٹی دے رہے تھے تو ہی اس وقت اس ملک کے باسی سکون کی نیند سو رہے تھے لیکن یہ بات اس پانچ سالہ بچے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی ۔شاہنواز نہیں سمجھ پا تا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کیسے سمجھائے ۔وہ وعدے پر وعدہ توڑتا جا رہا تھا ۔اور ساتھ میں اس بچے کا اعتبار بھی ۔وہ بچہ لاشعوری طور پر اسکا مقابلہ اپنے دوستوں کے والدین سے کرتا تھا ۔

ماما میں پاپا سے ناراض رہوں گا ۔وہ کیوں نہیں آتے ہمارے پاس ۔

بیٹا آپ کے پاپا آرمی میں ہیں نا ۔وہ اتنی جلدی نہیں آ سکتے لیکن اس کا مطلب یہ بلکل نہیں ہے کہ وہ آپ سے یا آپ کی ماما سے پیار نہیں کرتے ۔وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں ۔

ماما پیار کرتے ہوتے تو آتے نا ہمارے پاس لیکن وہ تو نہیں آتے ۔وہ اس وقت ناراضگی کی آخری حد پر تھا ۔اپنے باپ کی محبت پر شک کرنے لگا تھا ۔

بیٹا میں بتا رہی ہوں نا کہ وہ بارڈر پر ڈیوٹی دیتے ہیں ۔ان کے پاس ایک بہت بڑی گن ہے اور ایک ٹینک بھی ہے ۔بلکل ویسے جیسی اس دن ہم نے مووی میں دیکھی تھی ۔اس سے وہ ان لوگوں کو مارتے

ہیں جو ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں بلکل سپر مین کی طرح ۔وہ اسے بہلا رہی تھی ۔
لیکن وہ مجھے ہر بار کہتے ہیں کہ اس بار وہ آئیں گے لیکن پورا ہفتہ گزر جاتا ہے اور وہ نہیں آتے ۔
ناراضگی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی ۔
ارے بیٹا آپکے پاپا آپ سے اس لیے وعدہ کر لیتے ہیں کہ وہ آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے ۔آپ کو نہیں پتا جب آپ ناراض ہوتے ہو تو آپ کے پاپا کتنا اداس ہوتے ہیں ۔۔
تو وہ بارڈر پر کیوں کام کرتے ہیں ۔وہ ہمارے پاس آ کر کام کریں نا ۔
عائشہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے ۔اس کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام تھا
بیٹا وہ اس لیے وہاں کام کرتے ہیں کہ وہ بہادر ہیں اور جو لوگ بہادر ہوتے ہیں صرف وہی لوگ بارڈر پر کام کرتے ہیں ۔آپ کے پاپا بہت بہادر ہیں بیٹا ۔اب کی بار جواب نانو نے دیا تھا
تو کیا عبداللہ اور کامران کے پاپا بہادر نہیں ہیں؟؟؟؟
عائشہ نے شکر کیا ۔چلو کسی بات سے تو اس کے سمجھنے کا امکان پیدا ہوا ۔
ایسی بات نہیں ہے ۔وہ لوگ بھی بہادر ہیں لیکن آپ کے پاپا ان سے زیادہ بہادر ہیں ۔اور اپنی گن سے گندے لوگوں کو مارتے ہیں ۔عبداللہ کے پاپا تو ایسا نہیں کرتے نا ۔عائشہ کے پاس ساری دلیلیں ختم ہو گئی تھیں ۔
تو میرے پاپا اس لیے گھر نہیں آتے کہ اگر وہ آ گئے تو گندے لوگ ہمارے ملک میں آ جائیں گے؟؟؟؟؟؟؟ وہ پوچھ رہا تھا ۔
بلکل بیٹا ۔بلکل یہی بات ہے ۔کہ اگر آپ کے پاپا واپس آ گئے تو گندے لوگ آ جائیں گے اور وہ لوگ پھر سب کو تنگ کریں گے ۔اس لیے آپ کے پاپا ان کو نہیں آنے دیتے ۔نانو نے سمجھاتے ہوئے کہا
تو ماما کیا پاپا کبھی بھی نہیں آئیں گے؟؟؟؟؟ وہ ایک بار پھر کچھ سوچ کر مایوس ہو رہا تھا ۔
نہیں بلکل نہیں ۔بلکہ جیسے ہی بارڈر پر آپ کے پاپا جیسا کوئی اور سپر مین آئے گا نا تو پاپا فوراً ہمارے پاس آ جائیں گے ۔
ماما پاپا سپر مین ہیں کیا؟؟؟؟
بیٹا سپر مین تو نہیں ہیں لیکن کام بلکل سپر مین جیسا کرتے ہیں ۔
ماما میں بھی سپر مین بنونگا اور گندے لوگوں کو مارونگا اور میں پاپا کی گن بھی دیکھوں گا ۔میں پاپا سے کہونگا کہ اس بار آتے ہوئے اپنی گن بھی لائیں ۔
آپ بھی سپر مین بنو گے بیٹا بلکل اپنے پاپا کی طرح لیکن آپ پہلے پرومس کرو کہ اپنے پاپا سے

ناراضگی ختم کر لو گے۔

ماما میں پاپا سے ناراض نہیں ہوں آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ پاپا سپر مین والا کام کرتے ہیں ورنہ میں ناراض نہیں ہوتا۔

بیٹا ہم سوچ رہے تھے کہ ہمارا شہیر اتنا سمجھدار ہے وہ خود سمجھ جائے گا۔نانو اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔

سوری نانو۔۔۔۔

ارے بیٹا سوری آپ کل اپنے پاپا سے کرلینا۔ٹھیک ہے؟؟؟ وہ بہت اداس ہوتے ہیں آپ کی ناراضگی پر۔

ٹھیک ہے۔میں پاپا سے سوری کرلونگا۔

عائشہ نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جو وہ اتنی آسانی سے سمجھ گیا ورنہ جب وہ کسی بات پر اٹک جاتا تھا تو پھر اسے سمجھانا بہت مشکل ہوتا تھا۔وہ بہت ذہین بچہ تھا۔شاہنواز تو گھر پر نہیں ہوتا تھا۔اکثر دو تین مہینوں بعد گھر کا ایک چکر لگا لیتا تھا لیکن اس سے زیادہ اسے چھٹی نہیں ملتی تھی۔وہ ماں بیٹا اور نانو گھر میں ہوتے تھے۔ایسے میں جب وہ کسی بات پر اٹک جاتا تھا اور ضد شروع کرتا تو عائشہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ایسے وقت میں نانو اسکی تھوڑی سی مدد کر پاتی تھی لیکن عائشہ کو شاہنواز کی کمی شدت سے محسوس ہوتی۔لیکن آج وہ آسانی سے سمجھ گیا اور اس سے اگلے دن جب اس نے شاہنواز سے فون پر اپنی ناراضگی ختم کرنے کا اعلان کیا تو وہ تو گرتے گرتے بچا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔اتنا بڑا انقلاب کیسے آیا تھا۔اور وہ بھی اتنا اچانک؟؟؟؟اسی لیے وہ پوچھ بیٹھا۔

پاپا ماما اور نانو نے مجھے کل بتایا کہ آپ بارڈر پر کام کرتے ہیں اور جلدی جلدی نہیں آسکتے۔۔

تو بیٹا یہ تو میں آپ سے روز کہتا ہوں لیکن آپ مانتے ہی نہیں میری بات۔

پاپا آپ نے مجھے یہ تو کبھی بھی نہیں بتایا کہ آپ کے پاس گن بھی ہے اور آپ سپر مین کی طرح گندے لوگوں کو مارتے ہیں۔

سپر مین کی طرح؟؟؟؟ وہ حیران ہوا

ہاں پاپا ماما نے مجھے رات کو بتایا کہ آپ کے پاس گن بھی ہے۔

پاپا میں آپ سے بلکل بھی ناراض نہیں ہوں۔جب آپ کی طرح دوسرا سپر مین آجائے گا آپ تب آجائیے گا۔میں آپ سے ناراض نہیں ہونگا۔

دوسرا سپر مین؟؟؟ وہ پھر حیران ہوا۔کتنا اچھا ہوتا اگر عائشہ فون اٹھاتی اور اسے یہ سب بتا دیتی کہ

اس نے ان باپ بیٹے کی صلح کروائی ہے اور کیسے کروائی ہے یہ بھی بتا دیتی ۔

ہاں نا پاپا ماما نے بتایا تھا کہ جب آپ کے جیسا دوسرا سپر مین آئے گا تو آپ ہمارے پاس آئیں گے

۔

ہاں بیٹا یہ تو ہے لیکن ہم لوگ انتظام کر رہے ہیں دوسرے سپر مین کا اور جلدی مل جائے گا تو پاپا آپ کے پاس آجائیں گے

پاپا میں بھی سپر مین بنوں گا ۔آپ کی طرح بارڈر پر گندے لوگوں کو مارونگا اور پاپا میں گن بھی لاؤنگا ۔

آج بہت عرصے بعد وہ شاہنواز سے خوشی سے بات کر رہا تھا اور فون کے دوسری طرف شاہنواز خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا ۔شہیر تو اس سے تب سے ناراض تھا جب اسے ایمرجنسی کال آئی تھی اور وہ اپنی چھٹی ختم کر کے ڈیوٹی پر آیا تھا ۔وہ کس دل سے آیا تھا یہ بھی صرف وہ ہی جانتا تھا ۔

ہاں بیٹا آپ بھی ضرور بنو گے اور اپنے پاپا سے بھی اچھے سپر مین بنو گے ۔آپ تو اپنے پاپا سے بھی بہت بہادر اور لائق ہو نا ۔

پھر میرے پاس بھی گن ہو گی نا پاپا؟؟؟

بلکل ۔اور بہت بڑی گن ہو گی آپ کے پاس اور آپ کے پاس تو ٹینک بھی ہو گا اگر آپ ہوم ورک صحیح سے کرو گے اور پڑھائی کرو گے تو ۔

پاپا میں ضرور پڑھوں گا اور ہوم ورک بھی کرونگا ۔ماما سے پوچھ لیں میں نے آج بھی کیا ہے ۔

زبردست ------میرا بہادر بیٹا اپنے پاپا کا بہادر اور لائق بیٹا ہے ۔

ٹھیک ہے پاپا میں کارٹون دیکھتا ہوں ۔آپ ماما سے بات کریں ۔

اور خدا حافظ کر کے اس نے فون عائشہ کو پکڑا دیا تھا ۔

آج تو شاہنواز کی ہنسی نہیں رک رہی تھی ۔وہ عائشہ کا بے حد شکر گزار تھا اور بات بے بات قہقہے لگا رہا تھا ۔عائشہ کو اسکی ہنسی بہت بھلی لگی ۔اتنے دنوں بعد ہی تو وہ دل کھول کر ہنس رہا تھا ورنہ کافی بار فون پر شہیر سے بات کر کے اداس ہو جایا کرتا تھا اور یہ بات تو اسے بہت ہی تکلیف دیتی تھی جب شہیر اسے کہتا تھا کہ وہ ان دونوں سے پیار نہیں کرتا اور پھر فون بند کر کے وہ اکثر بے دھیانی میں خود سے ہی پوچھ بیٹھتا ۔

اگر تم ان دونوں سے پیار نہیں کرتے تو تم اس دنیا میں زندہ کیسے ہو میجر شاہنواز بٹ؟

ایک بار اپنا راستہ چن کر غلطی کر چکے ہو مجاہد اللہ ۔۔اب آگے گنجائش نہیں ہے کہ زندگی غلطی

کرنے کا ایک ہی موقع دیتی ہے۔۔۔

کسی نے کانوں میں صدا دی۔۔وہ گھبرا کر مزید تیز چلنے لگا۔۔اسے اپنی زندگی میں کی ہوئی وہ واحد غلطی یاد آرہی تھی جو اسکی زندگی پر محیط ہوگئی تھی۔اسکی غلطی تو اتنی بڑی نہیں تھی جتنی سزا وہ کاٹ رہا تھا۔۔وہ ایک بار پھر ماضی میں جھانکنے لگا۔جب اس نے جان بوجھ کر اور اپنی مرضی سے دوسروں کی مرضی کے خلاف وہ غلطی کی تھی۔

اماں میں نے آخری سیپارہ شروع کرلیا ہے اور ابھی بس ایک دو مہینوں میں ختم بھی ہوجائے گا۔قاری صاحب کہہ رہے تھے کہ اپنے اماں ابا کو بتادو۔مسجد سے آکر اس نے نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر لیٹی ہوئی جمیلہ کو اطلاع دی۔

ارے واہ!میرا بیٹا اتنا بڑا ہوگیا اور حافظِ قرآن بھی بن گیا۔مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔جمیلہ کی تو باچھیں کھل گئی۔

زینت۔۔۔۔۔۔ارے او زینت سنو تو۔

زینت باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی آئی۔

کیا ہوا اماں؟؟؟؟ گھبرائی آواز میں اس نے پوچھا۔

میرا بیٹا حافظ بن گیا ہے اس خوشی میں کچھ میٹھا تو بنا دو۔

اماں میں ابھی حافظ بنا نہیں ہوں۔تھوڑا سا وقت رہتا ہے ابھی۔رحمت اللہ نے اپنی ماں کو خوشی سے بے قابو ہوتے دیکھ کر کہا۔

ارے تو بس دو مہینے کی تو بات ہے پھر ختم ہوجائے گا اور ویسے بھی تم نے آخری سیپارہ تو لے ہی لیا ہے نا تو اس خوشی میں کچھ میٹھا بنا لیتے ہیں۔فضل اور بچے بھی آکر کھالینگے۔

ہاں ٹھیک ہے اماں۔میں کھیر بنا دونگی رات کے کھانے پر۔

ہاں چلو رات کو بنا دینا۔اور زینت مڑ کر پھر باورچیخانے میں چلی گئی۔

اس پٹائی کے بعد فضل اللہ نے اس پر سخت پابندی لگائی تھی کہ وہ سیدھا مسجد سے گھر آیا کرے گا اور اپنے محلے کے ایک بچے جو قاری ادریس سے ہی پڑھتا تھا کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ رحمت اور اس کے دوستوں پر نظر رکھے۔فضل نے اسے ان دوستوں سے ملنے سے بھی منع کردیا تھا۔اور باپ کے ڈر سے اب وہ نہیں ملتا تھا ان سے بس کبھی کبھی مسجد سے واپسی پر ان سے تھوڑی دیر مل لیتا تھا لیکن پھر اس ڈر سے کہ کہیں اس بچے نے دیکھ لیا تو اسکی شامت آجائے گی اور وہ گھر آجاتا تھا۔غلیل چھوڑ دیا تھا اس نے

۔تیرا سال کا بچہ ہی تو تھا کتنی مار برداشت کرتا ،ڈر گیا تھا۔

فضل تمہارے بیٹے نے قرآن ماشا اللہ سے حفظ کرلیا ہے اور میں اسی بات کی مبارکباد دینے کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں ۔قاری صاحب عشا کی نماز پڑھ کر فضل اللہ کے گھر آئے تھے۔

آج وہ خاندان بہت خوش تھا۔ایک حافظِ قرآن بن گیا تھا ان کے گھر میں ۔ظفر اور امان آج ورکشاپ سے جلدی چھٹی کر کے گھر آ گئے تھے اور وحید تو کام پر گیا ہی نہیں تھا اور فضل اور جمیلہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ان دونوں کے چہرے تو ایسے چمک رہے تھے جیسے ان کو جنت کا ٹکٹ مل گیا ہو۔رحمت اللہ نے پانچ سال کی عمر سے حفظ کرنا شروع کیا تھا اور آج پورے آٹھ سال بعد تیرا سال کی عمر میں اس نے قرآن ختم کرلیا۔وہ قاری صاحب کے ذہین طلبا میں سے ایک ثابت ہوا تھا اور اس کے ختم القرآن پر سب سے زیادہ تو قاری ادریس ہی خوش تھے ۔ظفر ،امان اور فضل تینوں مسجد گئے اس کے ساتھ اور وہاں انکی موجودگی میں ہی اس نے آخری آیات پڑھیں ۔آج ان کے گھر میں دیگچہ بھر کر چاول بنے تھے اور محلے میں بھی بانٹے گئے ۔رحمت اللہ حافظِ قرآن بن گیا تھا۔

خیر مبارک قاری صاحب!لیکن اصل میں ہم سے زیادہ مبارکباد کے مستحق آپ ہیں۔آپ ہی تو سبب ہیں اس کے۔

نہیں فضل اللہ یہ اللہ کا حکم تھا۔میں تو صرف ذریعہ بنا ہوں ۔اللہ نے جو کرنا تھا وہ کر کے ہی رہتا ،میں نہ ہوتا تو کوئی اور ہوتا یہ اللہ کا حکم تھا ۔قاری صاحب نے کہا۔

صحیح بات ہے قاری صاحب!بس اللہ نے آپ کو ہمارے لیے وسیلہ بنایا ۔وہ دل کھول کر خوش تھا

بچہ اب کیا کرے گا فضل اللہ؟؟؟قرآن تو ختم ہوگیا ہے اس کا۔قاری صاحب نے پوچھا

قاری صاحب میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔آپ ہی کچھ بتا دیں ۔گھر والوں سے پوچھوں گا کچھ تو ۔۔اس بات پر تو وہ کچھ دن پہلے سے سوچ رہا تھا۔

حفظ تو اس نے کرلیا ہے فضل ۔اب اسے ترجمہ پڑھا دو،اسے پتا تو چلے نا کہ جس کتاب کو اس نے یاد کرلیا ہے اس میں اس کے لیے کیا لکھا ہے۔

یہ تو آپ نے بہت پتے کی بات کی قاری صاحب۔میرا تو دھیان ہی نہیں تھا اس بات پر ۔میں گھر میں بات کرلیتا ہوں ۔

ہاں ٹھیک ہے فضل تم گھر میں بات کرلو لیکن میں نے اس لیے کہا کہ بچے کو سبق سے دور مت کرو ورنہ وہ سیکھا ہوا بھی بھول جائے گا۔

نہیں قاری صاحب ایسا تو نہیں ہوگا ۔میں آج ہی بات کرتا ہوں ۔رکیں میں کھانا لے کر آتا ہوں ۔۔آج تو آپ کھانا میرے پاس ہی کھالیں ۔

وہ کھانے کا پہلے ہی کہہ چکا تھا ۔تھوڑی دیر بعد وحیدٹرے میں ایک گلاس ,جگ ایک پلیٹ میں سبزی اور ایک میں چاول لے آیا اور ساتھ میں دستر خوان میں دو روٹیاں لے آیا ۔قاری صاحب کھانا کھا کر رخصت ہوگئے تو فضل بھی گھر کے صحن میں آکر چارپائی پر بیٹھ گیا سب سو چکے تھے ۔وہ اندھیرے میں چارپائی پر بیٹھ گیا ۔اندھیرا اسے ہمیشہ سے ہی پسند تھا ۔وجہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا ۔۔

رحمت بیٹا !اب آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے حفظ تو ماشاءاللہ ختم ہوگیا ہے ۔دوسرے دن رات کو کھانے کے لیے باورچی خانے میں فضل نے اس سے پوچھا ۔

پتا نہیں ابا ۔آگے کچھ علم وغیرہ پڑھ لونگا تفسیر وغیرہ کچھ ۔لیکن پہلے ترجمہ پڑھنا چاہتا ہوں ۔اس نے اپنے آگے کے منصوبے بتاتے ہوئے کہا ۔

ہاں بیٹا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ترجمہ پڑھ لو اور قاری صاحب نے بھی رات کو یہی تجویز دی ۔

نہیں ابا میں قاری صاحب سے اور نہیں پڑھنا چاہتا ۔میں مدرسے میں جا کر پڑھنا چاہتا ہوں ۔

باورچی خانے میں بیٹھے ہوئے تمام افراد نے ایک ساتھ گھور کر اسے دیکھا ایسے جیسے اس نے مدرسے میں نہیں مریخ پر جانے کی بات کی ہو ۔

کونسے مدرسے میں بیٹا ؟؟؟؟؟؟ ہمارے گاؤں میں تو کوئی بھی مدرسہ نہیں ہے ۔جمیلہ نے فکرمندی سے پوچھا اور ساتھ میں اطلاع بھی دی ۔

اماں دوسرے گاؤں چلا جاؤں گا ۔وہی رہ کر پڑھ لونگا ۔یہاں نہیں پڑھ سکتا میں ۔وہ بہت روانی سے بولا جیسے اس نے پہلے سے فیصلہ کر لیا تھا ۔

لیکن کونسے مدرسے میں ؟؟؟؟؟ اس بار ظفر نے پوچھا ۔

بھائی کسی بھی بڑے سے مدرسے میں ۔۔

لیکن تم قاری صاحب سے کیوں نہیں پڑھنا چاہتے ؟؟؟ وہ ابھی بھی حیران تھے اس بات پر ۔

ابا میں اگر ترجمہ پڑھ بھی لونگا تو تفسیر اور مزید علم کے لیے مجھے جانا پڑے گا مدرسے میں ۔

تو ٹھیک ہے نا بیٹا دو تین سال میں ترجمہ ہوگا تو تمہاری عمر بھی خود کو سنبھالنے والی ہو جائے گی پھر چلے جانا ۔

ابا میں ابھی بھی ٹھیک ہوں ۔خود کو سنبھال سکتا ہوں ۔وہ بحث کر رہا تھا ۔

لیکن بیٹا ابھی تم چھوٹے ہو۔نہیں جاسکتے تم ترجمہ قاری صاحب سے پڑھ لو پھر بے شک چلے جانا۔جمیلہ تو اسکا ارادہ سن کر ہی پریشان ہو گئی۔

لیکن میں قاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن ویکن نہیں بیٹا۔بس تم ترجمہ قاری صاحب سے پڑھ لو پھر چلے جانا اور بس یہی فیصلہ ہے ہم سب کا بھی اور تمہارا بھی۔

وہ چپ ہو گیا۔باپ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔فضل بھی مطمئن ہو گیا۔وہ اس کو ایک ڈیڑھ ہفتہ آرام کے لیے چھوڑ کر دوبارہ قاری صاحب کے پاس بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا۔اگر تیسرے دن شام کو لیاقت اسکے گھر نہ آتا۔

فضل اللہ اپنے بیٹے کو قابو میں رکھو ورنہ میں اسے ایسا قابو کرلونگا کہ تم یاد رکھو گے اور وہ بھی ساری زندگی بھول نہیں پائے گا۔وہ بہت غصے میں تھا۔

لیکن لیاقت بھائی ہوا کیا ہے؟؟؟وہ بے بسی سے بولا۔

یہ تو تم جا کر اپنے حافظِ قرآن بیٹے سے پوچھو۔۔

اس سے تو میں پوچھ ہی لونگا بھائی لیکن آپ بھی کچھ بتادیں نا مجھے۔وہ انتہائی بے چارگی کی حالت میں بولا۔

میرے بیٹے رشید کو مارا ہے اس نے۔کل بھی اس نے مارا تھا اسے لیکن میں نے بچوں کی لڑائی سمجھ کر نظر انداز کر دیا لیکن آج تو حد ہی ہو گئی جب تمہارا غنڈا بیٹا راستے میں اپنے دوستوں کے ساتھ میرے بیٹے کا انتظار کر رہا تھا اور اسے دیکھتے ہی اپنے دو دوستوں سمیت اس پر ٹوٹ پڑا اور اتنا مارا اسے کہ۔۔۔۔۔۔تم آؤ میرے ساتھ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔

وہ فضلو کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔اپنی بیوی کو دوسرے کمرے میں بھیج کر وہ فضل کو کمرے میں لے آیا جہاں رشید لیٹا ہوا تھا۔سولہ سالہ رشید اپنی جسمانی حالت سے تیرا چودہ سال سے زیادہ نہیں لگتا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں رحمت جو تیرا سال کا تھا اپنے قد اور جسمانی حالت سے قطعاً سولہ سال سے کم نہیں لگتا تھا۔

فضل نے شرمندہ سی نظر لیتے ہوئے رشید پر ڈالی جس کے چہرے اور جسم پر چھوٹے چھوٹے کھرچنے کے نشان تھے۔صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یا تو اسے کسی چیز سے کرچا گیا ہے یا پھر اسے بری طرح زمین پر گھسیٹا گیا ہے اور یہ کم سے کم اکیلے رحمت اللہ کے بس کا کام نہیں تھا سو مطلب یہ کہ اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر رشید کو مارا تھا۔وہ بے چارگی کی حالت میں بستر پر لیٹا تھا۔

فضل اللہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔اس کا خون اتنا بے رحم ہو سکتا ہے یہ اس کے لیے قابل قبول بات نہیں تھی اگر رشیدا پنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا خود گواہ نہ ہوتا۔وہ اپنے منہ سے رحمت کا نام لے رہا تھا۔اوراس دن پ ایک بار پھر فضل اللہ کا دل کیا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ایک ہفتہ پہلے وہ جتنا خوش اس کے حافظ قرآن ہونے پر تھا آج اتنا ہی افسوس اسکے پیدا ہونے پر تھا۔اس کا بیٹا اسے زمین میں گاڑ گیا تھااور اسے لگا کہ اس پاتال سے وہ کبھی نکل نہیں پائے گا۔وہ سر جھکائے کھڑا رہااور سنتا رہا۔وہ اور کربھی کیا سکتا تھا۔خالی الذہنی کی حالت میں وہی کھڑا رہا۔لیاقت کیا کہتا رہا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔وہ سر اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔خالی خالی نظروں سے وہ کبھی رشید اورکبھی لیاقت کی طرف دیکھتا رہا۔وہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھالیکن وہ انکار بھی کس بنیاد پر کرتا جب مار کھانے والااس کے سامنے پڑا تھااور خود اپنی زبان سے اس کے بیٹے کا نام لے رہا تھا۔وہ تو سوچ رہا تھا کہ اس کا بیٹا سدھر گیا ہے۔بچپن میں کی ہوئی شرارتوں کو بھول چکا ہے لیکن یہاں تو معاملہ اس کے تصور سے زیادہ خطرناک تھا۔اسی لیاقت کے ساتھ محلے میں فضل کے اٹھارہ سال گزرے اور بہت بہترین تعلقات تھےاور آج اسی کے بیٹے پر ایسی بے دردی سے تشدد کرنے کا مطلب تھا کہ رحمت اللہ کسی پر بھی تشدد کر سکتا ہے۔

ہاں-------کسی پر بھی

لیاقت اپنی بات ختم کر چکا تو فضل نے خاموشی سے اپنے قدم دروازے کی طرف بڑھا دیے۔اب اس کے رکنے کا کوئی جواز بھی نہیں تھااور وہ رکتا بھی کس لیے۔برسوں سے بنائی ہوئی عزت ایک پل میں کیسے خاک ہوتی ہے یہ آج فضل اللہ جان گیا تھا۔لیاقت کے ساتھ اس کی بہت اچھی دوستی تھی اور لیاقت اس کی بہت عزت کرتا تھالیکن آج اسی کی نظر میں اپنے لیے نفرت فضل سے دیکھی نہیں جارہی تھی۔وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھا۔بلکل ایک لٹے ہوئے مسافر کی طرح اوراس کے پاس صرف ایک متاع ہی تو تھی جو اسکی بنائی ہوئی تھوڑی بہت عزت تھی لیکن رحمت اللہ کی وجہ سے رفتہ رفتہ وہ لٹتا جا رہا تھا۔

فضل اللہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے گھر پہنچا۔اس کے چہرے پر دکھ درد کے نہیں بلکہ کرب کے آثار تھے۔وہ کیا کھو کر آیا تھا یہ صرف وہ ہی جانتا تھا۔اس نے اپنی عزت اور اپنا احترام کھو دیا تھا۔آج کے لیاقت اور پہلے کے لیاقت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔پہلے وہ عزت اور محبت سے فضل اللہ سے ملتا تھااورلیکن آج اس کی آنکھوں میں نفرت اور غصہ تھا۔اور کیوں نہ ہوتا رحمت اللہ کے ہاتھوں بستر پر پڑا رشید بیٹا تھا اس کا۔

گھر میں داخل ہوا تو سامنے نیم کے درخت کے پیچھے چار پائی پر جمیلہ بیٹھی نظر آئی جو زینت کو کچھ سمجھا

رہی تھی۔وہ بھی ان کے پاس چلا آیا۔

رحمت کدھر ہے؟؟؟؟؟؟؟؟وہ دھاڑ کر بولا

جمیلہ اور زینت دونوں سہم گئی۔زینت تو باقاعدہ ڈر گئی کیونکہ اپنے سسر کو اس طرح چیختے اس نے پچھلے دو سالوں میں نہیں دیکھا تھا۔

کیا ہوا؟؟؟جمیلہ کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔فضل اللہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔جمیلہ سمجھ گئی کہ آج پھر رحمت اللہ نے ایسا کچھ کیا ہے جس نے فضل کو بہت تکلیف میں ڈالا ہے۔وہ ڈر گئی۔آج سے پانچ سال پہلے کا وقت اسے یاد آ گیا جب رحمت نے محمود کی گاڑی کا شیشہ توڑا تھا اور پھر فضل کا جو ردعمل تھا وہ یاد کر کے وہ اور ڈر گئی۔پچھلے کچھ عرصے میں ویسے بھی فضل اللہ کے رویے میں کافی تبدیلی آئی تھی۔وہ چھوٹی چھوٹی بات پر غصے میں آجاتا۔کسی کی چھوٹی بات پر چڑ جاتا لیکن زینت کے ساتھ وہ ہمیشہ مشفقانہ تھا۔لیکن اس وقت اس کے سلے ہوئے لب تنے ہوئے اعصاب اور زور سے بھینچی ہوئی مٹھیاں جمیلہ کو کوئی اور ہی پیغام دے رہی تھی۔طوفان سے پہلے کی خاموشی کا پیغام۔ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت تکلیف میں ہے۔

فضل اللہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ظفر کے ابا ہوا کیا ہے؟؟؟کچھ پتا تو چلے۔اس نے ڈرتے ڈرتے ایک بار پھر پوچھا۔

جمیلہ بی بی تمھارے لاڈلے نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا کہاں ہے وہ؟؟؟؟؟؟؟ آج میرے ہاتھ سے سلامت نہیں بچے گا۔وہ ایک بار پھر زور سے چیخا۔

جمیلہ اور زینت ایک بار پھر سے سہم گئیں۔اندر سے اصغر بھی باپ کی آواز سن کر نکل آیا۔سکول سے دس جماعتیں اس نے پڑھ لی تھی اور اب اس کی بھی کام کرنے کی باری تھی۔لیکن ابھی اس نے کام شروع نہیں کیا تھا۔

اصغر-----------------رحمتے کدھر ہے؟؟؟؟فضل اللہ اس کی طرف دیکھ کر ایک بار پر زور سے بولا۔

مجھے نہیں پتہ ابا۔باہر نکل گیا ہوگا لیکن آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟؟؟؟؟

کیا کیا-----------------

جاؤ کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لاؤ اسے۔ابھی اور اسی وقت۔اصغر کی بات ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فضل ایک بار پھر دھاڑا۔

لیکن ابا ہوا کیا ہے؟؟؟کچھ بتائیں تو آپ-----

اصغر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم جا رہے ہو یا نہیں؟؟؟؟یا تم رہنے دو میں خود ہی جا کر ڈھونڈ لیتا ہوں ۔اسنے دروازے کی طرف قدم بڑھا

لیکن ایک بات یاد رکھنا جمیلہ ۔تمھارا لاڈلا اگر مجھے ملا تو اپنے پاؤں پر چل کر اس گھر تک نہیں آ سکے گا ۔سمجھ گئی تم ۔دل بڑا کر لو اپنا ۔جاتے ہوئے ایک بار پھر مڑ کر بولا ۔

ابا آپ رک جائیں ۔میں جاتا ہوں اسے ڈھونڈنے ۔لے آتا ہوں اسے ۔اصغر بھاگتے ہوئے اپنے باپ کے سامنے آیا ۔فضل اللہ نہیں رکا ۔اس کے اوپر تو جنون سوار تھا ۔

ابا میں جا رہا ہوں نا ۔اس کے دوستوں کو بھی جانتا ہوں ۔لے آتا ہوں اسے ۔آپ کہاں ڈھونڈیں گے اسے ۔۔

نہیں میں خود ہی چلا جاتا ہوں ۔تم رہنے دو ۔

ابا میں جاتا ہوں نا ۔آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں ۔میں لے آتا ہوں پھر آپ بات کر لینا ۔

وہ اپنے باپ سے آگے نکل گیا ۔فضل اللہ نے اپنے قدم روک لیا ۔

اصغر اگر تم اسے نہیں لائے تو اس گھر میں نہیں گھسنے دونگا تمھیں ۔چاہے تم ساری رات باہر ہی گزارو لیکن اس گھر میں تب تک نہیں آؤ گے جب تک اسے ساتھ نہیں لاتے ۔۔۔۔اصغر نے گھر سے نکلتے ہوئے اپنے پیچھے باپ کی آواز سنی ۔

جمیلہ اور زینت ابھی تک اسی جگہ کھڑی تھی ۔جمیلہ تو حق دق اپنے شوہر کو دیکھتی جا رہی تھی ۔پتا نہیں کیا کر دیا ہے رحمت نے ۔ایسا بھی کیا کر دیا ہے جو فضل اتنا آگ بگولہ ہو رہا ہے؟؟اور اگر کچھ غلطی کی بھی ہے تو بچہ ہے ۔اتنے ہنگامے کی کیا ضرورت ہے؟؟

لیکن یہ سب وہ اپنے شوہر کو نہیں کہہ سکتی تھی ۔بھلا جو اپنے جوان بیٹے کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا اس کی کیا خاطر کرتا ۔اس نے تو اصغر کو بھی رحمت کے بغیر گھر واپس آنے سے منع کیا تھا ۔

پتہ نہیں رحمت نے ایسا کیا کیا ہے جو ابا اتنے غصے میں ہیں ۔گھر سے نکلتے ہوئے اصغر سوچ رہا تھا ۔

وہ اس کے دوست الیاس کے گھر گیا ۔وہاں سے پتہ چلا کہ الیاس بھی گھر پر نہیں ہے ۔وہ ایوب کے گھر گیا ۔لیکن وہاں سے بھی تینوں غائب تھے ۔اب کہاں جا سکتا تھا وہ؟؟؟وہ سوچ میں پڑ گیا ۔

فضل جلے پیر کی بلی کی طرح ایک کونے سے دوسرے کونے تک کے چکر کاٹ رہا تھا ۔ایسا کیا غلطی ہو گئی تھی اس سے کہ رحمت اللہ کو لوگوں کو تکلیف دے کر خوشی ہونے لگی تھی ۔اس کے تو جتنا بس میں تھا اس کو سب دینے کی کوشش کی تھی ۔پھر ایسا کیا ہوا ۔۔۔

اولاد تو اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے لیکن کہتے ہیں کہ اولاد میں کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے

کہ جو اپنے والدین کے لیے واقعی بہت بڑی آزمائش ہوتا ہے۔

اور آج اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ رحمت اللہ اس کے لیے واقعی سب سے بڑی آزمائش تھا۔اسے جو جو رحمت کی وجہ سے سہنا پڑ رہا تھا اتنا تنگ تو اسکے باقی چار بیٹوں نے مل کر بھی نہیں کیا تھا۔

وہ جیسے جیسے سوچتا جا رہا تھا اس کے چہرے کی کرختگی میں اضافہ ہو رہا تھا۔شکر کہ اس وقت رحمت اس کے سامنے نہیں تھا۔

ایوب کے گھر سے ناکام واپس ہو کر اصغر سوچنے لگا کہ رحمت کہاں ہو سکتا ہے؟؟ اصغر اس کے ان دو دوستوں کو ہی جانتا تھا۔اس کے علاوہ بھی اگر اس کا کوئی دوست تھا تو اصغر اس سے ناواقف تھا۔اب وہ کیا کرے؟؟ اس کے بغیر گھر بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اسکے بعد ابا خود اسے ڈھونڈنے چل پڑیں گے۔اور اگر وہ کہیں ابا کے ہاتھ لگ گیا تو ابا تو اسے ادھر ہی کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر مارنا پیٹنا شروع کر دیںگے۔اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ رحمت نے ضرور کچھ بہت ہی غلط کیا ہے ورنہ ابا اتنی جلدی اشتعال میں نہیں آتے اور اتنے آگ بگولہ تو وہ آج تک کسی بات پر نہیں ہوئے تھے۔

ایوب کے گھر سے نکل کر اس کا ارادہ تھا کہ مسجد کی طرف جانے والے راستے پر جا کر دیکھ لے۔کیا پتا کہیں مل ہی جائے۔ابھی وہ آدھا راستہ ہی چلا تھا کہ رحمت الیاس،ایوب اور ایک اور ان کے ہم عمر لڑکے کو کھیتوں میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ان سب کی اصغر علی کی طرف پشت تھی۔لیکن اصغر انہیں دیکھ چکا تھا سو لپک کر ان کے پیچھے بھاگا۔وہ آگے چلے جا رہے تھے۔اس نے آواز بھی نہیں دی۔مبادا رحمت اسے اس طرح اپنے پیچھے آیا ہوا دیکھ کر بدک نہ جائے۔اس نے جلدی سے بھاگ کر انہیں جا لیا۔

رحمتے گھر چلو۔۔۔۔۔اس نے انہیں روک کر کہا۔

رحمت کے چہرے پر ایک لہر سی گزری۔اصغر اسے کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔اسے اتنا تو پتا چل گیا کہ رحمت جان گیا ہے کہ اسے گھر لانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

کیوں؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟اس نے یک لفظی سوال پوچھا۔

بس میں کہہ رہا ہوں نا کہ گھر چلو۔

لیکن ابھی تو ہم نے کھیلنا شروع کیا ہے۔میں ابھی نہیں آ سکتا۔

اصغر نے الیاس کے ہاتھ میں غلیل دیکھ لی تھی اور وہ سمجھ گیا کہ اس بار پھر رحمت نے غلیل کے ساتھ کچھ کیا ہے جو ابا کو غصہ آیا ہے۔وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ رحمت فی الحال گھر نہیں جانا چاہتا۔اور اس سے پہلے کہ وہ بھاگنے کی کوئی ترکیب نکالتا اصغر نے اسے سختی سے بازو سے پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگا۔

چھوڑ دو بھائی۔مجھے چھوڑ دو۔وہ چیخنے لگا۔

توتم گھر کیوں نہیں جانا چاہ رہے ہو؟؟؟؟؟؟اس نے پوچھا

میں ابھی کھیل رہا ہوں ۔کھیل کرآ جاؤنگا ۔چھوڑ دو مجھے ۔

لیکن اس نے بازو نہیں چھوڑا ۔اور ہنوز اسے گھر کی طرف کھینچتا رہا۔

تو واپس آ کر کھیل لینا ۔تمھارے دوست بھاگے نہیں جا رہے ۔

اس کے بعد گھر تک ان دونوں کے بیچ میں کوئی بات نہیں ہوئی ۔اصغر نے اسے سختی سے پکڑ رکھا تھا ۔وہ جانتا تھا کہ وہ اسے گھر لے جائے گا تو اسے ابا سے مار پڑے گی لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے کچھ غلط ضرور کیا ہے ۔اور اگر اس نے اسے ابا کی مار سے بچا لیا تو وہ بگڑ جائے گا ۔

وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو فضل اللہ اضطرابی کیفیت میں اس کونے سے اس کونے تک کے چکر کاٹ رہا تھا ۔انہیں دیکھ کر وہ رک گیا ۔جمیلہ اور زینت اب بھی اسی درخت کے نیچے اسی چارپائی پر بیٹھی تھی ۔انہیں دیکھ کر وہ دونوں بھی کھڑی ہوگئی ۔جمیلہ کا دل کیا کہ کاش اصغر اسے نہ ڈھونڈ پاتا ۔

فضل اللہ بھاگ کر پہنچا اور ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئی اسے اپنے ساتھ لایا ۔

رشید کو کیوں مارا ہے؟؟؟؟؟؟؟وہ چیخا

اور اس کے ساتھ ہی ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا ۔ایسا تھپڑ کہ جمیلہ کو لگا کہ رحمت کے چہرے کی کوئی نہ کوئی ہڈی ضرور ٹوٹ گئی ہوگی ۔

تیرا سالہ رحمت اللہ ایک بلند آواز چیخ کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور زور زور سے رونے لگا ۔جمیلہ اس کی طرف بھاگی ۔

دور رہو جمیلہ ۔۔میں کہہ رہا ہوں کہ دور رہو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا ۔وہ ایک بار پھر دھاڑا ۔

جمیلہ کے بڑھتے قدم رک گئے ۔وہ کیا کرتی ایک طرف ماتا سے مجبور تو دوسری طرف مجازی خدا کا حکم ۔۔وہ تو دو پاٹوں کے بیچ میں پس رہی تھی ۔

زینت اپنی ماں کو باورچی خانے میں لے جاؤ۔

اس نے کالر سے پکڑ کر رحمت کو کھڑا کیا اور چیخا ۔

رشید کو کیوں مارا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟

اس نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسنے ۔۔۔۔۔۔۔

کیا اسنے؟؟؟؟ کیوں مارا اسے؟؟؟؟؟؟اس نے جھنجوڑا ۔

ابا اس نے ۔۔۔۔۔۔اسنے اماں کو گالی دی تھی ۔۔۔۔۔

اور اس کے ساتھ ہی ایک اور زور کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا ۔اس بار تو اسے لگا کہ اس کے سارے

دانت نکل کر منہ کے اندر ڈھیر ہو گئے ۔۔

توگالی دینے کی سزا تو دیتا ہے؟؟؟؟ تو آیا ہے بہت بڑا منصف؟؟؟؟؟

وہ کچھ بھی نہیں بولا ۔اسے اتنا درد ہو رہا تھا کہ وہ کچھ بولنے کا قابل نہیں رہا تھا۔اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔فضل اللہ آگے بڑھا اور صحن میں پڑی ہوئی چھڑی اٹھا کر اسے پیٹنے لگا۔ہر بار چھڑی پڑنے پر وہ ایک اور پہلے سے تیز آواز کی چیخ مارتا لیکن فضل پر کوئی اثر نہیں تھا۔اصغر کا دل کیا کہ ابا کے سامنے جا کر روک لے انہیں لیکن اس حالت میں اس کی بلکل ہمت نہیں ہوئی جمیلہ باورچی خانے میں اس کی ہر ہر چیخ سن رہی تھی اور سسکیوں سے رو رہی تھی ۔فضل اللہ اسے مارتا رہا جب تک تھک نہیں گیا۔اور پھر خود ہی چھڑی دور پھینک کر کمرے میں چلا گیا اور دروازہ اپنے پیچھے بند کر لیا۔

زینت جلدی سے رحمت کے پاس آئی ۔جمیلہ کو آوازیں لگائی ۔۔وہ بھی بھاگتی ہوئی پہنچ گئی ۔اصغر بھی آیا۔۔ان سب نے اسے اٹھایا اور ساتھ میں پڑی ہوئی چارپائی پر لٹا دیا۔وہ اب بھی چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔جمیلہ پاس بیٹھ کر اس کے زخم اور سر سہلانے لگی۔

ان تینوں کو ابھی تک صرف اتنی سی بات سمجھ آئی کہ رحمتے نے رشید کو مارا ہے اور اسی بات کا ابا کو پتا چل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابا رحمتے کو اتنا کیوں مارا ہے آپ نے؟؟؟؟؟؟اماں نے کھانے سے فارغ ہو کر فضل سے سوال کیا۔وہ شام سے ہی اپنے کمرے میں بند تھا۔رات کا کھانا تیار ہوا تو زینت اسے بلانے آئی۔سب جانتے تھے کہ وہ زینت کی بات کبھی نہیں ٹالتا۔اپنی بیٹی نہیں تھی تو اسے زینت کی شکل میں بیٹی مل گئی تھی ۔لیکن اس دن وہ زینت کے بلانے پر بھی نہیں آنا چاہتا تھا۔وہ کسی کو بھی اپنے فعل کی وضاحت نہیں دینا چاہتا تھا۔لیکن اسے آنا پڑا جب زینت نے اسے اپنے واسطے دیے۔زینت اسے بہت عزیز تھی۔اس کی خاطر باہر صحن میں آ گیا۔لیکن کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا۔رحمت کو جمیلہ نے ہلدی ملا دودھ پلا کر اور کپڑے سے گرم ٹکور کرنے کے بعد بہت مشکل سے سلا دیا تھا۔

فضل نے گھور کر اماں کی طرف دیکھا۔وہ سہم گیا۔شاید اس کے سوال پر ابا کو غصہ آ گیا۔

ابا میرا مطلب ہے کہ اس نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ کو اتنا غصہ دلا گیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟

فضل نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔اسے کھلے آسمان پر صرف تارے ہی نظر آئے۔اس نے ایک افسردہ سی سانس خارج کی۔

کبھی کبھی جب انسان بے بس ہوتا ہے اور اسے ساری دنیا اپنے اوپر ہنستی ہوئی لگتی ہے بلکل اسی

طرح ا سے آسمان پر چمکتے تارے اور ان کا سردار چاند بھی اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا۔

اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر رشید کو مارا ہے ۔۔۔اس نے آسمان کو تکتے ہوئے ہی جواب دیا۔

لیکن آپ نے تو اسے بہت بے دردی سے مارا ہے ابا ۔اس بار ظفر بولا ۔

جس بے دردی سے اسنے رشید کو مارا ہے اس سے سے بہت کم شدت سے میں نے اسے مارا ہے ۔ کاش یہ میرا بیٹا نہ ہوتا اور میں اسے اسی شدت سے مار سکتا ہوتا ۔وہ بے بسی اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں بولا۔

لیکن ابا۔۔۔۔۔۔۔۔

جس کو شوق ہے یہ جاننے کا کہ میں نے اسے کیوں مارا ہے وہ لیاقت کے گھر جا کر رشید کو دیکھ آئے ۔اس کی حالت دیکھ آئے ۔وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

اس نے اس معصوم کو اپنے غنڈہ گرد دوستوں کے ساتھ مل کر بہت مارا ہے اور پھر اسے پکی سڑک پر گھسیٹا ہے ۔اس کے سر پر ڈنڈے سے مارا ہے ۔اور تم لوگ کہتے ہو کہ میں نے اسے بے دردی سے پیٹا ہے ۔۔ارے بے دردی سے پیٹنے کا مطلب جاننا چاہتے ہو تو جا کر اس معصوم کو دیکھ آؤ ۔اس کے جسم پر خراشیں اور کھرونچیں دیکھ لو۔لگ پتا جائے گا۔۔۔

جمیلہ سمیت سب اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب بھی کر سکتا ہے۔

اور وہ کہتا ہے کہ یہ سب اس نے اس لیے کیا ہے کہ اسنے تمہاری ماں کو گالی دی ۔ارے یہ بتاؤ کہ وہ لڑکا کیا پاگل ہے جو اس نے کچھ نہیں کیا اور اس نے اس کو ماں کی گالی دے دی۔بتاؤ مجھے پاگل ہے کیا وہ؟؟؟؟؟؟؟ اور دوسری بات یہ کہ اگر اس نے گالی دی بھی تو اسکا مطلب یہ ہے کیا کہ اسے جان سے مار دو ۔ارے لوگوں نے تو پیغمبر کی بیویوں کو گالیاں دی ہیں تو تمہاری ماں کیا ان سے زیادہ معزز ہے جو اس کو گالی دینے کی یہ سزا ہے؟؟؟؟؟؟؟ وہ بولتا رہا۔

وہ واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا۔جو اس نے بتایا اس کے بعد وہ اس کی پٹائی کرنے میں حق بجانب لگ رہا تھا۔۔

اس نے مجھے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔میں نے اس محلے میں پچیس سال گزارے ہیں ۔اس محلے کے لوگ عزت کرتے تھے میری لیکن اب تو مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے برسوں کی عزت کچھ دنوں میں کھونے والا ہوں ۔۔۔وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔۔۔

ابا آپ پریشان نہ ہوں ۔وہ چھوٹا ہے سمجھ جائے گا۔ہم لیاقت چاچا سے معافی مانگ لینگے ۔
وحید نے پہلی دفعہ منہ کھولا ۔۔

وہ چھوٹا ہے یہ بلکل جھوٹ ہے اور" وہ سمجھ جائے گا یہ کبھی بھی نہیں ہوگا ۔۔اس نے سمجھنا ہوتا تو پہلے سمجھ گیا ہوتا ۔اسی وجہ سے تو میں پریشان ہوں کہ اب وہ سمجھنے کی عمر کا نہیں رہا۔وہ بے حد نا امید تھا۔

اور رہی معافی کی بات تو وہ تو اسے مانگنی ہی پڑے گی ۔لیاقت سے بھی اور رشید سے بھی ۔۔

وہ اٹھ گیا۔زینت برتن سمیٹ چکی تھی ۔جمیلہ بلکل خاموش رہ کر ان کی باتیں سن رہی تھی ۔وہ کچھ بولنے کے قابل بھی نہیں تھی ۔فضل کے منہ سے رحمت کا کام سن کر وہ بھی اداس ہوگئی تھی ۔

اور ہاں میں سوچ سوچ کر ایک اور فیصلے پر پہنچ گیا ہوں ۔۔۔۔۔

وہ پراسرار لہجے میں بولا ۔۔سب سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھنے لگے ۔

میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے مدرسے بھیج دونگا ۔اب یہاں رہ کر بگڑ رہا ہے یہ ۔اور میرے قابو میں نہیں آ رہا ۔۔۔

اور یوں اسکے مدرسے جانے کا شوق پورا ہونے کا وقت آ گیا اور وہ اپنے شوق کی تکمیل پر خوش تھا ۔۔رحمت اللہ مدرسے پہنچ گیا تھا ۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاپا یہ آپ نے کیا کر دیا ۔۔۔آپ آئے کیوں نہیں؟؟؟ ہم تو تیار ہو گئے تھے ۔۔عمران اپنے والد سے جرح کر رہا تھا ۔جو آج جلدی نہیں آ سکے تھے ۔

بیٹا بس میں نکلنے ہی والا تھا جب ایک ضروری کام پیش آ یا اور اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا ۔وہ صفائی دے رہا تھا ۔

لیکن پاپا آپ نے پرومس کیا تھا کہ آپ آئیں گے جلدی ۔۔

ارے ۔۔۔۔میں نے کب پرومس کیا تھا بیٹا ۔میں نے کہا تھا کہ میں کوشش کرونگا جلدی آنے کی ۔۔اور میں نے کوشش کی بھی لیکن نہیں آ پایا ۔

لیکن پاپا آپ نے کوشش بھی نہیں کی نا ورنہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ۔وہ بولتا ایسے تھا کہ سامنے بیٹھے انسان کو خود بخود اس پر پیار آ جاتا ۔

سید خاور حسین شاہ گاڑیوں کے ایک شوروم کا مالک تھا ۔شوروم بہت بڑا تو نہیں تھا لیکن بہر حال اتنا

ضرور تھا کہ اس کی آمدنی نے اسے بہت امیر نہ سہی لیکن امیر لوگوں میں ضرور شامل کیا تھا۔شروع شروع میں یہ شوروم اس نے اپنے دوست کے ساتھ شراکت پر شروع کیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد کچھ گھریلو وجوہات کی وجہ سے اس کے دوست کو مستقل طور پر ملک سے باہر جانا پڑا اور وہ شوروم میں اپنا حصہ خاور کو بیچ گیا۔خاور کے پاس اگرچہ اس وقت پیسے پورے نہیں ہو رہے تھے لیکن وہ ہر قیمت پر اسے خریدنا چاہتا تھا۔اس کا اپنا دوست تو اس کے بھروسے کا تھا لیکن کسی اور کے ساتھ شراکت اسے قطعاً گوارا نہیں تھی۔سو اس نے کچھ اپنی پونجی اور کچھ بینک سے قرض لے کر شوروم خرید لیا اور اس دن سے وہ شوروم کا مالک تھا۔ اس کا اور ثمینہ کا ساتھ تقریباً گیارہ سال کا تھا۔ان گیارہ سالوں میں ان کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے۔آٹھ سالہ عمران چھ سالہ طوبیٰ ساڑھے چار سال کی حباء اور ڈیڑھ سال کی فضا۔بس یہی کل کائنات تھی خاور کی۔اپنے ماں باپ کو وہ بہت عرصہ پہلے کھو چکا تھا۔ایک بہن تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔اب بس اس کے پاس یہی پانچ رشتے تھے۔جن کو وہ اپنے آپ سے زیادہ اہمیت دیتا تھا۔آج وہ باوجود بہت کوشش اور خواہش کے جلدی نہیں آ سکا تھا۔کیونکہ ایک وقت پر جب وہ اٹھ رہا تھا تو اس کا ایک پرانا دوست آ گیا پھر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔چائے وغیرہ پی اور دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے۔ملازم شوروم کے کام کر رہا تھا۔وہ تو اپنے دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ لاپرواہ تھا۔اس نے گھر فون کر کے ثمینہ کو بتا دیا کہ وہ نہیں آ سکتا لیکن عمران تو بچہ تھا۔وعدہ خلافی کی وجہ پوچھنا اس کا حق تو بنتا تھا اور وہ استعمال بھی کر رہا تھا۔

بیٹا آپ کو کیوں لگتا ہے کہ آپ کے پاپا نے کوشش نہیں کی ہوگی جلدی آنے کی۔میں تو خود بہت خوش ہوتا ہوں بیٹا اپنے بچوں کے ساتھ جانے پر۔

ٹھیک ہے پاپا کوئی بات نہیں۔پھر کبھی چلے جائیں گے۔وہ ایسا ہی تھا۔تھوڑی سی بحث کرتا تھا اور پھر سمجھ جاتا تھا۔ماں باپ کو تنگ نہیں کرتا تھا۔

ارے نہیں بیٹا۔۔پھر کبھی کیوں۔ہم انشاءاللہ کل ہی چلیں گے۔میں کل بہت کوشش کروں گا جلدی نکلنے کی۔یہ بتاؤ کہ مما اور طوبیٰ لوگ کدھر ہیں۔

پاپا مما کچن میں سالن بنا رہی ہیں اور طوبیٰ ادھر ان کے پاس ہی ہے۔خاور بیٹے کی انگلی پکڑے لاونج میں آئے۔جہاں حباء ٹی وی پر کوئی کارٹون دیکھ رہی تھی اور ساتھ میں صوفے پر فضا اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی۔باپ کو دیکھ کر وہ صوفے پر کھڑی ہو گئی اور زور زور سے تالیاں بجانے لگی۔وہ روز ایسے ہی کرتی تھی۔خاور کی واپسی پر وہ جہاں ہوتی تھی وہی پر کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگتی تھی۔حباء کی نظر بھی خاور پر پڑی تو وہ بھاگتے ہوئے آئی اور لپٹ گئی اس سے۔خاور نے اسے اٹھا کر پیار کیا اور وہ

پھر سے بھاگتے ہوئے جا کر کارٹون دیکھنے لگی۔فضا البتہ ابھی تک تالیاں ہی بجا رہی تھی۔وہ خاور کے پاس نہیں آتی تھی بلکہ خاور کو خود اس کے پاس جانا پڑتا تھا۔لیکن اس معصوم بچی کی یہ ادا اتنی پیاری تھی کہ کسی کو بھی پیار آ جاتا سو خاور نے اسے صوفے سے گود میں اٹھالیا اور کچن کی طرف چل دیا۔عمران اس کے پیچھے کچن میں ہی آ گیا۔سلام کر کے اور طوبیٰ کو پیار کر کے وہ ادھر کچن میں ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ارے کیا ہوا بیٹا؟؟؟؟؟ابھی تک ناراض ہو کیا اپنے پاپا سے؟؟؟؟؟؟عمران کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس نے پوچھا۔عام طور پر وہ اتنا خاموش نہیں رہتا تھا اسلیے۔

نہیں پاپا بلکل نہیں۔میں بلکل بھی ناراض نہیں ہوں۔

وہ طوبیٰ کے ہاتھ میں پکڑی گڑیا کو غور سے دیکھ رہا تھا۔گڑیا اسے پسند نہیں تھی۔فضا اور حباء کے لیے پھر بھی ٹھیک تھی کہ وہ دونوں چھوٹی تھی لیکن طوبیٰ کو اب گڑیا نہیں رکھنی چاہیے۔وہ اکثر طوبیٰ کے سامنے کہتا تھا اور اسی بات پہ اس کی اور طوبیٰ کی لڑائی بھی ہوتی تھی۔

چلو ایک کام کرتے ہیں۔آج آپ سب کو زیادہ پاکٹ منی دینگے۔کیوں کہ پاپا آج آپ کو گھمانے نہیں لے کر گئے۔خاور کو لگ رہا تھا کہ آج اس کے بچے ناراض ہیں اس سے سو اس نے ان کو منانے کا ایک اور طریقہ نکالا۔اور اس نے اپنی جیب سے بٹوا نکال کر پیسے نکالے۔آج ان کی پاکٹ منی میں بیس بیس روپے اس نے اضافی شامل کر دیے۔طوبیٰ اور عمران کو ان کے پیسے ادھر ہی دے دیے۔طوبیٰ تو بہت خوش ہوئی۔اور عمران کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔خاور سمجھ گیا کہ زیادہ پاکٹ منی سے وہ خوش ہو گیا ہے۔وہ واقعی زیادہ پاکٹ منی سے خوش ہو گیا تھا۔لیکن کیوں؟؟؟؟؟یہ خاور کبھی نہیں جان سکتا تھا۔

آٹھ سال کی عمر میں عمران کو لنچ باکس کے ساتھ پچاس روپے پاکٹ منی بھی ملتی تھی۔لیکن وہ روز صرف تیس روپے خرچ کرتا تھا اور باقی بیس روپے وہ سکول کے باہر سڑک پر بیٹھے ہوئے معذور بابا کی جھولی میں ڈال دیتا تھا اور بدلے میں روز ہزاروں دعاؤں کا خزانہ لیتا تھا۔یہ کام وہ پچھلے پانچ مہینوں سے کرتا آ رہا تھا۔پہلے وہ سارے پیسے خرچ کر لیتا تھا لیکن جب سے اسے معذور بابا ملا تھا اس نے اپنا خرچ گھٹا دیا تھا۔اب وہ صرف تیس روپے خرچ کرتا۔بیس روپے اس کے پاس رہ جاتے اور چھٹی ہوتے ہی وہ سب سے پہلے بھاگ کر وہ بیس روپے بابا کو دے آتا۔طوبیٰ کو بھی اس کے اس کام کا پتہ نہیں چلا تھا۔

لیکن آج اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔اس کا دوست فیضان اپنی پاکٹ منی بھول آیا تھا اور لنچ ٹائم میں جب عمران اپنے حصے کے تیس روپے خرچ کر چکا تھا فیضان نے اس سے پیسے مانگ لیے۔

لیکن اس کے پاس تو پیسے نہیں تھے اور جو تھے وہ بابا کا حصہ تھا لیکن فیضان بھی تو اس کا دوست

تھا ۔کیا کرتا وہ ۔جیب سے بیس روپے نکال کرفیضان کے ہاتھ پر رکھ دیے ۔کاش فیضان نے پیسے خرچ کرنے سے پہلے اسے بتایا ہوتا تو وہ آج اپنے لنچ باکس پر گزارہ کر لیتا لیکن بابا کے پیسے بچا لیتا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا ۔اس نے پیسے فیضان کو دے دیئے ۔

بابا نے آج کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں؟؟؟؟

یہ سوال وہ آج بار بار خود سے پوچھ رہا تھا ۔معصوم بچے کو لگتا تھا کہ اگر وہ بابا کو پیسے نہیں دے گا تو بابا کھانا کیسے کھائے گا ۔ان پانچ مہینوں میں آج پہلی بار اس نے وین کے ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی دوسری طرف سے گھما کر لے جائے ۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ بابا آج اسے دیکھ لے ۔اس نے سارے دن میں تہیہ کر لیا تھا کہ کل جا کر وہ بابا سے سوری کر لے گا ۔اور ان کو اپنے لنچ بکس میں سے آدھا دے دے گا ۔لنچ آج کے لیے اور بیس روپے کل کے لیے لیکن اب تو جب پاپا نے اس کو بیس روپے اضافی دے دیئے تھے تو اب تو لنچ بکس کی ضرورت ہی نہیں تھی ۔وہ تیس روپے خود لے کر باقی چالیس روپے بابا کو دے دے گا ۔بیس روپے آج کے اور بیس روپے کل کے ۔اور صرف اسی لیے اضافی پاکٹ منی کا سن کر وہ خوش ہو گیا تھا ۔

اور اللہ کو بے شک انسانوں کے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ بے نیاز ہے لیکن فرق صرف نیت سے پڑتا ہے ۔اس نے بھی آج نیت کی تھی کہ کل اپنے حصے میں سے دے گا تو اللہ نے اس کا حصہ اسی کے لیے رکھا ۔اس معصوم بچے کا امتحان اللہ کو مقصود نہیں تھا ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوری بابا جی ۔۔کل میں نے آپ کے والے پیسے فیضان کو دے دیے ۔وہ معصومیت سے بولا ۔آج اس نے چھٹی کا بھی انتظار نہیں کیا اور جیسے ہی لنچ ٹائم کی گھنٹی بجی وہ سب سے پہلے کلاس سے نکل کر سیدھا بھاگتا ہوا معذور بابا کے پاس گیا ۔اسے لگ رہا تھا کہ چونکہ اس نے کل پیسے نہیں دیے تھے تو شاید بابا نے کل سے کھانا نہیں کھایا ۔آٹھ سال کا بچہ ہی تو تھا ۔سوچ بھی معصوم ہی تھی ۔

فٹ پاتھ پر بیٹھے اس بوڑھے شخص کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے ۔پتہ نہیں کس ماں باپ کا بچہ ہے یہ؟؟؟

پندرہ سال پہلے ایک حادثے میں ایک پاؤں اور ایک بازو مفلوج ہونے کے بعد سات سال تک بیٹا اور بہو سنبھالتے رہے اسے لیکن دو سالوں کے اندر اندر یکے بعد دیگرے تپ دق سے ان دونوں کی ہونے والی اموات کے بعد وہ اور اس کی چار سالہ پوتی روزینہ اکیلے رہ گئے تھے ۔اس کی بہو کھانستی تھی ۔حکیم صاحب سے علاج بھی ہوتا تھا لیکن افاقہ نہ ہوا اور آخر ایک سال کے بعد وہ کھانستے کھانستے ہی

زندگی کی بازی ہار گئی۔حکیم صاحب نے منع کیا تھا کہ اسکے استعمال کے برتن الگ کردیے جائیں لیکن ایک تو گھر میں اتنے برتن نہیں تھے کہ الگ الگ استعمال ہوتے اور نہ ہی وہ لوگ کوئی امیر تھے جو وہ بستر پر بیٹھ جاتی اور کام ہوتے رہتے ۔ناچاری سے کھانستے کھانستے ہی کام کرنا پڑتا اور انہی برتنوں میں سب کو کھانا بھی پڑتا ۔اس کا بیٹا اجمل بھی تھوڑا تھوڑا کھانستا تھا لیکن کسی نے درخورِ اعتناء نہ سمجھا ۔ بل آخر بیوی کی موت کے دو مہینوں بعد جب اسے بھی خون کی قے ہوئی تو سب کو فکر ہو گئی۔اسے بھی تو وہی جان لیوا بیماری لگ گئی تھی ۔بھاگم بھاگ حکیم صاحب کے پاس گیا۔دو ہفتے کی دوائی سے بھی آرام نہ آیا تو حکیم صاحب نے بڑے ڈاکٹر کا پتہ دیا اور اسے وہاں بھیج دیا۔بڑے ڈاکٹر کی فیس دے کر اور دوائی خرید کر تو اس کی مہینے کی تقریباً آدھی کمائی چلی گئی تھی ۔وہ مہینہ بڑی مشکل سے گزرا۔دوسرے مہینے میں بھی یہی حال رہا۔کیونکہ بڑے ڈاکٹر نے اسے دو مہینے کی دوائی دے دی تھی اور ان دو مہینوں میں اسے بہت زیادہ آفاقہ ہوا تھا۔خون کی کھانسی تو بلکل ختم ہو گئی تھی البتہ کھانسی اسے کبھی کبھی ہو جاتی لیکن دو مہینے کے بعد وہ دوبارہ نہیں گیا۔کیوں جاتا ۔وہ ٹھیک تو ہو گیا تھا ۔تو اب وہ مزید مہینے تنگی میں کیوں گزارتے ۔دوائی بھی چھوڑ دی اس نے ۔آنے والے چار مہینے اچھے گزرے ۔اجمل مزدوری بھی کرتا اور پھر آ کر گھر کا کچھ نہ کچھ کام بھی کرتا ۔وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔لیکن پھر پتہ نہیں اچانک اسے کیا ہو گیا ۔وہ کھانسنے لگا تھا اور جب کھانسنے لگتا تو اتنا کھانستا کہ اس کی سانس بند ہونے لگتا اور پھر کھانسی شروع ہونے کے دو تین دن بعد ہی وہ ایک بار پھر کھانستے ہوئے خون تھوکنے لگا تھا۔وہ ایک بار پھر حکیم صاحب کے پاس گیا لیکن انھوں نے پھر اسے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا ۔اس بار اسے بڑے ڈاکٹر کی دوائی سے بھی آرام نہیں آرہا تھا ۔وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا اور اب تو وہ بستر سے نہیں اٹھ پاتا تھا تو کام کرنے کیسے جاتا ۔ایک مہینے تک وہ بستر پر پڑا رہا اور کھانستا رہا گھر کے کونے میں اس نے اپنی چارپائی بچھائی تھی ۔روزینہ اس کے پاس جاتی تو اسے بھی جھڑک دیتا ۔شاید وہ قصداً ایسا کرتا تھا تا کہ وہ اس کے پاس نہ آئے ۔مبادا اسے بھی یہی بیماری لگ جائے ۔اور اس بار اس بیماری نے اسے زیادہ مہلت نہیں دی۔ایک مہینے بعد ہی ایک دن کھانستے کھانستے اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی اور اس کے چوتھے دن سے آج تک کریم بابا صبح سے اسی فٹ پاتھ پر بیٹھ جاتا اور راہ چلتے لوگ اسے اتنا کچھ دے ہی دیتے کہ شام کو وہ گھر دو روٹیاں اور تھوڑا سا سالن لے ہی جاتا جو وہ اور روزینہ کھا لیتے ۔

پچھلے سات سال سے اسی فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے اس نے لوگوں کی جھڑکیاں اور گالیاں بھی کھائی تھی ،باتیں بھی سنی تھی ،اپنے بارے میں تن آسان اور ہڈحرام کے الفاظ بھی سنے تھے۔مفت خوری کے طعنے بھی برداشت کیے تھے لیکن آج اس کے سامنے بیٹھا ہوا یہ آٹھ سالہ بچہ کون تھا؟؟؟؟؟؟؟؟

بابا جی سوری دے دیں ۔وہ فیضان ہے نا وہ کل اپنی پاکٹ منی بھول آیا تھا اور مجھ سے مانگ لیے تو آپ کے والے پیسے میں نے اسے دے دیے۔آپ پلیز ناراض نہ ہوں ۔

اس نے اپنی ازلی معصومیت سے کہا اور کریم داد حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔۔اس نے فٹ پاتھ پر سے گزرتے لوگوں کے منہ سے کئی بار یہ لفظ سنا تھا اور پانچویں جماعت میں پڑھتی اس کی پوتی نے اسے بتایا تھا کہ انگریزی میں اس لفظ کا مطلب معافی مانگنا ہوتا ہے ۔۔۔تو کیا یہ امیر زادہ اس سے معافی مانگ رہا تھا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

لیکن کس بات کی؟؟؟؟؟؟؟؟؟اس لیے کہ اس نے بیس روپے اپنے دوست کو دیے اور بابا کو نہ دے سکا؟؟

بابا میں آپ کو آج کل والے پیسے بھی دونگا اور آج والے بھی ۔کل پاپا نے مجھے زیادہ پاکٹ منی دی تھی لیکن اگر پاپا نہ دیتے تو میں آپ کو اپنا لنچ دے دیتا ۔مجھے پتا ہے کہ آپ نے کل سے روٹی نہیں کھائی ۔۔

عمران نے چالیس روپے بابا کو دیتے ہوئے کہا۔پیسے بابا کے ہاتھ پر رکھے اور اٹھ کر چلنے لگا۔بابا تو ابھی تک بلکل خاموش تھا۔

بابا میں آئندہ فیضان کو نہیں دونگا اور اگر وہ مانگے گا تو میں لنچ اور اپنے پیسے اسے دے دونگا ۔

اس نے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے ۔دفعتاً ایک بار پھر رک کر پوچھا ۔۔

بابا آپ ناراض تو نہیں ہیں نا ۔؟؟؟؟

کریم داد کوئی جواب کیسے دیتا ۔اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے ۔بڑی مشکل سے اس کا سر نفی میں ہلا اور اطمینان پا کر وہ بچہ وہاں سے چلا گیا ۔جو نمکین پانی کریم داد کی آنکھوں میں جمع تھا وہ ایکدم سے اپنا رستہ بنا کر بہہ نکلا ۔ایسی کونسی دعا تھی جو وہ اسے دے ۔اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں سیکھی ہوئی ساری دعائیں کریم داد کو بے معنی لگیں ۔اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھی ۔

یا اللہ میں کوئی دعا نہیں دے سکتا ۔بس تو اس کو خود ہی عطا کر دے ۔میری ساری دعائیں بہت کمزور ہیں ۔اس کے دل سے دعا نکلی ۔۔

اور اللہ تک پہنچنے کے لیے دعا کا لبوں سے نکلنا ضروری بھی نہیں ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج اسے یونیورسٹی نہیں جانا تھا لیکن وہ ناشتہ کرنے اور خالہ سے اپنا پھول لینے نیچے آئی

تھی ۔پچھلے پانچ دنوں سے خالہ اسے روز صبح ایک پھول دیتی تھی جو صارم رات کو گھر آتے ہوئے لے آیا کرتا تھا ۔پھر وہ اسے اپنے کمرے میں رکھے ہوئے انڈور پلانٹ کے ساتھ ہی اسکے گملے میں سجا دیتا ۔اسطرح وہ مرجھانے سے بچ جاتا اور صبح جاتے ہوئے وہ پھول وہ اپنی ماں کو دے دیتا جو اس پھول کو اتنی ہی محبت سے وجیہہ کو دیتی ۔اس سارے چکر سے بس وہی تین لوگ آگاہ تھے ۔

آج بھی وہ جاگی تو ابو ،امی اور ملیحہ سو رہے تھے ۔امی ،ابو تو فجر پڑھ کر دوبارہ سوتے تھے ۔اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی تو لیکن اسے نیند نہیں آئی ۔سو اٹھ کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور پیچھے خالہ کے پاس ناشتہ کرنے آ گئی ۔

السلام وعلیکم خالہ ۔۔۔اس نے کچن میں مصروف زبیدہ سے کہا ۔

وعلیکم السلام ۔۔۔وہ بہت خوش ہوئی ۔کیا ہوا آج نہیں جانا کیا تمہیں ؟؟

نہیں خالہ آج کچھ اہم کلاس نہیں ہے تو سوچا کہ چھٹی کر لوں لیکن ابھی اتنی دیر ہو گئی ہے اور اوپر سب سو رہے ہیں ۔پتا نہیں کیا مسئلہ ہے اتنی دیر تک سوتے رہتے ہیں سب ۔اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا

خالہ مجھے بھی ناشتہ کرنا ہے پراٹھا بنا کے دیں نا مجھے ۔خالہ کے ہاتھ کا پراٹھا وہ بہت شوق سے کھاتی تھی ۔

اچھا تم بیٹھو میں بنا رہی ہوں ۔انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

نہیں خالہ میں صحن میں جاتی ہوں تھوڑی دیر ۔اتنے دن ہو گئے پودوں کو بھی نہیں دیکھا ۔اسے پودے بہت پسند تھے ۔

کچن کے دروازے سے نکلتے ہوئے وہ ایک بار پھر مڑی ۔اسے ابھی خیال آیا تھا کہ خالہ اتنی دیر سے مسکرا رہی تھیں ۔

کیا ہوا خالہ آپ ہنس کیوں رہی ہیں ؟؟

کچھ نہیں ویسے ہی بس اپنی معصوم بیٹی پر پیار آیا مجھے ۔انہوں نے اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا اور کام میں مصروف ہو گئیں ۔وہ صحن میں آ کر چھوٹے پودوں کی کیاری کے پاس جا کر جھک کر ان میں سے سوکھی ہوئی شاخیں نکالنے لگی ۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پیچھے سے کسی نے کھنکھار کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی ۔

ریحان تم اتنی جلدی ۔۔۔۔۔۔۔وہ بولتے ہوئے مڑی

لیکن بات تو ادھوری ہی رہ گئی ۔وہ ریحان نہیں صارم تھا جو مسکرا کر اسی کو دیکھے جا رہا تھا ۔

کیسی ہو وجیہہ؟؟وہ ہمیشہ اسکا پورا نام لیتا تھا جبکہ باقی گھر والوں کیلیے وہ وُجی تھی۔

میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں۔۔اس نے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

میں بھی بلکل ٹھیک ہوں۔آج تم یونیورسٹی نہیں جا رہی ہو کیا؟؟

نہیں۔۔

آپ بھی آج نہیں جا رہے؟؟ کچھ لمحے رک کر اس نے پوچھا۔

میں تو جاؤنگا۔ابھی جاگنگ سے آیا ہوں تو ناشتہ کر کے چلا جاؤنگا۔

اتنی دیر سے؟؟؟وہ جو ہمیشہ صبح صبح جانے کا عادی تھا آج اتنا لیٹ کیسے ہو گیا تھا

دیر تو نہیں ہوئی ابھی تو صرف سات بج رہے ہیں۔اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا

کیا؟؟؟سات بجے؟؟بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

ہاں ابھی سات بج رہے ہیں۔اس نے دوبارہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے تصدیق کی

وہ خاموش کھڑی رہی۔اپنی بے وقوفی سمجھ چکی تھی۔صبح اٹھ کر گھڑی کی طرف دیکھنے کی زحمت اس نے نہیں کی تھی اور موبائل دیکھتے ہوئے بھی ٹائم پر نظر نہیں ڈالی تھی۔خالہ کی دبی دبی مسکراہٹ بھی سمجھ گئی تھی سو شرماتے اور پچھتاتے ہوئے فوراً اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

وجیہہ۔۔۔صارم کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

میں ہر صبح ایک پھول دیتا ہوں پسند آتا ہے؟؟

آپ کب دیتے ہیں وہ تو خالہ دیتی ہیں اور مجھے خالہ کا دیا ہوا پھول پسند آتا ہے۔سر جھکائے وہ آہستگی سے بولی۔اس کے لہجے میں تھوڑی سی ناراضگی تھی۔

امی کو میں ہی دیتا ہوں اور وہ اس لیے کہ جب میں جاتا ہوں تو اس وقت تم سو رہی ہوتی ہو اور جب میں آتا ہوں تو اس وقت بھی تم سو رہی ہوتی ہو۔وہ وضاحت دیتے ہوئے بولا

میں جاگ سکتی ہوں۔صبح بھی اور رات کو بھی۔وہ بدستور نیچے ہی دیکھتی رہی۔

صارم کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔گویا پھول لینا اسے پسند تھا اور پھول بھی۔وہ پھول لیتی آ رہی تھی اور صارم کے پوچھنے پر امی بتا دیتی تھی کہ وہ بہت خوش بھی ہوتی تھی پھول پا کر لیکن آج صارم کے سامنے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے پھول لینے کیلیے جاگ سکتی ہے۔اسکا مطلب تھا کہ وہ اس سے پھول لینا چاہ رہی تھی۔اور یہ بات وہ سمجھ بھی رہا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے آئندہ امی کے ہاتھ نہیں بھیجونگا لیکن روز تم سے ملکر دے بھی نہیں

سکتا تا یا ابا کو اچھا نہیں لگے گا۔۔۔وہ سوچتے ہوئے بولا

لیکن خیر میں کچھ کرلونگا۔تم یہی رکو میں آتا ہوں ۔اور وہ اندر بڑھ گیا۔

صرف چند ہی لمحے لگے تھا سے واپس آنے میں اور اسکے ہاتھ میں ویسا ہی ایک خوبصورت پھول تھا جیسا وہ پچھلے پانچ دن سے خالہ کے ہاتھ بھجوا تا رہا تھا۔وہ بلکل اسکے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

یہ لو وجیہہ۔آج خود دے رہا ہوں اور آئندہ بھی خود دیا کرونگا۔اس نے پھول اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے خاموشی سے پھول پکڑا اور اسے دیکھنے لگی۔بہت پیارا تھا وہ۔اور آج تو بہت ہی پیارا لگا اسے وہ پھول۔۔۔۔

کچھ کہو گی نہیں؟؟

کیا؟؟اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اسے۔وہ اب بھی مسکراتے ہوئے پورے انہماک سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

کچھ بھی۔۔۔۔۔۔

۔ ۔وہ بولی اور مزید کچھ کہنے سے قبل ہی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ وہی کھڑا رہا۔اندر جا کر وہ سیدھی سیڑھیوں کی طرف گئی۔۔

وجی ناشتہ کر کے جاؤنا۔خالہ اسے اوپر جاتے دیکھ کر کچن سے نکل کر بولی۔

خالہ میں بعد میں آجاؤنگی ناشتہ کرنے۔تب تک خالہ اسکے ہاتھ میں صارم کا دیا ہوا پھول دیکھ چکی تھی۔اور ہلکے سے مسکرا رہی تھی۔اسے خالہ سے ناراض ہونا تھا۔انہوں نے بتایا کیوں نہیں کہ وہ سات بجے سے پہلے پیچھے آئی تھی اور یہ کہ ابھی صارم گیا نہیں تھا لیکن اسکو کسی اور وقت پر اٹھائے رکھتے ہوئے اسنے سیڑھیاں پھلانگنی شروع کردی۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کون ہو تم؟؟؟؟وہ چاروں اپنی اپنی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔اپنے کمرے میں پانچویں چارپائی اور بعد ازاں سیف اللہ کی زبانی انہیں اس کی آمد کا پتا چل گیا تھا۔وہ چاروں مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً اپنے کمرے میں آئے تھے جب کہ مجاہد تھوڑ دیر ویسے ہی ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہا۔

مجاہد اللہ۔۔۔۔۔اس نے مختصر جواب دیا۔

پڑھنے آئے ہو؟؟؟ایک نے پوچھا۔

اس نے گھور کر ایسے دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

میرا خیال ہے کہ اس مدرسے میں جو بھی آتا ہے وہ پڑھنے ہی آتا ہے۔اگر تم کچھ اور کرنے آئے ہو تو مجھے بتا دو پھر میں بھی سوچ لونگا کہ پڑھ لوں یا وہ کام ہی کر لوں۔۔

سیف اللہ اسکی بات پر زیر لب ہنسا۔اسے ایسی بات کی امید نہیں تھی۔خاص طور پر جب وہ آج ہی آیا تھا۔ایسی بات کی توقع تو باقیوں کو بھی نہیں تھی۔

وہ اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔باقی سب کچھ یاد کر رہے تھے۔

تم لوگ کیا یاد کر رہے ہو؟؟؟؟

آج کا پڑھا ہوا سبق۔۔جواب سیف اللہ کی طرف سے آیا۔

ایک بات تو بتاؤ۔تم دونوں گونگے ہو کیا؟؟؟اس نے باقی دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں تو۔ان میں سے ایک بولا۔

تو پھر بولتے کیوں نہیں ہو؟؟؟؟؟؟

کیا بولیں؟؟؟؟؟تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ ہم سب پڑھ رہے ہیں۔۔۔۔

تو پڑھو نا۔میں نے کب منع کیا ہے؟؟؟؟اچھا اپنے نام تو بتا دو۔۔

وہ سب اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں مصروف رہے۔۔۔

تمہارا نام کیا ہے؟؟؟اس نے کونے والے سے پوچھا۔

امیر حمزہ۔۔۔۔

اور تمہارا؟؟؟؟؟دوسرے سے پوچھا۔۔

علی حیدر۔۔۔

اس نے تیسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

عمر فاروق۔۔۔

زبردست۔۔

اور کب سے ہو یہاں؟؟؟؟؟اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

دیکھو مجاہد تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں پھر چپ کیوں نہیں ہو جاتے۔

عمر فاروق نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اچھا ٹھیک ہے یار غصہ کیوں ہوتے ہو؟؟؟جب پڑھ لو گے تو تب کر لینگے باتیں۔باتیں تو اب ہوتی ہی رہینگی۔اس نے خوشدلی سے کہا۔ان سب کو اس کی اتنی بے تکلفی اچھی نہیں لگ رہی تھی لیکن وہ

خاموش تھا اسلیے کہ وہ یہاں آج ہی آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاری صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں رحمت کو مدرسے بھیج دونگا۔

قاری ادریس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ایسے جیسے انہیں کسی بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

لیکن کیوں؟؟؟؟؟ وہ ابھی بچہ ہے۔۔۔

قاری صاحب یہاں رہ کر وہ بہت بگڑ رہا ہے۔ پہلے تو میں نے بچہ سمجھ کر اس کی اتنی زیادہ فکر نہیں کی لیکن اب مجھے لگ رہا ہے کہ اسے سختی کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی۔۔

یہاں کیوں نہیں ہو سکتی فضل؟؟؟؟؟

قاری صاحب۔ یہاں میں اس کو آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ آپ کے بس میں جو تھا آپ نے کیا لیکن اب وہ آپ کی بات بھی نہیں سمجھ رہا۔

ایسا کیا کیا ہے اس نے؟؟؟

قاری صاحب پہلے میرے ایک محلے دار نے اسے گھروں میں غلیل سے پتھر مارتے ہوئے پکڑا۔ میں نے اسے سمجھایا اور مجھے لگا کہ وہ سمجھ بھی گیا لیکن کچھ عرصہ پہلے مجھے پتا چلا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر راہ چلتی گاڑیوں پر غلیل سے پتھر مار کر ان کے شیشے توڑتے ہیں۔ اور یہ کام وہ لوگ اتنی مہارت سے کرتے تھے کہ کافی عرصہ تک تو ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔ میں نے بہت ڈانٹ ڈپٹ کی، پٹائی بھی کی اس کی، اس کے دوستوں سے ملنے پر بھی پابندی لگا دی۔ لیکن ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر لیاقت کے بیٹے رشید کو بہت مارا ہے۔ اسے پکی سڑک پر گھسیٹا ہے اور اس کے سر پر ڈنڈے سے مارا ہے۔ رشید کو تو آپ جانتے ہیں نا قاری صاحب؟؟؟؟؟؟

ہاں جانتا ہوں۔ وہ بھی شاگرد ہے میرا لیکن رحمت نے ایسا کیوں کیا؟؟؟ تم نے پوچھا نہیں فضل؟؟؟؟ قاری صاحب کو بھی تشویش ہوئی۔

میں نے پوچھا ہے قاری صاحب۔ کہتا ہے کہ اس نے مجھے ماں کی گالی دی تھی۔ فضل اللہ سر جھکائے بولا۔

قاری صاحب میں رشید کو دیکھ آیا ہوں۔ رحمت نے بہت ظالمانہ مارا ہے اسے اس لیے اب میں نے یہی فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے بھیج دونگا۔

لیکن فضل میں کبھی بھی تمہارے اس فیصلے کی حمایت نہیں کرونگا۔

لیکن اس میں غلط کیا ہے قاری صاحب؟؟

دیکھو فضل اللہ ہر انسان ہر بات ہر کسی سے نہیں کہہ سکتا۔ میں بھی کچھ باتیں تمھیں نہیں بتا سکتا لیکن میں کبھی اس فیصلے کی حمایت بھی نہیں کرونگا۔

لیکن قاری صاحب وہ بگڑ رہا ہے۔۔

بگڑنے کا علاج مدرسہ ہے کیا؟؟؟؟

لیکن وہاں پابندی تو ہوتی ہے نا قاری صاحب۔اسطرح آزاد گھومنے پھرنے اور غنڈہ گردی تو نہیں کر پائے گا نا۔۔

یہ غنڈہ گردی نہیں لیکن بہت سی اور طرح کی غنڈہ گردی سیکھ جائے گا فضل ۔۔قاری ادریس کسی بھی طرح راضی نہیں ہو رہے تھے۔

لیکن میں پوچھ تاچھ کر کے ہی بھیجونگا اسے۔لوگوں سے پوچھونگا۔مدرسے میں پڑھنے والوں سے پوچھونگا۔ایسے ہی کہیں بھی اٹھا کر تو نہیں بھیجونگا نا۔

تم کچھ بھی کہو فضل میں پھر بھی یہی کہونگا کہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا۔مرضی تمہاری ہے لیکن مدرسے کی تجویز مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں ہے۔

میں سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرونگا قاری صاحب لیکن اتنا تو میں سمجھ ہی چکا ہوں کہ اب اسے قابو کرنا میرے یا آپ کے بس کا کام نہیں ہے۔

ٹھیک ہے فضل اپنی مرضی اور خوشی دیکھو لیکن سوچ سمجھ کر۔

بلکل جناب اب چلتا ہوں۔خدا حافظ۔وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

خدا حافظ۔

وہ گھر آ گیا۔سارا رستہ وہ حیران ہوتا رہا کہ آخر قاری صاحب رحمت کو مدرسے بھیجنا کیوں نہیں چاہتے حالانکہ مدرسے میں ایسی کوئی برائی بھی نہیں ہے۔بہت سے بچے مدرسے سے پڑھ کر عالم بن جاتے ہیں اور پھر مدرسے کا ماحول تو بہت اچھا ہوتا ہے۔وہاں جا کر تو بہت بڑے شیطان سدھر جاتے ہیں۔پھر رحمت تو سدھر ہی جائے گا۔

اور ویسے بھی وہ خود بھی تو مدرسے جانا چاہتا تھا نا۔اور اسکے جانے میں ایسی کوئی برائی بھی نہیں ہے۔حفظ تو وہ پہلے کر چکا ہے۔اب مدرسے میں باقی علم بھی پڑھ لے گا۔اور سدھر بھی جائے گا۔لیکن پھر قاری صاحب مدرسے کی اتنی مخالفت کیوں کر رہے تھے؟؟؟؟

یہی سوچ اسے پریشان کر رہی تھی۔

وہ رات تک یہی سوچتا رہا۔قاری صاحب کی اتنی کھلی مخالفت نے سے فیصلہ کرنے میں مشکل میں

ڈال دیا تھا۔اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کچھ دن تک مدرسے کا چکر لگائے گا۔وہاں سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی اسے وہاں بھیجے گا ورنہ تو اسے قاری صاحب کی شاگردی میں بٹھا دے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ارسل۔۔۔۔۔۔۔۔آہستہ چلائیں میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔وہ چلائی۔۔

لیکن ابھی تو تم خود کہہ رہی تھی کہ دیر ہو گئی ہے۔۔وہ بھولا بن گیا۔

میں نے جلدی اٹھنے کا کہا تھا۔یہ نہیں کہا تھا کہ راستے میں ہوا کے ساتھ ریس لگائیں۔آہستہ چلائیں۔۔صباء نے پیچھے سے اس کا کالر کھینچا۔

ارسلان رضا جو شادی سے پہلے بہت سویرے اٹھنے کا عادی تھا۔شادی کے بعد سوجاتا تو ایسے لگتا کہ اب کبھی اٹھے گا ہی نہیں۔شاید لاشعوری طور پر صبح وہ اس پیاری اور محبت بھری آواز کا ہی انتظار کرتا رہتا تھا جو روز اسے صبح اٹھاتی تھی۔۔۔

ارسل اٹھ جائیں دیر ہو رہی ہے اور ناشتہ تیار ہے۔

اور وہ کروٹ دوسری طرف کر کے سوجاتا۔۔

ارسل اٹھ جائیں بہت دیر ہو رہی ہے۔اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر وہ آ کر اسکا کمبل ہٹاتی اور اسے زبردستی بستر سے اٹھا دیتی۔اس حالت میں ارسلان کے بکھرے بال اور بنا ہوا منہ دیکھ کر تو اسے روز ہی ہنسی آتی۔وہ ایڑھیوں کے بل کھڑی ہو کر ایک بار اسکے بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں کوئی شکل دے دیتی۔شاید وہ انہیں سنوارنے کی بے سود کوشش کرتی تھی اور ارسلان رضا اسکی اس صبح صبح کی ہنسی دیکھنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اور آج تو صبح صبح ارسلان کی آنکھ ہی نہیں کھل رہی تھی۔وہ رات کو سویا بھی دیر سے تھا۔بینک مینیجر نے اسے ایک فائل دی تھی اسی سلسلے میں بیٹھا ہوا تھا۔مہندی سے سجے ہاتھوں سے صباء نے اس کے سامنے میز پر گرم چائے کی پیالی رکھی تو اسکا دل کیا کاش وہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کر سکتا۔اسے واقعی چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی لیکن اس نے صباء کی تکلیف کی خاطر کچھ نہیں کہا۔لیکن وہ سب کا دل رکھنے اور سب سے بے حد پیار کرنے والی نازک سی لڑکی اس کی طلب کو کیسے نہ جان پاتی۔۔

اسے چائے دے کر اور کام کرتا چھوڑ کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔سارے دن کی تھکن کے بعد اسے نیند بہت بھر پور آتی تھی۔وہ کام کر کے اٹھا تو دو بج چکے تھے۔وہ چار گھنٹے کی نیند بھی کر چکی تھی۔اس نے صباء کے چہرے کی طرف دیکھا۔وہ ابھی بھی گہری نیند میں تھی۔اس کے چہرے کی ازلی مسکراہٹ ابھی

بھی اس کے ہونٹوں پہ رقصاں تھی ۔ بالوں کی ایک شریری لٹ اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی ۔ارسلان نے ہاتھ بڑھا کر اس لٹ کو ہٹانا چاہا لیکن وہ اسے جگانا نہیں چاہتا تھا سو اپنا ارادہ ملتوی کر دیا لیکن اپنے بیڈ پر آ کر اسے ایک بار پھر اس لٹ کی جرآت پر غصہ آیا ۔اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ صبا کا چہرہ اس سے چھپانے کی کوشش کرے ۔وہ آہستہ سے آگے آیا اور اس سے زیادہ آہستگی سے ان بالوں کو اسکے ماتھے پر سے ہٹا دیا ۔اور لیٹ کر وہ اسی کے چہرے کو دیکھتا رہا ۔اور اسے دیکھتے دیکھتے ہی وہ نیند کی وادی میں بھٹک گیا ۔۔۔۔

اور آج صبح تو وہ بلکل نہیں اٹھ رہا تھا ۔بہت مشکل سے جا کے ناشتے سے پانچ منٹ پہلے اٹھا ۔ ناشتہ کر کے بہت جلدی سے تیار ہوا ۔رضا حسین سے ڈانٹ بھی پڑی اسے کہ وہ خود تو لیٹ ہو جائے لیکن وہ صباء کو کیوں دیر کروا رہا ہے ۔اسی وجہ سے وہ بائیک تیز چلا رہا تھا۔

ارسل میں کہہ رہی ہوں نا کہ آہستہ چلائیں ۔وہ بائیک پر اسکے پیچھے بیٹھی ہوئی چلائی ۔

لیکن اب تو میں آہستہ چلا رہا ہوں ۔

اس سے بھی آہستہ کریں ۔۔۔

ایک کام کرو ۔تم یہاں سے اتر جاؤ اور پیدل چلنا شروع کر دو ۔مجھے تو جلدی پہنچنا ہے آفس ۔

ارسل میں ابو کو شکایت لگاؤ نگی ۔۔

ہاں ابو کی چہیتی جو ٹھہری ہو تم ۔جانتی ہو کہ میں لاکھ کہوں گا کہ دیر ہو رہی تھی لیکن ماننا تو انہوں نے تمہارا ہی ہے ۔وہ جیلس ہو رہا تھا ۔۔

ہاں ابو کی ایک اکلوتی بیٹی جو ہوں ۔بھول گئے ابو کی بات کہ میں اللہ نے انکی کسی نیکی کی بدلے میں دی ہوں ۔وہ اکھڑ کر بولی اسے چڑانے کے لیے ۔۔۔

ہاں ہاں ۔۔اور ابو امی کے گناہوں پر ناراض ہو کر اللہ نے میرے اور کامران جیسی مصیبتوں سے نوازدیا انھیں ۔۔

کامران نہیں صرف آپ ۔وہ اپنا نچلا ہونٹ دبا کر بولی ۔۔

ہاہاہاہا ۔۔ارے بی بی ۔اب یہ مصیبت آپ ہی کے گلے پڑ گئی ہے ۔اب سہتی رہو ساری عمر اس مصیبت کو ۔خلاف توقع وہ چڑا نہیں۔

وہ چپ ہو گئی۔

جب ابو امی نے گناہ کیے تھے تو بقول تمہارے ان کو اللہ نے سزا کے طور پر میں بھیج دیا ۔اب اس عمر میں وہ لوگ بہت عبادت کرتے ہیں تو اللہ میاں نے سوچا کہ اب ان کی مصیبت کسی اور گنہگار کے گلے

میں ڈال دینی چاہیے ۔سو چار مہینے پہلے یہ مصیبت تمہارے گلے میں ڈال دی ۔ویسے صباء بی بی آپس کی بات ہے تم نے ایسا کونسا گناہ کیا تھا جس کی اتنی بھیانک سزا ملی ہے ؟؟؟؟ وہ اپنا کان قریب لاتے ہوئی رازدارانہ انداز میں بولا ۔

وہ اب اپنی فطرت پر اتر آیا تھا ۔ہلکا پھلکا مزاق اس کی عادت تھی ۔جب موڈ میں ہوتا تھا تو وہ بات میں ہنسی مذاق کا کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ لیتا تھا ۔اور سامنے والے کو لاجواب کرتا تو کوئی اس سے سیکھے اور وہ تو صباء تھی ۔جس سے وہ چیڑ خانی تو کر سکتا تھا لیکن ناراض کبھی نہیں ۔۔

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا ۔۔

تو پھر تمہیں سزا کس چیز کی ملی ؟؟؟؟؟

مجھے کوئی سزا نہیں ملی ۔۔

تو پھر میں کیوں ملا ؟؟؟؟

ارسل میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ باتوں پر زیادہ دھیان دے رہے ہیں اور بائیک پر کم ۔دھیان سے چلائیں اور منہ بند کریں ۔۔۔وہ لاجواب ہو گئی تھی ۔۔

وہ اسے کبھی نہیں بتا سکتی تھی کہ

ارسلان رضا تمہارا ساتھ ملنا میرے لیے سزا نہیں بلکہ اس زندگی میں مجھ پر اللہ کا کیا گیا سب سے بڑا کرم ہے ۔میرے رب نے کسی گناہ کے کفارے کے طور پر نہیں بلکہ میری کسی نیکی کا اسی دنیا میں مجھے بدلہ دیا ہے جو تم میرے ہمسفر بنے ہو ۔تمھاری سنگت میں زندگی زندگی لگنے لگی ہے ۔

لیکن یہ باتیں وہ صرف سوچ سکی تھی ۔اسے بتا نہیں سکتی تھی ۔۔

اس لیے اس نے اس کی بات کو گول کر کے اسکا دھیان سڑک پر لگا دیا ۔

دس منٹ کے بعد اسکا سکول آ گیا ۔وہ اتر گئی تو بہت شکر ادا کیا اس نے ۔۔

ایسا کیا ہوا جو تم اتنا شکر کر رہی ہو ؟؟ وہ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا ۔اسے خود بھی دیر ہو رہی تھی لیکن اس وقت صباء کو اتنے دل سے شکر ادا کرتے دیکھ کر اس سے رہا نہیں گیا ۔

میں اللہ کا شکر کر رہی ہوں جو اس نے مجھے زندہ سلامت پہنچا دیا ورنہ آپکا تو آج کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا ۔۔

کیا مطلب ہے تمہارا ؟؟ اس نے گھورا

آپ نے تو آج کہیں نہ کہیں بائیک ٹکرا کر مار ہی دینا تھا مجھے ۔خود تو آپ نے ہیلمٹ پہنا ہوا ہے اس لیے دو چار چوٹیں ہی آتی ۔لیکن میں سیدھی اللہ کے پاس جاتی ۔اب اس بات پر شکر کرنا تو بنتا ہے

نا ۔۔وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔

پتا نہیں اللہ نے عورتوں کو اتنا ناشکرا کیوں پیدا کیا ہے؟؟؟

ایک تو میں تم پورے دومن کی عورت کو اس نازک سی بائیک پر لاد کر اتنا بھگا کر لایا ہوں اور اوپر سے تم سینہ کوبی بھی کر رہی ہو۔اسی لیے تو کہتے ہیں کہ جہنم بھرا ہوگا تم عورتوں سے۔۔۔

ارسل۔۔۔۔۔۔۔۔کیا کہہ رہے ھیں؟؟؟؟ میں عورت ہوں؟؟؟اور وہ بھی دومن کی؟؟؟ اور آپ مجھے لاد کر لائے ہیں؟؟؟ اور میں سینہ کوبی کر رہی ہوں؟؟؟؟ یہ آپ کیسے بول رہے ہیں؟؟؟؟ اسے واقعی دوسوواٹ کا جھٹکا لگا تھا۔

اور اسے منہ بنانے کا موقع دیے بغیر وہ اپنی بائیک اڑا کر لے گیا۔اور وہ جو اس کے سامنے اس سے ناراض ہونے کا سوچ رہی تھی خود ہی اس کی بات اور الفاظ پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔۔

اس کے دل سے ارسلان کی سلامتی کی دعا نکلی۔اس نے سکول کیطرف بڑھتے ہوئے اپنے ساتھ ہی آیت الکرسی پڑھ کر اسکا تصور کر کے پھونکا۔

وہ بلکل عین وقت پر سکول پہنچی تھی۔ بچے اسمبلی کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔وہ بھی جلدی سے چلی گئی۔۔

اسمبلی ختم ہوئی تو واپس سٹاف کے کمرے میں جا کر اسنے روز کی طرح اپنا موبائل چیک کیا۔۔موبائل کی سکرین ایک پیغام کا اشارہ دے رہی تھی۔۔

دومن کی سینہ کوبی کرنے والی عورت سے سوری

اور ساتھ میں ایک شریر قسم کا کارٹون بھی بنا ہوا تھا۔

اسکے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔میسج کرنا اسے یاد تھا لیکن اسے تنگ کرنا بھی نہیں بھولا تھا۔۔۔

معافی نامہ نا منظور اور ساتھ میں ایک غصیلہ سا کارٹون بنا کے بھیج دیا اس نے۔اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔وہ جانتی تھی کہ اب ارسلان کا جواب اسوقت آئے گا جب اسکا چائے کا وقفہ ہوگا۔

پچھلے کچھ دنوں سے اسکے بدلے ہوئے رویے کو دیکھ کر اسکے دوست کافی پریشان تھے لیکن وہ نہ تو کسی کو کچھ بتا رہا تھا اور نہ ہی وہ خود کچھ سمجھ پا رہے تھے۔وہ اکثر اس سے پوچھتے رہتے لیکن وہ یا تو خاموش رہتا اور یا پھر کوئی ایسا جواب دیتا کہ وہ کچھ پوچھ ہی نہ پاتے۔اس لیے اب انہوں نے اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا تھا کہ آخر وہ سنبھل ہی جائے گا۔۔

اسکا دل کہیں نہیں لگ رہا تھا۔وہ اپنے کمرے سے نکل کر کسی تنہا کونے میں بیٹھ جاتا یا پھر اس

میدان میں جا کر گھنٹوں گھنٹوں وہی بیٹھا رہتا۔

اور پھر اسکا ماضی ایک فلم کی طرح اسکے دماغ میں چلنے لگتا۔۔۔آج بھی یہی ہو رہا تھا۔وہ کتنی دیر سے بیٹھا اپنا ماضی ہی کرید رہا تھا۔۔۔۔۔۔مجاہد اللہ کا ماضی۔۔

یا پھر۔۔۔۔۔

جانے کس کا ماضی تھا وہ؟؟

مجاہد۔۔اوئے مجاہد اٹھ جاؤ۔۔فجر کی اذان ہو رہی ہے۔۔۔

سیف اللہ نے اسے آواز دی۔۔

اور وہ اس کی پہلی آواز کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔وہ صبح جلدی اٹھنے اور ورزش کا عادی تھا اور کل دن کی تھکان کی وجہ سے اسے رات کو بہت گہری نیند آئی اور اسی وجہ سے اس کی آنکھ اذان کے ساتھ نہیں کھل سکی۔

چلو جلدی سے اٹھ جاؤ اور وضو کر لو پھر جماعت میں آ جانا۔سیف اللہ نے اس کی رہنمائی کی کوشش کی۔

ٹھیک ہے۔وہ بستر سے اٹھ گیا۔۔

سیف اللہ تم وضو کر چکے ہو؟؟؟اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

ہاں میں کر چکا ہوں اور میں مسجد جا رہا ہوں۔۔حمزہ اور عمر لوگ وضو کرنے گئے ہیں۔تم بھی جاؤ۔۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔اور وہ وضو کرنے چلا گیا۔

وضو کر کے کمرے میں آیا تو حمزہ اور عمر جا چکے تھے صرف علی حیدر اپنی چارپائی کے ایک کونے پر بیٹھا ہوا تھا۔

تم نے مسجد نہیں جانا کیا؟؟؟مجاہد نے پوچھا

میں تمھارا انتظار کر رہا تھا۔وہ سب چلے گئے تو میں نے سوچا کہ میں اور تم ساتھ ہی چلے جاتے ہیں۔۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔

اچھا۔۔چلو ٹھیک ہے چلتے ہیں۔

اور وہ دونوں کمرے سے نکل کر مدرسے کے پیچھے کی طرف بنے مسجد میں چلے گئے۔نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول سب نے دوبارہ اپنے کمروں کا رخ کیا لیکن مجاہد کو مخالف سمت میں جاتے دیکھ کر حیدر کو حیرت ہوئی۔۔

تم کہاں جا رہے ہو؟؟ اس نے پوچھا۔

میں فجر کے بعد تھوڑا گھومنے پھرنے کا عادی ہوں اس لیے بس ادھر ادھر کہیں تھوڑا سا گھوم کر آتا ہوں۔تم جاؤ کمرے میں باقی سب بھی چلے گئے ہیں۔

لیکن تم جا کدھر رہے ہو؟؟؟؟؟ تمھیں تو یہاں کا پتا بھی نہیں ہے۔مجاہد کو حیرت ہوئی حیدر اس کی اتنی فکر کیوں کر رہا تھا۔

علی حیدر میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو گم جاؤنگا۔گھوم پھر کر اسی کمرے میں واپس آ ؤنگا۔تم فکر مت کرو۔وہ ہنستے ہوئے بولا۔

اچھا چلو ٹھیک ہے میں بھی چلتا ہوں تمھارے ساتھ۔وہ بھی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

تم فکر کیوں کر رہے ہو حیدر۔۔تم جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔

فکر کی بات نہیں ہے بس ویسے ہی۔چلو چلتے ہیں۔آج اسی بہانے میں بھی صبح کی سیر کر لونگا۔وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

اور وہ دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

مدرسہ کافی بڑا تھا۔دو دروازے تھے ایک دروازہ بلکل مسجد کے بائیں طرف تھا اور دوسرا بڑا دروازہ بلکل سامنے کو تھا۔بڑے دروازے سے داخل ہو تو اس سے ملحقہ دیوار کے ساتھ دو بڑی راہداریاں بنی ہوئی تھی جن میں صبح دوپہر شام کو کھانا کھایا جاتا تھا۔اس سے تھوڑے فاصلے پر بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ ایک قطار میں کمرے بنے ہوئے تھے جس میں مدرسے میں پڑھنے والے لڑکے رہتے تھے۔قطار میں بہت سارے کمرے تھے جن میں مختلف درجوں کے اپنے اپنے الگ حصے بنے ہوئے تھے۔اس پوری قطار کے آخر میں غسل خانے اور وضو کی جگہیں بنی ہوئی تھی۔کمروں کے دائیں طرف دیوار تھی اور کمروں سے کافی فاصلے پر دیوار کے ساتھ کچھ بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے جن میں علی حیدر کے مطابق وہ لوگ سبق پڑھتے تھے۔اسی دیوار کے ساتھ آگے جا کر کونے میں مسجد بنی تھی۔مسجد بڑے دروازے کے دائیں طرف کی دیوار اور درازے کے سامنے والے دیوار کے کونے میں تھی۔اسی بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ آگے آ کر دو کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازوں پر بڑے بڑے تالے پڑے تھے۔

ان کمروں میں کیا ہوتا ہے حیدر؟؟؟؟ مجاہد نے پوچھا۔

پتا نہیں۔میں تو جب سے آیا ہوں میں نے ان کمروں پر یہی تالے لگے ہوئے دیکھے ہیں۔اس نے بتایا۔

تم کب سے آئے ہو؟؟؟؟؟ مجاہد نے ایک اور سوال کیا

مجھے آئے ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا ہے۔

کیا؟؟؟؟؟ تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے یہ کمرے بند ہیں؟؟؟؟

ارے نہیں یار۔۔ڈیڑھ مہینے سے تو میں آیا ہوں۔ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے سے بند ہوں۔۔

ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے۔۔مجاہد بولا۔

لیکن یہاں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات کو کھلتے ہیں اور جو کھانا ہم لوگ کھاتے ہیں وہ اناج یہاں پر رکھا جاتا ہے اور کچھ سے تو میں نے سنا ہے کہ یہ کمرے پہلے استعمال ہوتے تھے۔

کس چیز کے لیے؟؟؟؟؟

یہ تو نہیں پتا یار۔۔

اچھا۔۔چلو چھوڑو دفع کرو ہمیں کیا

چلو مجاہد واپس چلتے ہیں۔ابھی ناشتے کا وقت بھی ہونے والا ہے۔پھر سبق پڑھنے بھی جانا ہے۔حیدر نے اطلاع دی۔

ہاں ٹھیک ہے چلو چلتے ہیں۔اس نے ہامی بھری

اور وہ دونوں دو چکر کاٹ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔

رحمت اللہ آپکے ابا کہہ رہے تھے کہ وہ آپکو مدرسے بھیج دیںگے آگے علم حاصل کرنے کے لیے۔

آج کافی دنوں بعد موقع پا کر جمعے کی نماز کے بعد قاری صاحب نے اسے روک کر پوچھا۔۔

جی قاری صاحب ابا نے فیصلہ کر لیا ہے گھر میں بھی سب کو بتایا ہے۔اس نے تائید کی۔۔

اچھا۔گھر میں سب کو پتا ہے؟؟؟؟ انھیں حیرانگی ہوئی۔۔

جی۔۔۔۔

تو رحمت آپکی اماں اس فیصلے سے خوش ہیں کیا؟؟؟؟؟ انھوں نے ایک بار پھر پوچھا

نہیں قاری صاحب وہ خوش نہیں ہیں لیکن یہ ابا کا فیصلہ ہے۔۔

رحمت بیٹا! آپ کے ابا آئے تھے میرے پاس۔انہوں نے وہ ساری باتیں مجھے بتائی ہیں جن کی وجہ سے وہ آپ کو بھیج رہے ہیں۔۔۔لیکن۔۔قاری صاحب نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

رحمت اللہ نے اچنبھے سے قاری صاحب کی طرف دیکھا۔ایسے جیسے کوئی چور فرد جرم پڑھ کر سنانے پر قاضی کی طرف دیکھتا ہے۔۔

لیکن بیٹا مجھے آپکے ابا کی بات پسند نہیں آئی ۔اگر آپ وعدہ کرو کہ آپ آئندہ ایسا کچھ بھی نہیں کرو گے تو میں آپکے ابا سے بات کرونگا۔کسی نا کسی طرح وہ فیصلہ بدل ہی دیںگے ۔انہوں نے امید دلائی۔۔

وہ خاموش رہا۔

بیٹا آپ بتاؤنا ۔آپ کےابا سے بات کروں میں؟؟؟؟انہوں نے پھر پوچھا۔۔

نہیں قاری صاحب۔۔میں خود جانا چاہتا ہوں۔

اور اپنی بات کا اختتام کرتے ہی وہ اٹھا اور مسجد سے باہر چلا گیا ۔قاری صاحب پیچھے سے اسے دکھاور تاسف سے دیکھتے رہے ۔ان کی نظروں کے سامنے سے بہت سارے سال پر لگا کر اڑ گئے تھے۔

کتنی مماثلت تھی ہارون اور رحمت میں ۔۔وہ بھی تقریباً اسی عمر کا تھا ۔قد کاٹھ کا بھی اتنا ہی ہوگا ۔اسے بھی بہت شوق تھا مدرسے جا کر پڑھنے کا ۔اسے بھی روکا گیا۔لیکن وہ بھی ایسے ہی خود جانا چاہتا تھا۔جیسے آج رحمت اللہ کہہ کر گیا کہ وہ خود جانا چاہتا ہے ۔اور ہارون تو چلا بھی گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پاپا کل میں نے عبداللہ اور حسن کو بھی بتا دیا ہے۔۔۔۔

کیا بتایا ہے؟؟؟؟

یہی کہ آپ سپر مین ہیں ۔۔۔

ہاہاہا۔۔۔تو انھوں نے کیا کہا؟؟؟؟

وہ بہت حیران ہوئے جب میں نے ان کو بتایا کہ آپ گندے لوگوں کو مارتے ہیں ۔۔۔

پاپا میں اور ماما کل مارکیٹ گئے تھے تو وہاں پر ایک گاڑی والے نے میرے جتنے ایک لڑکے کو بہت مارا ۔پاپا آپ آئیں گے تو میں آپ کو لے کر جاؤنگا ۔آپ اس گاڑی والے کو مارنا ۔آئی ہیٹ ہم ۔۔۔

لیکن کیوں بیٹا؟؟؟؟؟میں کیوں ماروں؟؟؟

شہرا اپنے باپ سے فون پر محوِ گفتگو تھا۔اس کی عادت تھی کہ پورے ہفتے میں جو اسے یاد ہوتا تھا وہ اپنے باپ کو بتاتا تھا ۔کل مارکیٹ میں سے بھی وہ جو دیکھ کر آیا تھا وہی بتا رہا تھا۔

پاپا وہ آدمی بہت گندہ تھا ۔وہ لڑکا پھول بیچ رہا تھا اور وہ آنٹی کو روک کر پھول دے رہا تھا تو اس شخص نے اسے تھپڑ مارا ۔میں اس لڑکے کے پاس جا رہا تھا لیکن ماما نے مجھے نہیں جانے دیا ۔۔

کیوں نہیں جانے دیا؟؟؟؟

پتا نہیں ماما کو پتا ہوگا ۔۔

لیکن پاپا پھر جب وہ لوگ چلے گئے تو میں گیا اس کے پاس ۔وہ رو رہا تھا ۔۔۔وہ اپنے مخصوص معصوم لہجے میں بول رہا تھا

پھر کیا کیا آپ نے بیٹا ؟؟؟ وہ بھی اپنے بیٹے کی باتوں میں دلچسپی سے رہا تھا ۔۔کچن میں کام میں مصروف عائشہ کے کان بھی ان باپ بیٹے کی باتوں پر تھے۔فون کے دوسری طرف کی آواز تو وہ نہیں سن پا رہی تھی لیکن اپنے بیٹے کی باتیں وہ سن رہی تھی۔

پاپا وہ بہت رو رہا تھا ۔ماما نے مجھے جو پیسے دیے تھے وہ میں نے اسے دے دیے ۔۔

سارے پیسے دے دیے؟؟؟؟؟شاہنواز نے حیرانگی سے پوچھا

جی پاپا سارے دے دیے ۔۔وہ بہت رو رہا تھا تو ۔۔اس نے اپنے عمل کی توجیح پیش کرنے کی کوشش کی ۔۔

شاباش میرا بیٹا بہت اچھا کیا۔دل خوش کر دیا پاپا کا۔وہ واقعی خوش ہو گیا ۔۔اس کا بیٹا کم سے کم کسی غریب کا دکھ تو سمجھتا تھا ۔۔

لیکن پاپا اس نے نہیں لیے پیسے ۔میں نے اس سے بہت کہا کہ لے لو لیکن اس نے کہا کہ میں پیسے تب لونگا جب کوئی میرے پھول خرید ے گا ۔۔

اوہ ۔۔۔تو پھر ۔۔شاہنواز کے لہجے میں اداسی آ گئی ۔۔

پاپا پھر میں نے اور ماما نے اس کے سارے پھول خرید لیے ۔اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

سچ؟؟؟؟؟؟وہ حیران ہوا۔

بلکل سچ پاپا اور میں نے وہ سارے پھول پانی میں رکھ دیے ہیں ۔ماما نے بتایا کہ اسطرح یہ بہت دن تک تازہ رہیں گے ۔اب جب آپ آئینگے تو میں آپ کو بھی دکھاؤنگا ۔۔

لیکن جب تک میں آؤنگا تب تک تو وہ مرجا ئینگے ۔۔وہ لہجے میں میں اداسی بھرتے ہوئے بولا ۔۔

نہیں پاپا ۔۔نہیں مرجھا ئینگے ۔میں نے پانی میں رکھ دیے ہیں ۔۔وہ پر امید تھا۔

لیکن اگر میرے آنے سے پہلے مرجھا گئے تو ۔۔۔۔۔۔

تو پاپا ہم جا کر اس لڑکے سے اور پھول لے آئینگے وہ روز وہاں ہوتا ہے ۔۔

ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اور لے آئینگے ۔۔اس نے بھی اس تجویز کی تائید کی ۔۔

لیکن پاپا آپ اس گندے آدمی کو مارینگے جس نے اس لڑکے کو مارا ؟؟؟؟

ہاں بیٹا ضرور مارونگا ۔۔لیکن وہ آدمی ہمیں ملے گا کیسے ؟؟؟

پاپا میں آپ اور ماما روز مارکیٹ جایا کریںگے۔وہ بھی مارکیٹ آئے گا تو آپ اسے گن سے مار دینا۔۔
ٹھیک ہے نا پاپا؟؟؟؟؟؟

ہاں بیٹا یہ تو بلکل ٹھیک کہا۔ہم روز جائینگے تو اسے ڈھونڈ لینگے لیکن بیٹا ہم آپکی ماما کو نہیں لے کر جائینگے۔وہ بات کو طول دے رہا تھا۔اپنے بیٹے سے بات کرنا اسے دنیا کا سب سے دل آویز کام لگتا تھا۔

کیوں؟؟؟؟؟؟شہر کے لہجے میں پھر وہی معصومیت اتر آئی۔

کیوں کہ بیٹا جیسے وہ آپکو جانے نہیں دے رہی تھیں ایسے ہی پھر مجھے بھی اس گندے آدمی کو مارنے نہیں دینگی۔۔

بس ٹھیک ہے پاپا ہم ماما کو نہیں لے کر جائینگے۔میں اور آپ جایا کریںگے۔۔

اور کچن میں مصروف عائشہ کو ہنسی آئی اپنے شوہر اور بیٹے کی باتیں سن کر۔۔

وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئی۔شہر سمجھ گیا کہ اب اسے فون ماما کو پکڑا دینا چاہیے۔۔

پاپا میں کارٹون دیکھتا ہوں۔آپ ماما سے بات کرلیں۔۔اور ٹاٹا نو سے بھی۔اور اسنے فون عائشہ کی طرف بڑھایا لیکن پھر اچانک کچھ یاد آنے پر دوبارہ فون کان سے لگا لیا۔۔

ہیلو پاپا۔آپ اپنی گن ضرور لایئے گا اس گندے آدمی کو مارنا ہے۔۔

ہاں ہاں بیٹا آپ فکر نا کرو گن ضرور لاؤنگا۔۔

اور شہر فون عائشہ کو پکڑا کر خود کارٹون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

تو آپ بیٹے کی صلح کیا ہوگئی ماما کو بیچ میں سے نکال ہی دیا؟؟؟عائشہ ان کی باتیں سن چکی تھی۔۔

ہاہاہا۔۔۔نہیں جناب ماما کو کیسے نکال سکتے ہیں۔شہر کی ماما ہمیں گھر سے نہیں نکال دینگی۔۔اس نے خوشدلی سے کہا۔

جواب میں وہ صرف ہنس دی۔۔

عائشہ۔۔۔آئی ایم سوری۔۔میں تم لوگوں کو وقت نہیں دے پاتا۔۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے شاہنواز۔آپ خوامخواہ فکر نہ کریں۔اس نے تسلی دی۔۔حالانکہ شاہنواز کے بغیر کبھی کبھی وہ بھی بہت اداس ہوجایا کرتی تھی۔لیکن پھر اس کی والہانہ محبت کو یاد کر کے خود کو تسلی دے دیا کرتی اور اب اسکی ایسی بات سن کر تو اسکی آنکھوں کے کنارے بھیگنے کو تھے لیکن وہ اسکے سامنے کمزور پڑ کر اسے مزید اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

نہیں عائشہ میں واقعی شرمندہ ہوں۔میں نے شہر کی ساری ذمہ داری بھی تمہارے سر ڈال دی ہیں

اور تم لوگوں کو وقت بھی بلکل نہیں دے پا تا لیکن یار کیا کروں ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔میں بے بس ہوں۔۔
وہ ان دونوں کی اتنے عرصے تک دوری پر بہت اداس ہو رہا تھا۔

ایسا نہ کہیں شاہنواز پلیز۔شرمندگی کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی شہر کی ذمہ داری مجھ پر بوجھ ہے اور دوسری بات یہ کہ آپ سے شادی سے پہلے میں یہ سب جانتی تھی کہ آپ عام لوگوں جتنا وقت نہیں دے سکتے اسلیے میں ذہنی طور پر تیار ہوں۔۔آپ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ لیں پلیز۔۔آنسوؤں کا ایک گولہ اس نے حلق سے اتار لیا۔

اور فون کی دوسری طرف شاہنواز اسکی آواز کا بھیگا پن جان چکا تھا لیکن جانتا تھا کہ اسکی بیوی اس سے کبھی شکایت نہیں کرے گی۔۔وہ خود آنسو پی جائے گی لیکن اسکے سامنے بہا کر اسے کبھی کمزور نہیں ہونے دے گی۔اور یہی کچھ وہ اپنے بیٹے میں بھی منتقل کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجاہد اللہ کو مدرسے میں آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔اپنے شدید تجسس کے باوجود اسکی ملاقات ابھی تک بڑے مولانا صاحب سے نہیں ہو سکی تھی۔اسے بتایا گیا کہ بڑے مولانا صاحب ہفتے میں صرف ایک بار درس دیتے ہیں۔اور وہ بھی اگر انہیں وقت مل جائے تو۔ورنہ کبھی کبھی ہفتے گزر جاتے ہیں اور وہ مدرسے کا رخ نہیں کر پاتے۔۔

آج جمعے کا دن تھا اور مولوی ثناءاللہ نے کل اعلان کیا تھا کہ بڑے مولانا صاحب کا درس ہوگا۔آج صبح سے مدرسے میں جوش وخروش پایا جا رہا تھا۔سیف اللہ نے اسے بتایا کہ بڑے مولانا صاحب کے ہر درس کے لیے طلباء میں ایسا ہی جوش ہوتا ہے۔

عام طور پر تو مدرسہ مولوی ثناء اللہ مولوی بلال اور مولوی صلاح الدین کی زیر نگرانی چلتا تھا لیکن لوگ کہتے تھے کہ اصل نگران مولانا عبدالرحمان ہیں۔

آج انہیں ناشتے کے فوراً بعد سبق پڑھنے نہیں جانا تھا بلکہ انہیں کہا گیا کہ دس بجے مولانا صاحب کا درس شروع ہوگا لہذا انہیں دس بجے تک مدرسے میں ہونا چاہیے تھا۔

بڑے مولانا صاحب کیسے آدمی ہیں یار جن کی شہرت اتنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے؟؟؟اس نے ناشتے سے فارغ ہو کر کمرے میں آتے ہوئے حیدر سے پوچھا۔

یار آج خود دیکھ لینا۔بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔اللہ نے بہت درجات دیے ہیں ان کو۔۔اس نے تعریف کی۔۔

اچھا۔یہ تو سنا ہے میں نے۔۔اسنے پہلے اپنی معلومات کا بتایا۔

یار مجاہد ایسا اثر ہے انکی زبان میں کہ انسان دنگ رہ جائے ۔مولوی ثناء اللہ بھی ہیں ۔مولوی بلال اور قاری صلاح الدین بھی ہیں لیکن جو چیز انکو اللہ نے دی ہے اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔حیدر بڑے مولانا صاحب سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

تم کچھ زیادہ ہی تعریف نہیں کر رہے ہو؟؟؟ مجاہد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

نہیں یار اس مدرسے کا ہر طالب بڑے مولانا صاحب سے ایسا ہی متاثر ہے ۔دیکھنا آج تم ملو گے تو تم بھی تعریف ہی کرو گے۔

چلو دیکھتے ہیں۔اللہ خیر کرے۔۔ویسے جتنی تعریف سنی ہے اب تو ان کی شخصیت سے ڈر لگنے لگا ہے۔اس نے سرگوشی کی۔

نہیں یار ڈرنے کی ضرورت نہیں ہیں ۔وہ تو طلباء کے ساتھ باپ سے بڑھ کر شفیق ہیں ۔تم ابھی ڈر رہے ہو لیکن ان سے ملو گے تو تم بھی انکے سحر میں گرفتار ہو جاؤ گے۔یہ دعویٰ امیر حمزہ نے کیا۔صاف پتا چل رہا تھا کہ یہاں پر مولانا عبدالرحمان کا کیسا اثر تھا۔

گزرے سات دنوں میں مجاہد اللہ کی سیف اللہ ،امیر حمزہ ،عمر فاروق اور علی حیدر کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی ۔اس میں زیادہ دخل انکی بے تکلف طبیعت کا تھا اور ان میں سے بھی خاص طور پر علی حیدر اور سیف اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ گاڑھی چھننے لگی تھی۔اس کی وجہ ان دونوں کا اسکا بے حد خیال رکھنا تھا۔

اب ناشتہ کر کے وہ دس بجنے کا انتظار کر رہے تھے ۔وہ سب کمرے میں بیٹھے اس وقت بڑے مولانا صاحب کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔

چلو سب اٹھ جاؤ۔وضو کرو اور پھر چلنے کی تیاری کرو۔ساڑھے نو بجے تو عمر نے محفل برخاست کرنے کا کہہ دیا ۔وہ سب اٹھ کر وضو کرنے چلے گئے تا کہ دس بجے سے پہلے پہنچ جائیں۔

دس بجنے سے پہلے سارے طلباء راہداری میں جمع ہو گئے ۔آج مجاہد اللہ کا پہلا درس تھا۔اور مولانا عبدالرحمان کے بارے میں وہ اتنا کچھ سن چکا تھا کہ وہ تھوڑا نروس تھا۔اس نے سنا تھا کہ ہر نئے آنے والے طالب کا ان سے تعارف کرایا جاتا ہے۔سو آج مجاہد اللہ کا تعارف ہونا تھا بڑے مولانا سے۔۔

پورے دس بجے مولانا صاحب مولانا ثناء اللہ اور باقی دونوں کے ساتھ راہداری کے دروازے سے اندر داخل ہوئے ۔۔مجاہد اللہ تو انکو دیکھتا ہی رہ گیا۔ایسی بارعب شخصیت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ۔ان کے چہرے سے نور ٹپک رہا تھا ۔ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں تسبیح تھام رکھی تھی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سارے طلباء کے سامنے آئے جو انکے احترام میں کھڑے ہو گئے ۔تھے انہوں نے سب

کوسلام کیااور جواب پا کرسر کے اشارے سے سب کو بیٹھنے کا کہااور خود بھی تکیوں کا سہارہ لے کر بیٹھ گئے ۔ مولوی ثناءاللہ اور باقی دونوں ان کے پیچھے بیٹھ گئے ۔۔۔۔۔

کیسے ہو بچوں؟؟؟؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے بھاری لیکن بے حد نرم آواز میں پوچھا۔سب نے ایک ساتھ با آواز بلند انہیں خوشی سے جواب دیا۔

مولانا صاحب نے مڑ کر مولوی ثناءاللہ کی طرف دیکھا اور کچھ پوچھا اور پھر جواب پا کر پھر مڑے اور ہاتھ کے اشارے سے مجاہد کو اپنے پاس بلایا۔اس نے سنا تو تھا کہ مولانا صاحب ہر نئے آنے والے سے ملتے ہیں لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسطرح سب کے سامنے اسے اپنے پاس بلالیں گے۔وہ ڈرتے ڈرتے اٹھا اور بلکل لڑکھڑاتے قدموں سے انکے پاس گیا۔

بیٹھ جاؤ بیٹا۔انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

وہ خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا۔انکی نظریں زمین پر تھی۔مولانا صاحب کے پروقار چہرے کی طرف نظر اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی انکی۔

نام کیا ہے بیٹا؟؟؟؟؟

مجاہد اللہ۔۔

ماشاءاللہ۔۔۔بہت اچھا نام ہے۔اللہ تمہیں اپنے نام کی لاج رکھنے کی ہمت دے۔انہوں نے اسکے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔

آپ یہاں خوش ہو بیٹا؟؟؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟؟؟؟انہوں نے اسی پرشفقت لہجے میں پوچھا۔

جی مولانا صاحب میں بہت خوش ہوں کوئی تکلیف نہیں ہے یہاں پہ۔۔

ٹھیک ہے بچے۔اگر کوئی مسئلہ ہو تو اپنے قاری صاحب کو بولا کرو اور اگر وہ بھی نہیں تو مجھے بولا کرو۔ٹھیک ہے نا؟؟؟؟

جی ٹھیک ہے۔اور اٹھ کر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔وہ انکی عاجزی اور ملنساری سے بہت متاثر ہو رہا تھا۔

مجاہد اللہ نے مولانا صاحب کے بارے میں جو سنا تھا انکو اس سے بڑھ کر پایا۔انکی شخصیت بیک وقت کئی اطراف سے انسان کو اپنے حصار میں لینے والی تھی۔رعب اتنا تھا کہ نظر اٹھانا مشکل تھا انکی طرف۔جبکہ چہرے پر وہ نور تھا کہ نظر ایک بار پڑ جاتی تو دوبارہ پلٹنا مشکل ہو جاتا۔آواز میں وہ بھاری پن کہ بولتے تو لگتا کہ جیسے بادل گڑگڑا رہے ہیں اور لہجے میں وہ نرمی کہ جیسے منہ سے پھول جھڑنے کو

ہیں ۔وہ باقی سب کی طرح مجاہد اللہ کو بھی اپنے حصار میں جکڑ چکے تھے ۔وہ کسی معمول کی طرح انکے سامنے سے اٹھ کر اپنی جگہ پر واپس آ کر بیٹھ گیا۔

دیکھو بچے! ہم انسانوں کی حقیقت کیا ہے؟؟؟ ہم انسان جو اتنا تکبر کرتے ہیں وہ صرف اس لیے کہ ہمیں لگتا ہے کہ اگر ہم نہیں رہیں گے تو اس دنیا کا نظام نہیں چل پائے گا ۔جبکہ ایسا بلکل بھی نہیں ہے ۔اس کائنات میں ہم انسان ایک وجود سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ۔وجود کا مطلب سمجھتے ہو نا؟؟؟ یہ جو سامنے دروازہ ہے ۔یہ جو میرے ہاتھ میں عصا ہے یا یہ جو تکیہ ہے جس پر میں نے ٹیک لگا رکھی ہے یہ سب اپنے اندر ایک وجود رکھتے ہیں لیکن یہ اپنے آپ میں کوئی ذات نہیں ہیں ۔ہم بھی اپنے اندر وجود تو رکھتے ہیں لیکن ذات نہیں ہیں ۔ذات صرف ایک ہے جو اللہ کی ہے ۔وہ مکمل ہے ۔اس نے کن کہا کائنات بن گئی ۔وہ کن کہہ دے گا کائنات تباہ ہو جائے گی ۔وہ پھر کن کہہ دے گا تو اس جیسی کئی اور کائناتیں تخلیق ہو جائیں گی ۔وہ تھا، وہ ہے اور وہ رہے گا ۔ہم نہیں تھے، اب ہیں اور نہیں رہیں گے ۔کیونکہ ہم وجود ہیں ذات نہیں ۔ذات تو لا فانی ہی ۔

وہ کچھ دیر کیلیے رکے اور طلباء کی طرف نظر کی ۔سب انکے لہجے اور الفاظ کے سحر میں کھو چکے تھے ۔ انھوں نے تھوڑا توقف کیا اور پھر بولنا شروع کیا۔

بچے اللہ کو ہم انسانوں سے صرف عبادت نہیں چاہیے ۔اگر اللہ کو صرف اپنے سامنے ایک جھکنے والی مخلوق کی ضرورت ہوتی تو انسانوں کو پیدا کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی ۔سجدے کرنے کے لیے فرشتے کافی تھے جو ایک سجدا اتنا کرتے ہیں جو ہزاروں سالوں پر محیط ہوتا ہے ۔یا پھر وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے سامنے ان پودوں پیڑوں پہاڑوں مٹی ریت اور پتھروں کو جھکا دے ۔پھر انسان کو کیوں پیدا کیا؟؟؟؟ اور اسے اشرف المخلوقات کیوں بنایا ۔صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان سے اللہ تعالیٰ کو سجدے اور عبادات کے علاوہ بھی کچھ چاہیے ۔مطلب اس کی پیدائش کا کچھ ایسا مقصد ہے جو اسکے سامنے جھکنے سے آگے ہے ۔

انہوں نے ایک بار پھر وقفہ لیا ۔وہ ایسے ٹہر ٹہر کر بول رہے تھے کہ انکے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ سننے والے کے دل اور دماغ پر اثر کر رہا تھا ۔مجاہد پہلی ہی ملاقات میں سمجھ گیا کہ انہیں کسی بھی انسان کو سمجھانا بہت اچھی طرح آتا ہے ۔اور وہ کسی بھی انسان کو اپنے سحر میں جکڑ سکتے ہیں ۔

اب دیکھو نا بچے ۔ہم نے اسلام کو صرف عبادات کا مجموعہ سمجھ لیا ہے ۔لیکن ایسا بلکل نہیں ہے ۔ پہلے عرض کر چکا کہ اگر صرف عبادت ہی انسان کی پیدائش کا مقصد ہوتا تو انسان کی پیدائش تو خود ایک سوالیہ نشان ہے ۔لیکن انسان کی پیدائش اور اسے صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی سمجھ بوجھ دینا اس بات کی دلیل

ہے کہ اللہ نے اس دنیا میں اس کے لیے کچھ غلط اور کچھ صحیح رکھا ہے۔ اب جب اللہ نے اسے یہ عقل بھی دی ہے کہ وہ فرق بھی کرسکے تو اگر وہ پھر بھی صحیح کو نہیں چنتا تو اسے سزا ملنا بھی ضروری کر دیا ہے۔

اللہ کے سامنے تو ہر مذہب کے پیروکار جھکتے ہیں۔ چاہے وہ بھگوان کی صورت میں ہوں یا اللہ کی صورت میں۔ مسجد جانے والا بھی اللہ کے سامنے جھکتا ہے، مندر جانے والا بھی ایک بھگوان کی پوجا کرتا ہے گرجا جانے والا بھی اسی ایک خدا کے سامنے جھکتا ہے۔ پھر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اگر اللہ کے سامنے ہی سب جھکتے ہیں تو اتنے سارے مذاہب کی کیا ضرورت تھی۔ پھر تو بس ایک مذہب ہونا چاہیے تھا جس میں سب اللہ کی عبادت کریں۔ ایسا ہی ہے نا بچوں؟؟؟؟؟؟

انھوں نے طلبا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جی مولانا صاحب۔۔ سب نے ایک آواز کہا۔

تو جو ہمارا مذہب ہے وہ اللہ کا پسندیدہ ترین مذہب ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ باقی مذاہب نعوذباللہ غلط ہیں یا جھوٹ پر مبنی ہیں۔ وہ بھی اپنے زمانے میں ٹھیک تھے جب وہ نازل ہوئے تھے لیکن بعد میں آنے والے پیروکاروں نے انہیں اصلی حالت میں رہنے ہی نہیں دیا سو آخر میں اسلام کو بھیج کران باقی مذاہب کو منسوخ کرنا پڑا۔ اب جو بھی اس مذہب کا پیروکار ہے وہ غلط ہے۔ کیوں کہ اسے خود بھی نہیں پتا کہ جو اس کا مذہب ہے وہ اصل حالت میں کیسا تھا۔ ایک صرف اسلام ہے جو آج بھی اپنی اصلی حالت میں ہے۔

تو بچوں آج ہم نے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ انسان کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ کی عبادت کرنا نہیں ہے۔ اب اس کی پیدائش کے ممکنہ مقصد پر اگلے ہفتے کے درس میں بات کرینگے۔ اور اگر وقت بچا تو کسی اور موضوع پر بھی بات ہوگی۔ السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ حافظ۔ اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ سارے طلباء بھی اٹھ کر اپنے کمروں میں واپس آگئے۔

ظفر کے ابا! رحمت کو میں سمجھا لونگی۔ وہ آئندہ ایسا کچھ بھی نہیں کرے گا بس اسے مدرسے مت بھیجو۔ جمیلہ التجائی لہجے میں فضل سے کہہ رہی تھی۔

نہیں جمیلہ۔ اب رحمت مجھ سے سنبھالا نہیں جاتا، مدرسے چلا جائے گا تو شاید کچھ زندگی کو دیکھ لے گا۔

لیکن وہ بچہ ہے فضل ۔۔۔ وہ چھوٹا ہے ابھی۔ کچھ سال مزید گزر جائیں تو پھر بھیج دیجئے لیکن ابھی میرا دل نہیں مان رہا۔

وہ اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے جمیلہ ۔اپنے آپ کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہے اور بس یہی آخری وقت ہے ہمارے پاس جس میں وہ سدھر سکتا ہے اور پھر یہ وقت بھی گزر گیا تو ہاتھ ملتے رہنگے پھر۔۔وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

وہ سدھر جائے گا فضل ۔وہ اپنی بات پر اڑی تھی ,ماں تھی ۔۔کیسے سمجھتی۔

وہ کبھی نہیں سدھرے گا جمیلہ اگر یہاں رہا تو ۔گھر سے باہر جا کر شاید سدھر جائے۔

وہ سارے اس وقت صحن میں نیم کے درخت کے نیچے دو چارپائیوں پر ہی بیٹھے ہوئے تھے ۔ مغرب کی نماز پڑھ کر وہ لوگ گھر واپس آ گئے رحمت ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔وہ اس دن کی مار کھانے کے بعد اتنے دنوں بعد آج نماز پڑھنے مسجد گیا تھا۔جب سے فضل نے اعلان کیا تھا کہ وہ رحمت کو مدرسے بھیج رہا ہے جمیلہ کو کسی پل قرار نہیں مل رہا تھا لیکن اس دن کے بعد اسکی ہمت نہیں ہوئی تھی فضل سے اس موضوع پر بات کرنے کی ۔اسکے غصے سے واقف تھی وہ اور یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ابھی تک غصے میں ہے لیکن آج اتنے دن بعد اسکا موڈ تھوڑا سا بہتر دیکھ کر اس نے بات کرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ظفر تو کمرے میں سو گیا تھا۔اماں مسجد سے سیدھا گھر کا سودا لانے دکان گیا تھا۔نیم کے درخت کے نیچے ایک چارپائی پر فضل اور اصغر اور دوسری پر وحید جمیلہ اور زینت بیٹھے تھے۔

جمیلہ کوشش کر رہی تھی فضل کو سمجھانے کی ۔اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ تو کوئی بات سمجھنا ہی نہیں چاہتا ۔اسلیے اس نے خاموش ہونا ہی بہتر سمجھا۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی رحمت بھی گھر آ گیا اور آ کر سیدھا جمیلہ لوگوں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔۔جمیلہ کے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا تو وہ فوراً بولی۔۔

رحمتے تیرا ابا تجھے مدرسے بھیجنا چاہتا ہے ۔جو تو نے کیا ہے اس پر وہ بہت ناراض ہیں تجھ سے۔میں تیرے ابا سے کہہ رہی ہوں کہ تو اب کے بعد ایسا کچھ بھی نہیں کرے گا ۔وہ تجھے مدرسے نہ بھیجیں۔۔

رحمت نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ اسکی طرف بہت پر امید نظروں سے دیکھ رہی تھی۔وہ کچھ بھی نہیں بولا۔

بول نہ بیٹا۔کہ تو آئندہ اپنے ابا کو تکلیف نہیں دے گا۔۔

وہ پھر بھی خاموش رہا۔اسکی نظریں زمین پر تھی ۔۔

جمیلہ کو لگا جیسے اسے سنائی نہیں دے رہا۔اس نے جھنجھوڑا۔

بول نا رحمتے کہ تجھے مدرسے نہیں جانا اپنے گھر اور اماں کو چھوڑ کر۔

اماں میں خود جانا چاہتا ہوں ۔میں یہاں حفظ پڑھ چکا ہوں اور اب آگے میں قاری صاحب کے

پاس نہیں پڑھنا چاہتا۔میں مدرسے جا کر پڑھنا چاہتا ہوں اب۔ابا آپ کسی مدرسے میں بات کر لیں۔۔۔۔وہ ایک ہی سانس میں بولا۔

جمیلہ کا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا۔وہ ہونقوں کی طرح اسکا منہ دیکھتی رہی۔وہ خود جانا چاہتا ہے؟؟؟؟؟لیکن کیوں؟؟؟

وہ اپنی بات ختم کر کے وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔اور جمیلہ کے دماغ میں یہی ایک جملہ گردش کرتا رہا۔

میں خود جانا چاہتا ہوں اماں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے نظر اٹھا کر فضل کی طرف دیکھا۔وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اسکے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔جمیلہ کو ایسے لگا جیسے وہ اس کا تمسخر اڑا رہا ہو۔۔وہ اس سے پوچھ رہا ہو کہ۔۔۔۔

اب بولو جمیلہ بی بی۔میں نہ کہتا تھا کہ وہ کبھی نہیں سدھرے گا۔کیا اب بھی کہو گی کہ وہ سدھر جائے گا۔کیا اب بھی واسطے دے کر روکو گی جب کہ تیرے واسطے کو وہ ٹھکرا چکا ہے۔۔۔؟؟؟؟

اور اس نے سر جھکا لیا۔۔۔۔۔۔

رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے اور وہ آٹھ بجے کے ڈرامے اور پھر گھر کا چھوٹا موٹا کام اور تھوڑی سی پڑھائی کر کے ابھی لیٹ ہی گئی تھی۔صبح اسے یونیورسٹی بھی جانا تھا سو وہ جلدی لیٹی تھی۔اس کے فون نے ایک چھوٹی سی بپ دی۔اس نے لیٹے لیٹے ہی اٹھا کر دیکھا تو سکرین پر صارم کا نمبر اسکے نام سمیت دیکھ کر پہلے تو ایک حیرانی کا جھٹکا لگا اسے اور اس سے سنبھل کر اس نے پیغام کھولا تو پانچ چھ الفاظ کا یہ چھوٹا سا میسج بذاتِ خود ایک حیرانی تھی۔صارم نے ایسے کبھی میسج نہیں کیا تھا۔

وہ اٹھی اور جا کر دروازہ جس کی کنڈی جو ابھی تھوڑی دیر پہلے امی لگا کر لیٹ گئی تھیں کھولی۔ نیچے کوئی نہیں تھا۔شاید وہ آ کر چلا گیا تھا۔اس نے سیڑھیوں میں نیچے تک جھانکا لیکن مایوسی ہی ہوئی۔سیڑھیوں میں کوئی نہیں تھا۔وہ دروازہ بند کرنے ہی لگی تھی کہ دفعتاً اسکی نگاہ باہر کی طرف کھلنے والی کنڈی پر پڑی۔

روزانہ جیسا ایک خوبصورت ادھ کھلا گلاب اس میں اٹکا ہوا تھا اور دروازے کی کنڈی کے اوپر ایک چھوٹا سا کاغذ بھی پڑا تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے دونوں چیزیں اٹھائی اور دروازے کی کنڈی دوبارہ چڑھا دی۔اور لاؤنج میں آ گئی۔

رات کے اس پہر تمہیں بلا کر پھول دیتا تو تایا جان کو اچھا نہ لگتا۔اور انہیں ناراض نہیں کر سکتا نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ تم سے ناراض ہو۔بس یہ یقین رکھو کہ آج یہ پھول میں نے خود وہاں سجایا ہے اس امید کے ساتھ کہ تمہیں برا نہیں لگے گا۔۔بس میں انتظار کر رہا ہوں مزید ڈیڑھ مہینہ گزرنے کا جب میں تمہیں امی کے ہاتھ سے یا دروازے میں سجا کر پھول نہیں دونگا۔اور تب میں تمہیں ڈھیر سارے پھول دیا کرونگا ایک نہیں۔۔

صارم

لاؤنج میں کھڑے ہو کر اسنے وہ چند سطری خط تین بار پڑھا۔اور مسکراہٹ اسکے چہرے پر پھیل گئی۔عجیب انسان تھا وہ۔ ہمیشہ حیران ہی کرتا رہتا تھا۔ اور وہ اسے بلکل بھی سمجھ نہیں پاتی تھی۔۔کاغذ لپیٹ کر وہ اپنے اور ملیحہ کے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔ملیحہ نے اسکے ہاتھ میں پھول دیکھا تو ایک معنی خیز مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر بستر میں منہ چھپا لیا۔وجیہہ نے پھول اپنے تکیے کے پاس رکھا اور خط اپنے پرس میں ڈال کر سونے کیلئے لیٹ گئی۔

ان دونوں کی منگنی کے وقت بڑوں کا فیصلہ تھا کہ شادی دو مہینے بعد جنوری کے پہلے ہفتے میں کی جائے۔اس وقت تک وجیہہ بھی امتحانات سے فارغ ہو جائے گی اور صارم کی چھٹی کی درخواست بھی منظور ہو جائے گی۔اور آج انکی منگنی کو سولہ دن ہو گئے تھے یعنی کہ پورا ڈیڑھ مہینہ رہتا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ شدت سے یہ ڈیڑھ مہینہ گزرنے کا انتظار کر رہا ہے۔۔

مجاہد اللہ کو مدرسے میں آئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔فجر کی نماز پڑھ کر ابھی بھی وہ تھوڑی سیر کرتا تھا۔لیکن اب اسکے ساتھ حیدر بھی ہوتا تھا۔اس ایک مہینے میں اس نے بھی اپنا معمول بنا لیا تھا کہ وہ بھی فجر کے بعد اسکے ساتھ سیر کر لیتا۔لیکن اب فرق یہ آیا تھا کہ وہ لوگ مدرسے میں نہیں کرتے تھے بلکہ مدرسے سے نکل کر پاس والی بستی کی گلیوں میں پھرتے رہتے تھے۔یا پھر بستی کے باہر خالی میدانوں میں۔۔۔

اس علاقے میں آبادی ویسے بھی کم ہی ہے۔کہیں کہیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر کچھ گھر دکھائی دیتے ہیں اور وہ گھر بڑے تو ہوتے ہیں لیکن اکثر اوقات کچے ہوتے ہیں۔ مکین بھی سادہ ہی ہوتے ہیں۔

وہ دونوں کافی دیر خالی میدان یا پھر بستی کے گلیوں میں گھوم پھر کر واپس آ جاتے۔باتیں کرتے اور مقررہ وقت سے پہلے مدرسے واپس آ کر ناشتہ کرتے اور سبق پڑھنے چلے جاتے۔۔۔

زندگی کے گزرے اٹھارہ سالوں میں اس نے قرآن حفظ کر لیا تھا اور ساتھ میں ترجمہ اور تفسیر بھی پڑھ لی تھی۔اب وہ اس مدرسے میں صرف اپنے علم کی پیاس بجھانے آیا تھا،وہ یہاں آٹھ سال کیلیے آیا تھا۔

مجاہد میں تمہیں ایک بات بتاؤں؟؟؟؟؟؟؟؟خالی میدان کے چکر کاٹتے ہوئے حیدر مجاہد سے مخاطب ہوا۔۔

ہاں بتاؤنا۔کس بارے میں۔۔

اپنے بارے میں۔

پھر تو ضرور بتاؤ اور فوراً بتاؤ۔۔وہ خوشدلی سے بولا۔

میں بہت تیز بھاگتا ہوں۔۔۔وہ شرارت سے بولا۔۔

ہاہاہا۔۔۔ہاں وہ تو تمھارے چلنے سے ہی پتا چلتا ہے۔میں ایک قدم لیتا ہوں تو تم تین لے چکے ہوتے ہو۔وہ ابھی بھی اس سے آگے چل رہا تھا۔۔کھسیانہ ہو کر آہستہ ہو گیا۔۔

ارے جناب چلتے رہیں۔۔وہ اسے چیڑتے ہوئے بولا

نہیں مجاہد سچ میں۔جب میں اپنے بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دوڑتا تھا تو میں ان سب سے آگے نکلتا تھا۔

جیسے آج کل مجھ سے آگے نکل جاتے ہو۔۔وہ ایک بار پھر اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

ارے نہیں یار تم بہت آہستہ چلتے ہو اس لیے میں آگے نکل جاتا ہوں۔۔وہ وضاحت کر رہا تھا

میں جب سکول جاتا تھا تو تب یہ سارے بھاگ دوڑ کرتے تھے ہم۔اسکے بعد تو آج تک ایک بار بھی دوڑ نہیں لگائی۔

تم سکول جاتے تھے حیدر؟؟؟؟؟وہ حیران ہوا۔

ہاں یار میں سکول جاتا تھا۔۔آٹھویں جماعت تک پڑھا ہے میں نے۔اسکے بعد دل نہیں کیا تو نہیں گیا۔۔وہ مسکراتے ہوئے بولا۔مجاہد نے اسکی طرف دیکھا۔حیدر کے چہرے پر اداسی کے نشانات تھا۔۔

کیا ہوا تمھیں سکول یاد آ رہا ہے کیا؟؟؟؟؟؟

نہیں یار سکول یاد نہیں آ رہا بلکہ اپنے بچپن کے وہ دوست یاد آ رہے ہیں جن کے ساتھ دوڑ لگایا کرتا تھا۔وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔۔پھر اچانک ہی مڑ کر اس نے پوچھا۔۔

مجاہد تم سکول جاتے تھے۔؟؟؟؟؟

نہیں یار میں کبھی سکول نہیں گیا۔

کیوں؟؟؟؟؟؟ وہ حیران ہوا اس بات پر کہ وہ کبھی بھی سکول نہیں گیا تھا۔

بس ویسے ہی۔میرا دل نہیں کرتا تھا، مجھے سکول پسند نہیں تھا۔۔وہ مسکراتے ہوئے بولا۔۔

اچھا اچھا سہی ہے۔۔میرا بھی یہی حال تھا۔۔۔وہ ہنستے ہوئے بولا۔۔

اچھا چلو جلدی کرو۔اب واپس چلتے ہیں۔۔ناشتہ بھی کرنا ہے۔۔

ہاں چلو۔۔اور وہ دونوں واپس مڑ آئے۔

مجاہد اللہ سیف اللہ علی حیدر امیر حمزہ اور عمر فاروق کو قاری ثناء اللہ الگ سے پڑھاتے تھے۔یہ پانچوں مہینے ڈیڑھ کے فرق سے اوپر تلے ہی اس مدرسے میں آئے تھے اور جو پہلے سے اس مدرسے میں موجود تھے وہ الگ سے انہیں پڑھاتے تھے۔اگر کبھی انکی طبیعت ناساز ہوتی یا پھر وہ کہیں مصروف ہوتے تو مولوی بلال یا مولوی صلاح الدین میں سے کوئی انہیں پڑھا لیتا۔عمریں بھی ان سب کی اوپر تلے بیس سال کے قریب ہی تھی۔۔

ناشتہ کر کے وہ پانچوں مدرسے آئے تو مولوی صاحب کو اپنا انتظار کرتے پایا۔۔وہ بیٹھ گئے تو مولوی صاحب نے درس شروع کیا۔

بچے حضرت ابوہریرہ رض ہمارے پیغمبر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔دو درجوں کے درمیاں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے بیچ میں ہے۔

بچے جہاد اسلام کا رکن نہ سہی لیکن بنیادی ارکان کے بعد سب سے ضروری فرض ہے اور پھر آجکل کے حالات میں تو ہم سب پر جہاد فرض ہے۔۔میں تیر اور تلوار سے جہاد کی بات نہیں کر رہا بلکہ سب سے پہلے اپنے نفس سے جہاد کی بات کر رہا ہوں۔۔

اب دیکھو جب لفظ جہاد کا مطلب مشقت کرنا ہے تو جہاد بالنفس کا مطلب ہوا کہ نفس کے ساتھ مشقت کرنا۔زندگی میں جو کام انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے وہ مشقت نہیں کہلاتا۔مشقت تو دراصل وہ کام کہلاتا ہے جو انسان اپنی مرضی کے خلاف کرتا ہے۔جو وہ کرنا نہیں چاہتا اور اسے بادل ناخواستہ کرنا پڑھ جائے تو وہ مشقت کہلاتا ہے۔جیسا کہ بیٹا اگر میں تمھیں کہوں کہ اس مدرسے کے ایسے ہی بے مقصد دس چکر لگا لو جو کہ تم کبھی نہیں کرنا چاہو گے اور میں تمھیں مجبور کروں تو میں نے تمھیں مشقت میں ڈالا۔

وہ سانس لینے کو رکے اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔

تو نفس کے خلاف مشقت کا مطلب یہ ہے کہ نفس کچھ اور چاہتا ہے اور آپ اسے کسی اور کام

پر مجبور کرو۔اور یہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔سو آپ کا کوئی دشمن آپ کا بھلا تو نہیں سوچ سکتا نا۔بلکل اسی طرح نفس ہمیشہ غلط کام کی طرف راغب کرتا ہے۔نفس کو تو شیطان سے تشبیہہ دی گئی ہے تو پھر شیطان بھی کسی کے ساتھ اچھا کر سکتا ہے بھلا؟؟؟

تو یہ کہ نفس ہمیشہ برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔اسکی مثال بھی بلکل سامنے ہے۔آپ کسی راستے پر چل رہے ہو اور آپکے سامنے ایک خوبصورت اور نسوانیت سے بھرپور خاتون آتی ہے۔نفس کہتا ہے اتنا حسن سامنے ہے۔جی بھر کر دیکھ لو۔اب نہیں دیکھا تو پھر شاید کبھی دیکھ نہیں پاؤ گے۔اللہ فرماتا ہے کہ نامحرم ہے،غلطی کی ایک نظر معاف ہے لیکن دوسری نظر حرام ہے۔۔پھر نفس کہتا ہے ارے بھائی دیکھ لو ساری دنیا دیکھ رہی ہے تم دیکھ لو گے تو کیا ہو جائے گا۔اللہ کہتا ہے کہ ساری دنیا اگر دیکھ رہی ہے تم تب بھی مت دیکھو۔پھر نفس کہتا ہے کہ دیکھ لو تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا تمہارا کوئی قصور نہیں ہے قصور تو اس خاتون کا ہے جو اس حالت میں سامنے آئی ہے۔۔تم گنہگار نہیں ہو بلکہ گنہگار تو وہ ہے جو دعوت گناہ دے رہی ہے۔اللہ کہتا ہے کہ اس کا گناہ تو الگ ہے۔اسکی سزا تو میں اسے دونگا لیکن تم دیکھ کر گناہ مت کرو۔لیکن پھر نفس کہتا ہے کہ اے نادان انسان آج کل کے معاشرے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں دیکھ لے۔نہیں دیکھے گا تو اپنے ساتھ زیادتی کرے گا۔اتنے حسن کو نظر بھر کر نہیں دیکھو گے تو اپنے ساتھ بہت ظلم کرو گے۔پیچھے مڑ جاؤ اور دیکھ لو۔دیکھ لو ساری دنیا دیکھ رہی ہے اگر تم دیکھ لو گے تو کونسی قیامت آجائے گی اور جب وہ خود اسی حالت میں نکلی ہے تو تمہارا کیا قصور؟؟؟؟ اور ہم اگر گردن موڑ کر دیکھ لیں تو سمجھ جاؤ کہ ادھر ہی نفس جیت گیا اور ہمارا ایمان ہار گیا۔

اب نفس کے خلاف مشقت یعنی جہاد کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کے لیے نفس راغب کر رہا ہے اس سے بچو۔جیسا کہ میں نے بتایا کہ نفس کہتا ہے کہ دیکھ لو اور اللہ کہتا ہے کہ مت دیکھو۔اور آپ نے اللہ کے حکم کو مقدم مان کر نفس پر جبر کیا اور نہیں دیکھا تو آپ نے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

اللہ کہتا ہے بے حیائی کی طرف مت جاؤ نفس کہتا ہے اے بے وقوف انسان یہ زندگی بس چار دن کی ہے۔خود کو خوش کرنا تمہارا حق ہے۔اس چھوٹی سی زندگی میں بھی اگر خوشیاں نہیں ڈھونڈ سکے تو تم نے زندگی میں کیا ہی کیا۔اپنے لیے خود خوشیاں ڈھونڈو۔اور ہم بے حیائی کی چادر اوڑھ کر خود کو خوش کرتے ہیں۔نفس ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہمیں اللہ کی ماننے سے باز رکھتا ہے اور ہم غلاموں کی طرح اسکے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے چلے جاتے ہیں۔اور جو بندہ اللہ کی سنے گا اسکی مانے گا اسکی راہ پر چلے گا،نفس کی حکم عدولی کرے گا تو اس نے واقعی جہاد کیا۔

اچھا تو بچے میں آپ لوگوں کو جہاد کی قسمیں نہیں بتاؤنگا کیوں کہ وہ سب آپ پہلے سے جانتے

ہیں ۔۔ جہاد کی قسموں میں فرق نہیں آیا۔قسمیں آج بھی وہی ہے فرق آیا ہے تو طریقوں میں ۔کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جس طرح جہاد ہوتی تھی آج اس کے طریقے مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں ۔ پہلے تلوار سے ہوتی تھی اب بندوق اور بم سے ہوتی ہے ۔ پہلے مقابلے پر آئے ہوئے کافروں سے ہوتی تھی آج اپنی صفوں میں چھپے ہوئے کافرنماؤں سے نمٹنا سب سے پہلے ہوتا ہے لیکن پہلے بھی اسلام کی سر بلندی کیلیے ہوتا تھا اور آج بھی جہاد کا مقصد یہی ہے چاہے دنیا کے جس کونے میں بھی ہو رہی ہے مقصد اسلام کا نظام رائج کرنا ہی ہوتا ہے ۔ہم مانتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا طریقہ ٹھیک نہیں ہے لیکن مقصد ان کا بھی شفاف ہے ۔وہ بھی اسلام کا علم بلند کرنا ہی چاہتے ہیں۔

آج صبح سے ہی اس گھر میں شور تھا۔رحمت اللہ آج مدرسے جا رہا تھا ۔وہ خوش تھا اور سوئے اسکے سب ہی رنجیدہ تھے ۔جمیلہ تو پچھلے پانچ دنوں سے باقاعدہ آنسو بہا رہی تھی ۔اسے تو رحمت اللہ کے دور جانے کے خیال سے ہی ہول اٹھ رہے تھے ۔ظفر اور امان تو ناشتہ کر کے رحمتے کو پیار کر کے کام پر چلے گئے کہ یہ گھر کام سے ناغہ کرنے کا روادار نہیں تھا ۔ اور وحیدا اور اصغرا سکے جانے کے وقت تک کام سے دیر کر رہے تھے ۔مدرسہ ان کے گاؤں میں نہیں تھا ۔قریب کے گاؤں میں بھی نہیں تھا ۔ویسے تو اگلے گاؤں میں بھی مدرسہ تھا لیکن فضل اللہ نے پوچھ تاچھ کر کے پتا کروایا اور اپنی تسلی کرنے کے بعد ہی اسے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وہ مدرسے جا کر اساتذہ سے ملا ۔وہاں پڑھنے والے طلباء سے ملا ۔اور اچھی طرح مطمئن ہو کر ہی اسے بھیجنے کا ارادہ کیا۔ ۔مدرسے جا کر اور وہاں کے طالبعلموں کو دیکھ کر تو اسے لگا کہ یہی ایک واحد جگہ ہے جہاں رحمت اللہ کی اصلاح اور بہترین تعلیم و تربیت ممکن ہے ۔ وہ وہاں سے بہت مطمئن ہو کر واپس آیا ۔

اس تمام عرصے میں جمیلہ کوشش کرتی رہی کہ فضل اللہ کسی طرح رحمت کو نہ بھیجنے پر راضی ہو جائے اور اندر ہی اندر وہ رحمت کو بھی سمجھانے اور نہ جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے پر راضی نہیں تھا اور اس کوشش میں وہ اکیلی نہیں تھی ۔اصغرا اور ظفر بھی اسکے ساتھ تھے ۔۔اور یہ کوششیں گھر کے اندر تھی ۔گھر سے باہر قاری صاحب اپنی بھر پور کوشش کر رہے تھے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اپنی بات سے ہٹ جائے ۔لیکن باقی سب کی طرح انکی کوششیں بھی بیکار گئی اور آج وہ ان سب کی کوششوں کے باوجود جا رہا تھا۔

آج وہ خلاف معمول فجر کی نماز کے بعد نہیں سویا تھا ۔وہ خوش تھا یا اداس ۔اس بات کا تو اسے خود بھی نہیں پتا تھا لیکن اسے لیٹ کر بھی نیند نہیں آئی ۔تو وہ اٹھ کر باورچی خانے میں آ گیا۔ زینت آگ کے

پاس بیٹھی چائے بنا رہی تھی اور جمیلہ اسکے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی ۔ اسے دیکھ کر جمیلہ کی آنکھیں پھر برسنے پر تیار ہوئیں جسے اس نے بڑی بے رحمی سے مسل کر صاف کرلیا ۔ وہ لکڑی کے چوکے پر اسکے پاس ہی بیٹھ گیا ۔ شدید سردی کیوجہ سے فضل اور باقی بچے مسجد سے آکر اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے ۔ پہلا پراٹھا بنا تو جمیلہ نے چنگیر میں رکھ کر چنگیر اسکے سامنے کر دیا ۔ اور چائے کی پیالی بھی بھر کر اس کے ہاتھ میں تھما دی ۔ لیکن وہ خاموش تھی شاید ناراض تھی ۔۔

اماں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے آہستہ سے آواز دی ۔

ہم ۔۔۔مختصر جواب آیا ۔

اماں ناراض ہو؟؟؟؟؟؟ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا

وہ چپ رہی ۔ کوئی جواب نہیں دیا ۔

اماں ابا بھی تو نہیں مان رہے نا ۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں چلا جاؤں ۔ اس نے وضاحت پیش کی ۔

تو تو کون سا چاہتا ہے میرے پاس رہنا؟؟؟ وہ اس دن والی بات ابھی تک بھولی نہیں تھی ۔

اماں آپ نے بھی کہا ۔ قاری صاحب نے بھی کہا لیکن ابا نہیں مان رہے نا ۔

تم بھی تو اپنی اماں کے پاس رہنا نہیں چاہتے نا تو جاؤ جہاں خوش ہو وہاں رہو ۔ وہ بہت اداس تھی ۔

اماں میں تو تیرے پاس ہی رہنا چاہتا ہوں ۔

رحمتے خاموشی سے ناشتہ کر لے ۔ تو اگر میرے پاس رہنا چاہتا تو یہ ساری حرکتیں ہی نہ کرتا جو تو نے کی ہیں اور پھر اگر کی بھی تو معافی مانگ لیتا لیکن تو تو اس دن باپ کے سامنے بھی دیدے پھاڑ کر کہہ رہا تھا کہ قاری صاحب سے نہیں پڑھنا اور مدرسے جانا ہے ۔ جمیلہ کی آنکھوں میں پھر پانی جھلملایا ۔ ماں تھی نا ۔۔

وہ سر جھکائے بیٹھا رہا اور جمیلہ اپنی آنکھوں کو مسل مسل کر آنسوؤں کو بہنے سے روکتی رہی ۔

چند نوالے اور چائے کی پیالی ختم کر کے وہ باہر نکل آیا ۔ یخ ہوا کے ایک جھونکے سے اسکا انگ انگ ٹھٹھر اٹھا ۔ جلدی سے جا کر وہ اپنے بستر میں گھس گیا ۔ اگرچہ اسے نیند نہیں آرہی تھی لیکن سردی اتنی تھی کہ کوئی بستر سے باہر رہنے کا سوچ نہیں سکتا تھا ۔

ناشتہ تیار ہوا تو فضل اور بچے بھی اٹھ کر باورچی خانے میں آگئے ۔ جمیلہ اور زینت نے سب کو ناشتہ دیا ۔ جمیلہ اب بھی کسی سے کوئی بات نہیں کر رہی تھی ۔ اسکے جانے پر خوش تو کوئی بھی نہیں تھا ۔

خاموشی سے ناشتہ کرنے کے بعد ظفر اور اصغر اسکے پاس آئے ۔ وہ کام پر جا رہے تھے ۔ ظفر تو اس سے کافی بڑا تھا لیکن اصغر اور رحمت کی عمروں میں زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کی دوستی بھی

زیادہ تھی ۔ظفر اسے پیار کر کے کمرے سے نکل گیا اور اصغر تو اسے کافی دیر تک گلے لگا کر پیار کرتا رہا۔

دھوپ نکلی تو اسکے جانے کا وقت آ گیا تھا ۔اسے مدرسے چھوڑ کر فضل کو واپس آ کر دکان پر بھی جانا تھا۔اسکے کچھ پرانے اور دو نئے کپڑوں کے جوڑے جو ظفر کچھ دن پہلے ہی لایا تھا وہ رات کو ہی جمیلہ نے ایک تھیلے میں ڈال دیے تھے۔اسکا سامان بس اتنا ہی تھا۔

چلو ۔۔۔۔وہ کپڑے بدل کر آیا تو فضل اپنی سائیکل نکال چکا تھا۔اماں وحیدا اور زینت نے اسے پیار کر کے خدا حافظ کیا۔جمیلہ اب بھی خاموش تھی ۔ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔وہ اپنی ماں کے گلے لگا تو جانے کتنی دیر سے زبردستی آنکھوں میں روکے جانے والے آنسو ایک برسات کی طرح نکل کر رخساروں پر بہنے لگے ۔اس بار اس نے ان کو روکا بھی نہیں۔

اب چلو جلدی سے دیر ہو رہی ہے ۔فضل اپنی سائیکل باہر نکال چکا تھا دروازے سے جھانک کر وہ بولا۔

اور اسے ماں کے گلے سے ہٹنا پڑا۔

کپڑوں اور جوتوں کا تھیلا فضل پہلے ہی سائیکل پر باندھ چکا تھا۔۔

وہ دونوں سائیکل پر بیٹھ کر تقریباً دو کوس چلے۔وہاں سے رکشے میں بیٹھ کر تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت پر وہ مدرسے پہنچ گئے ۔اسے وہاں داخل کر کے فضل اللہ واپس اپنی دکان پر آ گیا۔

رات کو سب لوگ کھانے کیلیے بیٹھے تو سب نے ایک خلا محسوس کیا۔وہ تیرا سال کا بچہ آج انکے بیچ میں نہیں تھا۔کھانا انتہائی خاموشی سے کھایا گیا۔جمیلہ ایک ایک نوالہ اٹھاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اسکے بیٹے نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں۔کوئی بھی نوالہ اسکے حلق سے آسانی سے نہیں اتر رہا تھا۔اور زبردستی وہ چند نوالے ہی حلق سے اتار سکی۔فضل اللہ جانتا تھا اسکی اداسی کو لیکن کچھ بھی نہیں بول رہا تھا۔کھانا خاموشی سے کھا لیا گیا۔

رحمت اللہ آج پہلی بار اپنے گھر سے باہر اور اپنی چارپائی کے علاوہ کسی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ نیند جیسے اسکی آنکھوں کا راستہ بھول گئی تھی ۔وہ بار بار اپنی آنکھیں بند کر رہا تھا لیکن کچھ دیر بعد خود ہی اندھیرے سے گھبرا کر آنکھیں کھول دیتا ۔لیکن اندھیرا تو تھا بند آنکھوں سے بھی اور کھلی آنکھوں سے بھی۔اسے ماں یاد آ رہی تھی اور ماں کی یاد آتے ہی اسے اپنے گالوں پر نمی محسوس ہوئی۔کتنا روکا تھا اسے جمیلہ نے ۔کتنا روئی تھی وہ کتنا تڑپی تھی۔لیکن کتنی بے حسی سے اس نے کہہ دیا تھا کہ اماں میں جانا چاہتا ہوں۔

آنسوؤں سے پیچھا چھڑانے کیلیے اس نے آنکھیں زور سے بند کر دیں لیکن پھر خود ہی دوبارہ گھبرا

کر کھول دی۔اسنے اندھیرے میں اپنے اردگرد دیکھا تو پانچوں لڑکے آرام سے سو رہے تھے۔وہ سب کے سب اسکے ساتھ ایک ہی کمرے میں تھے۔اس کمرے میں پہلے سے پانچ لڑکے تھے اور اسکے آنے سے تعداد چھ ہو گئی تھی۔

وہ آنکھیں بند کرنے سے ڈر رہا تھا۔مبادا ایک بار پھر وہ اندھیرے سے ڈر جائے۔وہ آنکھیں کھولے لیٹا ہوا تھا نگاہیں چھت پر تھی۔اور جانے کتنی دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی۔دوبارہ آنکھ کسی کی آواز سے کھلی جو اسے فجر کی نماز کے لیے اٹھنے کا کہہ رہا تھا۔

ابو جب میں بڑا ہو جاؤنگا اور میرے پاس پیسے آجائیں گے تو ہم سب بھی حج کرنے جائیں گے

۔

وہ ماں بیٹا آج ایک عزیز کی حج سے واپسی پر مبارکباد دینے اسکے گھر گئے تھے۔اس مبارک جگہ کی باتیں اور تعریفیں سنتے ہوئے شاہدہ یک ٹک اپنی خالہ زاد کو دیکھ رہی تھی۔اسکا بھی دل مچل گیا ایک بار سرورِ کائنات کی چوکھٹ پر سر جھکانے کا۔اسکی آنکھوں میں ایک الوہی جذبہ دکھائی دے رہا تھا۔اور اپنی ماں کی آنکھوں سے اسکے دل کی خواہش جان جانے والے فیصل کیلیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی ماں کی اس خواہش سے انجان ہو۔

اور اب رات کے کھانے کیلیے بیٹھ کر وہ اپنے باپ سے یہی بات کر رہا تھا۔لیکن احسان نے اسکی بات سن کر صرف ایک مسکراہٹ پر ہی اکتفاء کیا۔جانتا تھا کہ اسکی محدود آمدنی میں ایسا خواب دیکھنا بھی اس دنیا کی سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔۔

ابو منور چچا بہت تعریف کر رہے تھے۔کہہ رہے تھے کہ وہاں اگر بندہ ایک بار سجدہ کر لے تو دل کو بہت سکون مل جاتا ہے۔احسان کی طرف سے جواب نا پا کر وہ ایک بار پھر بولا۔

بیٹا سکون تو اللہ کی عبادت میں ملتا ہی ہے۔چاہے وہ کہیں بھی کی جائیں۔

لیکن ابو وہ تو خانہ کعبہ ہے نا۔وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

ہاں بیٹا وہ خانہ کعبہ ہے۔۔یہ تو بلکل صحیح کہا۔لیکن وہاں جانے کیلیے بہت سارے پیسے چاہیے ہوتے ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔۔اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

لیکن ابا جب میں بڑا ہو جاؤنگا تو پیسے کما لونگا نا۔پھر تو ہم جا سکیں گے۔وہ غور سے اپنے باپ کی طرف دیکھ کر بولا۔

اچھا تو میرا بیٹا بڑا ہو کر کیا بننا چاہتا ہے جو اتنے پیسے آجائیں گے کہ ہم حج پر چلے جائیں۔وہ یکدم

سے موضوع بدلتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولا۔

ابو آپ ہی تو کہہ رہے تھے کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آرمی ڈاکٹر بنوں۔

تو وہ تو میں کہہ رہا تھا نا۔ میرا بیٹا کیا چاہتا ہے یہ بات اہم ہے۔

تو ابو آپ کو پتا تو ہے کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ محبت سے بھرے لہجے میں بولا۔

شاہدہ مسکراتے ہوئے کھانے کے برتن لگا رہی تھی۔ ساتھ میں ان باپ بیٹے کی گفتگو سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی۔ کھانا لگا کر اس نے نعمان اور شائلہ کو بھی بلایا اور سب ایک ساتھ کھانے کیلیے بیٹھ گئے۔

بھئی شاہدہ! تمہارا بیٹا کہہ رہا ہے کہ مجھے اور تمہیں حج پر لے کر جائے گا۔ وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

شاہدہ نے مسکراتے ہوئے اسکی طرف دیکھا۔ وہ بھی جواب کے انتظار میں اپنی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تو ٹھیک کہتا ہے نا۔ ہمارا بیٹا انشاءاللہ اتنا کمائے گا کہ ہم ایک بار حج پر تو ضرور جائیں گے۔ وہ پرعزم لہجے میں بولی۔

ہاں امی جیسے آج منور چچا اور خالہ خوش تھی تو آپکا کتنا دل کیا کہ کاش آپ بھی کبھی حج پر جائیں۔۔۔

وہ تو عام سے لہجے میں بولا لیکن شاہدہ نے نظریں ایسے جھکالیں جیسے اسکی کوئی چوری فیصل نے پکڑی ہو۔ وہ پتا نہیں کیسے اسکے دل کا حال جان جاتا تھا حالانکہ آج تو وہ اسکے قریب نہیں بیٹھا تھا۔ یہ تو اچھا تھا کہ اس نے شاہدہ کی آنکھ سے نکلنے والا وہ آنسو نہیں دیکھا تھا لیکن پھر بھی وہ اسکا چہرہ پڑھ لیتا تھا۔

ہاں ابو آپ حج پر چلے جائیں۔ اور امی کو بھی لے جائیں۔ چھوٹا نعمان بولا۔

ہاں تاکہ تمہیں سکول نہ جانا پڑے اور تم سارا دن ادھر ادھر گھومتے رہو۔ احسان ہنستے ہوئے بولا۔

ابو میں سکول جاتا تو ہوں روز آج بھی تو گیا تھا۔ اسنے احتجاج کیا۔

ہاں جاتے تو ہو لیکن خود نہیں جاتے ناں زبردستی بھیجے جاتے ہو۔ اس بار شاہدہ بولی۔

تو امی شائلہ تو جاتی بھی نہیں ہے میں تو پھر بھی جاتا ہوں۔ وہ جتانے والے انداز میں بولا جس پر بے ساختہ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

تو میں تو چھوٹی ہوں نا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ بولتا شائلہ خود بولی۔

حسن کی بہن کو دیکھا ہے؟ وہ اتنی چھوٹی ہے اور پھر بھی سکول آتی ہے۔ تم تو بہت بڑی ہو اس سے اور ابھی تک سکول نہیں جاتی۔۔۔

بھائی میں چھوٹی ہوں نا ؟؟؟ شائلہ نے اشتیاق بھری نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا ۔
ہاں شالو تم تو ابھی چھوٹی ہو۔ یہ نعمان ویسے ہی بولتا ہے ۔اسکا بھائی بلکل ویسے ہی بولا جیسا وہ چاہ رہی تھی ۔
اور شالو نے نعمان کی طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی فاتح جنگ کے بعد اپنے مفتوح کو دیکھتا ہے ۔جیسے وہ جیت گئی اور نعمان ہار گیا تھا کیونکہ اسکے بھائی نے جو کہہ دیا کہ وہ چھوٹی ہے ۔۔

بچو آج کے درس کی ابتدا حضرت زین العابدینؑ کے الفاظ سے کرینگے وہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔
؛؛ مجھے اتنی تکلیف کربلا میں نہیں ہوئی جتنی کوفہ والوں کے خاموش رہنے پر ہوئی ۔کوفہ ایک شہر کا نام نہیں بلکہ ایک خاموش امت کا نام ہے ۔جہاں بھی ظلم ہوگا اور لوگ خاموش رہینگے وہ کوفی ہیں ؛؛ ۔
تو کوفی سے مراد صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو کوفہ میں رہے ہیں یا پھر وہ لوگ جنہوں نے حضرت امام حسین کو کوفہ بلایا اور پھر دھوکہ دے کر پیچھے ہٹ گئے اور پھر ظلم ہوتا رہا سر کٹتے رہے لیکن وہ خاموش رہے کیونکہ کوفیوں کے اندر یزید کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں تھی بلکہ آج ہمارے سمیت ساری امت مسلمہ کوفیوں میں شمار ہوتی ہے ۔ظلم ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں ۔افسوس کرتے ہیں اور پھر بھول کر اپنے اپنے روزمرہ میں لگ جاتے ہیں ۔امت کے ایک جسم ہونے اور تکلیف محسوس کرنے کا تصور ختم ہوگیا ہے ۔یہاں پر آنکھوں کے سامنے قتل ہوجاتا ہے اور ہم آنکھیں بند کرکے اسی خون کے اوپر سے اپنے راستے پر نکل جاتے ہیں اور پھر ظلم تو کربلا والوں نے کیا لیکن کوفہ والوں نے کیا کیا؟؟؟
انہوں نے زیادہ ظلم کیا کہ وہ ظلم ہوتے دیکھتے رہے لیکن ظلم کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی ۔انسان تو صرف کوشش کرسکتا ہے نتیجے کی ذمہ داری تو ایک ذات پر ہے ۔تو اگر وہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھی کامیابی دے گا تو پھر ہمیں ڈر کس چیز کا ہوتا ہے ۔صرف اپنی موت کا؟؟
لیکن ہم یقین اس بات کا بھی رکھتے ہیں کہ زندگی اور موت دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے لیکن پھر بھی ظالم کا ہاتھ روکنے کو آگے نہیں بڑھتے ۔صرف اسلیے کہ ہم اس ظالم کے سامنے خود کو کمزور مان لیتے ہیں ۔زبان سے اللہ کی طاقت کی باتیں کرتے ہیں اور دل سے ظالم کے سامنے آنے سے ڈرتے ہیں ۔آخر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا اور اسکی عارضی آسائشیں اتنی عزیز کیوں ہوگئیں ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اسکے مقابلے میں ایک دائمی زندگی ہمارے انتظار میں ہے ۔۔۔
تو اسکی وجہ ہر انسان کو اپنے دل سے پوچھنی چاہئے کہ آج ہر طرف ظلم کا ایک بازار گرم ہے لیکن ہم میں سے کوئی نہیں ہے جو اللہ کے نام پر لبیک کہہ کر ظالم کا ہاتھ روکنے کو آگے بڑھ جائے تو پھر ہم کس بنیاد

پر اللہ سے امید کریں کہ وہ ہمیں جنت دے گا جس میں حوریں ہونگی۔ہم میں سے تو کسی کو جنت اور حوروں سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے ورنہ کوئی ایک تو ایسا ہوتا جو ظالم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔اب یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کسی شخص نے ظلم کیا ہے اسکا بدلہ بھی اسے اسی طرح دی جائے جیسے کہ اگر کوئی شخص قتل کرتا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے بلکہ اسے سدھارنے اور صحیح رستے پر لانے کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں۔یا پھر اگر کوئی شخص چوری کرے تو اسکی چوری کرنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن اسکا بہترین حل یہ ہے کہ اسکے ہاتھ کاٹ دیے جائیں تا کہ ایک تو وہ آیندہ ایسی حرکت نہ کر سکے اور دوسرا ایسے کام کرنے والوں کو سبق مل جائے اور وہ تائب ہو جائیں۔

تو کوئی کون ہیں؟؟؟؟؟؟؟

کوئی ہم جیسے سب انسان ہیں جو ظالم کے آگے سینہ سپر نہیں ہیں۔ہمیں لگتا ہے کہ ظلم اگر ہو رہا ہے تو ہونے دینا چاہیے کیونکہ ہمارے ساتھ تو نہیں ہو رہا لیکن ہم نہیں جانتے کہ ظلم اپنا راستہ بدلتے ہوئے اتنا وقت نہیں لیتا۔کہ اگر آج ہمارے سامنے کسی کے ساتھ ہو رہا ہے اور ہم خاموش ہیں تو کل کو اپنا رستہ بدل کر ہمارے ساتھ ہوگا اور باقی لوگ خاموش رہیں گے۔

آپ لوگ سوچ رہے ہونگے کہ میں کس ظلم کی بات کر رہا ہوں۔۔۔

تو آپ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں۔چند لمحوں میں ہی جان جائیں گے کہ میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔دیکھ لو۔سود حرام ہے لیکن آج جو سود کا کاروبار کر رہا ہے وہ خوب مزے کر رہا ہے,جو منشیات کا کاروبار کر رہے ہیں وہ معزز ہیں۔دین اسلام کا پرچار کرنے والے کو گالیاں پڑتی ہیں,نوجوانوں کو زبردستی منشیات کی طرف راغب کیا جا رہا ہے بے حیائی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عام کی جا رہی ہے قرآن کی تعلیمات کو لٹایا جا رہا ہے۔ہمارے رسول ﷺ کی توہین کر دی جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ صبر سے کام لینا چاہئے تو ان سارے حالات کے باوجود ہم سب خاموش ہیں۔ہم میں سے کوئی نہیں ہے جو جا کر انکا گریبان پکڑ سکے۔کون ہے جو اس ڈھول کی تھاپ پر تھرکتے نوجوانوں کو روکے,اس سودی نظام کے خاتمے کیلیے کچھ کرے اس بے حیائی کی روک تھام کیلئے کوئی قدم اٹھائے۔ہم کہنے کو تو کہتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کی توہین کرنے والوں کو سزا ملنی چاہیے لیکن عملی قدم کوئی نہیں اٹھاتا۔

ہم دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں لیکن اس دعوے میں ہم کتنے صادق ہیں اسکا اندازہ کر لیں کہ ہمارا رسول ﷺ خود فرماتا ہے کہ تمہارا ایمان تب تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک میں تمہیں تمہاری ساری دولت اور آل واولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لیکن ہمارا عمل دیکھیں کہ ہمارے سامنے ہی اسی رسول کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور ہم خاموش رہ کر تماشا دیکھتے ہیں اسلئے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے میں تو ہم حق بجانب ہیں کہ ہم نے آنکھ ایک مسلمان شخص کے گھر میں کھولی ہیں لیکن ہمارے ایمان کی طاقت اور حقیقت کا اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ ہم برائی کو کیسے اور کتنا روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہم نہ برائی کو ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں نا زبان سے بلکہ اب تو یہ حالت ہے کہ ہم برائی کو دل سے بھی برا نہیں سمجھتے۔تو مطلب یہ کہ ہم تو ایمان کے آخری اور سب سے کمزور درجے پر بھی فائز نہیں ہیں اور اصلی ایمان تو یہ ہے کہ جب ضرورت ہو تو ہم میں سے ہر ایک برائی کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے۔اپنی اور اپنی آل و اولاد کی پروا کیے بغیر۔۔۔۔۔۔

ابا میں یہاں نہیں رہنا چاہتا مجھے لے چلیں واپس۔۔وہ رو رہا تھا۔

لیکن کیوں؟؟؟کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟؟؟؟وہ پریشان ہوا۔

ابا مجھے بہت ڈر لگتا ہے رات کو اور مجھے اماں بہت یاد آتی ہے مجھے انکے پاس جانا ہے میں یہاں نہیں رہونگا۔وہ بہت رو رہا تھا ایسے جیسے بہت عرصے کے آنسو جمع کیے ہوں اور آج وہ برسات ہی برسا رہا ہو۔

لیکن ہوا کیا ہے رحمتے؟؟؟تمہیں تو میں خوش چھوڑ گیا تھا۔۔

ابا مجھے رات کو بہت ڈر لگتا ہے۔۔

اچھا ٹھیک ہے بیٹا لیکن میں تجھے ایسے کیسے لے جا سکتا ہوں۔تمہارے استاد سے بات کرنی پڑے گی نا۔لیکن تم تو یہاں پڑھنے آئے ہوا بیٹے۔۔۔۔

ابا میں قاری صاحب سے پڑھ لونگا روز جایا کرونگا اور کسی سے لڑائی بھی نہیں کرونگا۔بس مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔

فضل اللہ کی پیشانی پر پریشانی کی لکیریں ظاہر ہو گئیں۔رحمت کو مدرسے میں چھوڑے ہوئے آج اسے تیسرا دن تھا اور آج وہ جمیلہ کے بہت اصرار پر اس سے ملنے آیا تھا۔

جمیلہ تو کسی کروٹ سکون نہیں لے رہی تھی جب سے رحمتے گھر سے نکلا تھا اور آج تو وہ صبح صبح سے یہی اصرار کر رہی تھی کہ وہ رحمتے کے پاس جانا چاہتی ہے۔اسے لگ رہا تھا کہ اسکا بیٹا پریشان ہے لیکن وہ عورت تھی۔مردوں کے مدرسے میں وہ اسے کیسے لے کر آسکتا تھا۔سو وہ اسکی ضد سے مجبور ہو کر خود ہی آ گیا تھا اسکی خیریت معلوم کرنے لیکن یہاں آ کر تو نقشہ ہی اسکو پریشان کر گیا۔

جمیلہ کے خدشات بلکل ٹھیک تھے۔وہ خوش نہیں تھا۔جانے یہ مائیں اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی

اولاد کے بارے میں کیسے جان لیتی ہیں۔۔شاید ہر ماں اپنے آپ میں ایک ولی ہوتی ہے جسکو اللہ تعالیٰ بتاتا رہتا ہے نشانیوں کے زریعے۔

رحمتے جو اس دن اپنے باپ کو رخصت کرتے وقت کافی خوش لگ رہا تھا آج جی بھر کر رو رہا تھا۔جس سے فضل کی اتنی پٹائی بھی یہ نہ کہلوا سکی کہ وہ آئندہ ایسے نہیں کرے گا وہ آج خود کہہ رہا تھا۔اور یہ کایا صرف تین دن میں پلٹی تھی۔

وہ رحمت کو لے کر قاری شہاب الدین کے پاس گیا جن کے پاس وہ رحمت کو چھوڑ کر گیا تھا۔وہ کمرے کے بیچوں بیچ ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ارد گرد پانچ چھ بچے اونچی آواز میں اپنے اپنے سیپارے پڑھ رہے تھے۔۔

اس نے قریب جا کر سلام کیا اور بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر خاموش رہ کر اپنے الفاظ جمع کیے اور بولا۔۔

قاری صاحب۔۔میں آج اس سے ملنے آیا ہوں تو یہ بہت رو رہا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ یہاں خوش نہیں ہے اگر آپ اسے میرے ساتھ واپس جانے کی اجازت دے دیں تو۔۔۔۔۔

بات ادھوری چھوڑ کر وہ انکی طرف دیکھنے لگا۔

فضل تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ اسکی عمر تیرہ سال سے کچھ ہی زیادہ ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ تیرا سال کا لڑکا اپنی ماں کو یاد نہیں کرے گا تو کیا کرے گا لیکن اسکا حل یہ تو نہیں ہے کہ تم اسکو یہاں سے لے ہی جاؤ۔

نہیں جناب۔میرا یہ مطلب نہیں ہے لیکن میں پریشان ہو گیا اسکے رونے سے۔

رویا ہے تو کیا ہوا؟؟؟ بچہ ہے کچھ دن روئے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ہمارے پاس تو بہت سے ایسے لڑکے بھی آئے ہیں جو بیس بیس پچیس پچیس سال کے ہوتے ہیں اور پھر بھی بہت روتے ہیں۔اصل میں پہلی بار اپنے گھر کو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے فضل لیکن یاد رکھو کہ اللہ انعام اتنا ہی دیتا ہے جتنی آپ نے اسکی راہ میں تکلیف برداشت کی ہو۔۔سمجھ رہے ہو میری بات؟؟؟؟؟؟؟ وہ واقعی سمجھ رہا تھا

بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں قاری صاحب۔۔

یا پھر تم ایک کام کرو فضل۔۔۔۔اتنا ہی بول کر وہ خاموش ہو گئے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔اس نے پر تجسس نظروں سے انکی طرف دیکھا۔

تم کچھ دن بعد اپنے بیٹے سے ملنے آیا کرو۔ایک مہینے تک۔اس عرصے میں تم جمعے کے روز اپنے گھر بھی لے جا سکتے ہو۔اگر اسکے بعد تمہیں لگے کہ وہ خوش نہیں ہے اور نہیں رہ سکتا یہاں تو اسکے بعد بے شک اسے لے جاؤ لیکن میں کہتا ہوں کہ کم سے کم ایک مہینے تک اسے اپنے آپکو مضبوط کرنے دو۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں قاری صاحب ۔بچہ ہے شاید کچھ دنوں میں ٹھیک ہوہی جائے ۔وہ قائل ہو گیا تھا ۔۔۔

اس دنیا میں رونا تو ہر انسان کو پڑتا ہے فضل ۔فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی پہلے روتا ہے اور کوئی بعد میں ۔کسی کا رونا ختم بھی ہو جاتا ہے اور کسی کو ساری زندگی رونا ہی پڑتا ہے ۔وقت کا فرق ہوتا ہے ۔۔۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب ۔میں اسے سمجھاتا ہوں ۔سمجھ جائے گا ویسے ہی ضد کر رہا تھا جانے کی ۔میں کچھ دن بعد پھر ملنے آ جاؤں گا ۔وہ اُٹھ گیا ۔

وہ رحمت کے پاس آیا تو وہ شدت سے اسی کا انتظار کر رہا تھا ۔اسکی آنکھوں میں اتنی طلب دیکھ کر ایک لمحے کو اسکا دل کیا کہ اسے لے جائے اپنے ساتھ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اسکی محلے میں شرارتیں یاد آئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں جائے گا ۔

ابا آپ نے بات کی قاری صاحب سے ؟؟؟اس نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا ۔

دیکھو رحمت یہاں پر داخل ہو کر کوئی بندہ اتنی جلدی یہاں سے نہیں نکل سکتا ۔قاری صاحب نے مجھے کہا ہے کہ ایک مہینہ تو گزارنا ہی پڑے گا ۔جھوٹ بولتے ہوئے فضل اللہ عدالت میں کھڑے ایک مجرم کی طرح نظر آنے لگا ۔جو نظریں چرا کر اقرار جرم کر رہا ہو ۔

لیکن ابا میں نہیں رہنا چاہتا یہاں ۔آپ کہو ان سے ۔وہ ایک بار پھر روہانسا ہو گیا ۔

بیٹا وہ نہیں جانے دے رہے لیکن انہوں نے مجھے یہ اجازت دی ہے کہ میں تم سے ملنے آ سکتا ہوں کسی بھی وقت اور ایک مہینہ گزار لو رحمت اگر اسکے بعد بھی اچھا نہ لگا تو چلے جائینگے اور میں آتا رہوں گا ان دنوں میں ۔اس نے دانستہ اسکے گھر جا سکنے والی بات نہیں بتائی مبادا وہ اسے صرف جمعے کے دن کیلیے لے کر جائے اور وہ پھر آئے ہی نا تو ۔۔۔۔۔

وہ ایک بار پھر عدالت میں کھڑے مجرم کی طرح نظر آنے لگا ۔

وہ رو رہا تھا ۔کوئی بھی بات کیے بغیر اور اسکے آنسو زمین پر گرنے کی بجائے فضل کے دل پر گر رہے تھے لیکن وہ کیا کرتا ۔اسے سمجھا کر اور اپنے دل پر جبر کر کے مدرسے سے نکل آیا ۔اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا ورنہ اسکے آنسو دیکھ کر شاید خود پر قابو نا رکھ پاتا ۔۔وہ تیز تیز قدموں سے اڈے پر پہنچا ۔۔۔

اب اسے گھر جا کر جمیلہ کو بھی تسلی دینی تھی ۔وہ جانتا تھا کہ ایک معصوم بچے کو تو وہ بہلا چکا ہے لیکن جمیلہ کو بہلانا اتنا آسان نہیں ہوگا اور رحمت کی اداسی کا وہ اسے کسی قیمت پر نہیں بتا سکتا تھا ورنہ اسی وقت اسکی ضد شروع ہو جائے گی اسے واپس لانے کی سو عافیت اسی میں تھی کہ وہ اسے نہ بتاتا ۔

گھر میں داخل ہوا تو سامنے ہی جمیلہ نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی ۔وہ شاید اسی

کا انتظار کر رہی تھی۔اسکی نظریں فضل پر ہی جمی تھی لیکن وہ اپنے حواس مجتمع کر چکا تھا۔

رحمتے بلکل ٹھیک ہے جمیلہ۔میں مل آیا ہوں اسے۔اس نے سوچا ہوا جملہ بولا۔

وہ خوش ہے؟؟؟؟؟؟؟اس نے نظریں فضل پر گاڑ کر ایسے لہجے میں پوچھا کہ مجبوراً اسے اپنی نظریں چرانی پڑی۔ورنہ وہ واقعی اسکا جھوٹ پکڑ ہی لیتی۔وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

ہاں خوش ہے لیکن کہہ رہا تھا کہ ابھی اسکے دوست نہیں بنے اسلیے اکیلا تھا اور ہاں اسکا استاد تو اس سے بہت خوش تھا۔کہہ رہا تھا کہ بہت اچھے سے دل لگا کر پڑھتا ہے۔

اس نے جمیلہ کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔وہ مطمئن ہوئی یا نہیں یہ تو وہ نہیں جانتا تھا لیکن اسکے بعد وہ کچھ بولی نہیں اور یہی غنیمت جان کر وہ اپنی سائیکل نکال کر دکان پر چلا گیا۔

قاری صاحب میں کل رحمت سے ملنے گیا تھا اسکے مدرسے۔۔

تو ٹھیک تھا وہ؟؟؟؟

ٹھیک تو تھا لیکن پریشان تھا۔رو رہا تھا۔واپس آنا چاہتا تھا۔۔

تو لائے کیوں نہیں اسے؟؟؟؟انہوں نے پوچھا

کیسے لاتا قاری صاحب؟؟؟؟؟آپ جانتے ہیں کہ میں نے کتنی مجبوری میں اسے بھیجا ہے۔۔ مجھے بھی تو کوئی خوشی نہیں ہے نا اسے دور بھیج کر۔۔۔

تو تمہیں کیا اس بات کا پتا ہے کہ وہاں پر وہ ٹھیک ہو جائے گا؟؟؟؟؟

دیکھو فضل ہر مجبوری کا حل دوری نہیں ہوتا۔کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کو فاصلوں کی نہیں محبتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور محبت میں جتنی طاقت ہے وہ سختی میں نہیں ہے۔۔وہ بچہ ہے ٹھیک ہے برا کرتا تھا لیکن اسکا حل یہ نہیں تھا۔۔

آگ کو جتنے کم میں ہی بجھا دیا جائے اتنا ہی بہتر رہتا ہے قاری صاحب۔اس سے پہلے کہ وہ آپکا سب کچھ جلا دے اس پر پانی ڈال ہی دینا چاہیے۔۔

قاری صاحب نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔۔بات اس نے بہت گہری کی تھی۔

لیکن پھر بھی میں نے سوچا ہے کہ میں اسے ایک مہینہ تک دیکھونگا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو ٹھیک ورنہ لے آونگا اسے۔اس نے اطلاع دی

اسے ابھی لے آو فضل۔ابھی لے آو اسے۔وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھے۔پہلے روز سے ہی اسکے جانے کے خلاف تھے اور آج بھی تھے۔

لیکن کیوں قاری صاحب؟؟؟اگر وہ خوش رہتا ہے تو پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے ۔اچھا ہے نا کہ وہ کچھ پڑھ لے۔

تم پچھتاؤ گے فضل ۔بہت پچھتاؤ گے لیکن شاید اس وقت پھر وقت دوبارہ نہیں آئے گا۔میرا آج بھی وہی مشورہ ہے کہ اسے لے آؤ۔اگر اتنا ہی شوق ہے مدرسے بھیجنے کا تو کچھ سالوں بعد بھیج دینا جب وہ بڑا ہو جائے ۔۔

لیکن قاری صاحب تب اسکی عادتیں فطرت بن چکی ہونگی۔اور جو بدلتی ہیں وہ عادتیں ہوتی ہیں ۔فطرت بھی بھلا کبھی بدلی ہے؟؟؟

وہ ایک بار پھر قاری صاحب کو چونکا گیا۔۔۔

اچھا دیکھتا ہوں جناب ۔۔۔ہوسکتا ہے کہ اسے لے آؤں اگر وہ ٹھیک نہ ہوسکا تو ۔چلتا ہوں خدا حافظ ۔۔۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ کر جانے لگا۔۔قاری صاحب اسکی پشت کو دیکھتے رہ گئے۔۔۔

ہارون بھی تو ایسا ہی تھا۔۔ وہ بھی تو پہلے کچھ دن مدرسے میں بہت رویا تھا۔۔۔

کاش ابا تم مجھے اس وقت گھر لے آتے ۔قاری صاحب کی مان کر یا میرے آنسوؤں کو دیکھ کر تو آج میں اس حال میں نہ ہوتا۔۔۔۔۔

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور ماضی کی پتھریلی زمین پر ایک بار پھر ننگے پاؤں چلنے لگا۔۔اسکا ماضی اور حال دونوں ہی ننگے پاؤں خاردار تاروں پر چلنے جیسے تھے۔وہ ماضی جو اسے کبھی اچھا نہیں لگا تھا آج اسے یاد آرہا تھا اور وہ حال جس پر کچھ دن پہلے اسے ناز تھا حقیقت کھل جانے کے بعد اسے ایک آگ کا الاؤ لگنے لگا تھا۔

آدم وحوا کو شیطان نے بھڑکایا ۔انہوں نے نافرمانی کی ۔۔تو انہیں بے لباس زمین پر بھیج دیا گیا ۔آج مسلمان اپنی مرضی سے اپنے کپڑے اتار رہے ہیں اور جو پہنتے ہیں وہ بھی نہ پہننے کے برابر ہیں ۔کہیں پر اتنے چھوٹے ہیں کہ آدھے جسم کو بھی نہیں چھپا پاتے اور کہیں پر اتنے پتلے کہ ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے ۔۔

آدم اور حوا تو ننگے ہو گئے تو اللہ نے زمین پر بھیج دیا ۔اب ابن آدم اور بنت حوا دوبارہ ننگے ہو رہے ہیں اور اپنی خوشی سے ہو رہے ہیں تو زمین کے نیچے تو کچھ ہے بھی نہیں سوائے موت کے اور پھر

پاتال یا پھر دوزخ۔۔

پہلے زمانے میں جب لوگوں کو اپنے جسموں کو ڈھکنا نہیں آتا تھا تو وہ ننگے رہتے تھے پھر ترقی ہوئی اور لوگوں نے اپنے آپ کو ڈھکنا شروع کیا۔اور ترقی ہوئی تو کام مزید بھی آسان ہوا جب لوگوں نے کپڑے بنانے سیکھ لیے۔تو قابل غور بات یہ کہ تب ترقی کا معیار یہ تھا کہ جو امیر اور ترقی یافتہ ہوتا تھا وہ اپنے جسم کو ڈھک لیتا تھا اور جو نہیں کر پاتا تھا وہ ننگا رہتا تھا لیکن آج ہزاروں سال بعد خیالات بلکل الٹے ہو گئے ہیں۔آج جو امیر اور ترقی یافتہ ہے وہ ننگا نہیں تو نیم ننگا تو ضرور گھومتا ہے اور جو غریب ہے وہ اپنا جسم ڈھک لیتا ہے۔امیر کم کپڑے پہنتا ہے غریب زیادہ کپڑے پہنتا ہے۔۔

ہمارے رسول ﷺ نے تو مرد کے لیے بھی حیاء والے لباس کو پسند فرمایا ہے تو پھر عورت جس کو سختی سے اپنے آپ کو غیر مردوں سے چھپانے کی تلقین کی گئی ہے وہ اس بے لباسی میں کیسے اللہ کی رحمت کی حقدار ہو سکتی ہے۔۔۔۔

میں ایک بار تبلیغ پر گیا۔اسی ملک کے کسی علاقے میں۔وہاں میں نے عورتوں کی ایک جماعت سے دوران تبلیغ کہا کہ آپ پردہ کیا کریں۔بے پردگی بذات خود ایک بہت بڑا گناہ ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ بہت سے اور بڑے بڑے گناہوں کا تحفہ لاتی ہے تو ایک خاتوں بھڑک اٹھی۔۔کہتی ہیں مولوی صاحب آپ نے ہمارے کردار کے بارے میں ایسی بات کیوں کی۔آپ نے بغیر کچھ جانے بوجھے الزاام لگایا ہے جب کہ کردار کا پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔

میں نے کہا بی بی آپ شاید ٹھیک ہی کہہ رہی ہونگی لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی بیبیوں کو بھی پردے کی تلقین کی ہے۔۔۔ارشاد ہے کہ۔۔

اے نبی کی بیویوں! کسی نامحرم سے بات نہ کیا کرو اور اگر مجبوری میں کرنی پڑ جائے تو آرام سے نہیں بلکہ سخت آواز میں اور پردے کے پیچھے سے کرو تاکہ اسکے دل میں کوئی غلط خیال جنم نہ لے سکے ۔

تو بی بی۔۔۔اب جب اللہ نے خود نبی کی بیویوں کو پردے کی تلقین کی ہے تو آپ یہ کہیں گی کیا کہ اللہ نے ان پر الزام لگایا ہے؟؟؟؟؟ یا پھر اللہ کو نبی کی بیویوں کے کردار پر شک تھا؟؟؟ یا پھر آپ کا کردار حضرت عائشہؓ سے زیادہ مضبوط ہے؟؟؟

لیکن آج تو بات پردے سے بہت آگے چلی گئی ہے۔مخلوط تعلیمی ادارے بنائے جا رہے ہیں اور پھر ان میں جو حالات ہوتے ہیں وہ کسی باعمل مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے لڑکے اور لڑکیوں کا آزادانہ ملاپ ہوتا ہے۔نہ عورت کا دل گھبراتا ہے اور نہ مرد کی نگاہ میں حیاء دکھائی دیتی ہے اور پھر یہ سب یہاں سے بھی آگے نکل کر آزاد فضاؤں میں بھی ہوتا ہے اور محبتوں کے نام پر پارکوں بازاروں

ہوٹلوں اور چوراہوں پر بے حیائی عام ہے ۔اب جہاں دو جوان انسان ہونگے وہاں انکے ساتھ شیطان تو ضرور آئے گا۔۔۔

اور اہم یہ کہ یہ سب سر عام جاری ہے اور کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ہے جو اسکو روکنے کی کوشش کرے اور کیوں کرے؟؟؟؟؟؟ یہاں پر تو ہر ایک خود اسی کو پھیلانے میں لگا ہوا ہے ۔اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والے گروہ میں فحاشی پھیلے ۔وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں

النور:۱۹

اب آخرت میں جس عذاب کے وہ لوگ مستحق ہیں وہ تو اللہ آخرت میں ہی دے گا لیکن وہ دنیا میں بھی عذاب دینے پر قادر ہے۔۔۔

قوم لوط بھی ہماری قوم کی طرح بے حیائی کی لت میں مبتلا تھی ۔وہ لوگ ایسے گناہ کا شکار تھے جسے ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔وہ لوگ جنسی تسکین کے لیے عورتوں کی بجائے مردوں کو استعمال کرتے تھے ۔چوریاں ڈکیتیاں عام تھی اور فحاشی کھلے مجلسوں میں کی جاتی تھی ۔حضرت لوطؑ نے ان غلط کاریوں سے باز آنے کو کہا لیکن وہ ماننے کی بجائے انہی کے دشمن ہوگئے ۔۔وہ اپنی گناہوں میں اتنے منہمک تھے کہ انہیں اللہ کے نبی کی پکار اپنی لذتوں میں مداخلت محسوس ہوئی۔۔اور انہوں نے بستی سے نکالنے کی دھمکی دی۔۔

پیغمبر تبلیغ کرتے رہے لیکن اپنے خاندان کے چند افراد کے علاوہ کسی کو راہ راست پر نہ لا سکے حتیٰ کہ انکی اپنی بیوی نے بھی ایمان لانے سے انکار کیا۔۔

بے حیائی کے اس بازار اور اپنے نبیؑ کی بے عزتی پر اللہ کی شان کو بھی تو غیرت آنی تھی نا ۔آخر وہ کب تک برداشت کرتا کہ جس زمین کو اسنے پاک صاف بنایا اسکو وہ لوگ اپنی حرکتوں سے آلودہ کرتے سو اللہ نے اپنے عذاب کا ذکر قرآن میں کچھ اسطرح کیا ہے۔۔۔۔

پھر ہم نے لوط اور اسکے خاندان کو نجات دی۔سوائے اسکی بیوی کے ۔ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی ۔اور ڈرے ہوئے لوگوں پر بدترین بارش برسائی گئی '۔۔۔

تو اللہ آج ہم لوگوں پر کیوں عذاب نہیں بھیج رہا ۔اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ سے اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ انکی امت پر عذاب نہیں آئے گا لیکن عذاب صرف یہ تو نہیں ہے کہ پتھروں کی بارش

ہوجائے ۔عذاب تو قحط اور خشک سالی بھی ہے ۔عذاب تو سودی نظام بھی ہے جو ایک بار جکڑنے کے بعد قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتا ۔عذاب تو غربت بھی ہے ۔۔

ہاں تو اپنے موضوع پر دوبارہ آتے ہیں ۔بات کر رہے تھے فحاشی اور بے حیائی کی جس میں اب ہم اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ پیچھے پلٹنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے ۔۔

سر سے چادر سرکانے کو اچھا سمجھا جانے لگا ۔چھوٹے اور بے پردہ لباس کو ترقی سمجھا جانے لگا ۔بازاروں میں خواتین کا رش بڑھنے لگا اور اسے آزاد خیالی کہا ۔طلاقیں عام ہو گئیں تو اسے زندگی گزارنے کی آزادی کہنے لگے ۔خواتین کو چاردیواری کا تحفظ نہ کرانے اور کام کروانے کو اشترا کی عمل کہا ۔زنا خطرناک حد تک بڑھا تو اسے آزادی نسواں کہنے لگے ۔مادر پدر آزاد ماحول میں پلنے کو آج کے دور کی ضرورت سمجھا ۔تو جناب کیا اسلام آج کے دور کیلئے نہیں بنا؟؟؟؟

سوچ لو کہ جس نامحرم کو آواز سنانا بھی بغیر سخت ضرورت کے جائز نہیں ہے آج بازاروں میں سر عام عورتیں خریداری کرنے آتی ہیں اور مردوں کے ساتھ ہنس ہنس کر بھاؤ تاؤ کر رہی ہوتی ہیں ۔اور مرد کیلیے جس عورت کو ایک نظر دیکھنے کے بعد دوسری نظر ڈالنا حرام ہے آج عورت کو نیم ننگی حالت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ۔لیکن سوچ کی بات یہ ہے کہ ہم ایسے کیوں ہوئے ۔اگر ہم مسلمان ہیں تو باعمل مسلمان کیوں نہیں ہیں ۔ہم اس معاشرے میں اسطرح کیوں رہ رہے ہیں اور اگر رہتے ہیں تو اسکو بہتر کرنے اور بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ۔کم سے کم اپنے حصے کا دیا تو جلا کر جا سکتے ہیں نا ۔۔اللہ فرماتے ہیں ۔۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلیے پیدا کی گئی ہو ۔تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو ۔اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو '۔۔

العمران

۱۱۰

اس آیت پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں پر بحیثیت مسلمان فرض کر دیا گیا ہے کہ ہم نیک باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں لیکن اسکے علاوہ ایک اور اہم بات یہ کہ تم وہ امت ہو جو لوگوں کیلیے پیدا کی گئی ہو '۔۔مطلب یہ کہ تمہیں بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ تم بری باتوں سے روکو اور اگر تم یہ نہیں کرو گے تو تمہارے پیدا کرنے کا مقصد پورا نہیں ہوا ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روکنے سے کیا مراد ہے ۔تو یہ ہم اپنے نبی ﷺ کی ایک حدیث سے سمجھ سکتے ہیں ۔۔کہ

تم میں سے اگر کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے ۔اگر یہ نہیں کر سکتا تو اسے

زبان سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اسے دل سے ہی برا سمجھے لیکن یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے۔۔

ہاتھ سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے زورِ بازو سے روکے جیسے نبی ﷺ نے اور صحابہ کرام نے جنگیں لڑی ہیں۔جیسے محمد بن قاسم برائی کو ختم کرنے دیبل گیا۔بلکل اسی طرح اللہ چاہتا ہے کہ ہم اسکی خاطر برائی سے لڑیں۔اپنے بازوؤں سے۔پھر کامیابی اور ناکامی کی ذمہ داری اس نے ہم پر نہیں ڈالی۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسکا بندہ اسی کی خاطر قدم اٹھائے اور وہ اسکی مدد نہ کرے۔اسکے جانثار تین سو تیرا تھے تو بدر میں ہزاروں کے مقابلے میں فاتح تھے۔آج کروڑوں ہیں اور محکوم ہیں۔۔کیوں؟؟؟؟؟؟

اسلیے کہ آج اللہ کی خاطر سر کٹوانے کا شوق نہیں رہا۔دنیا کی عارضی خوشیاں اہم ہوگئی اور آخرت کی دائمی خوشیوں کی لالچ نہیں ہے۔آج فرشتے مدد کو کیوں نہیں آئینگے اگر آج بھی وہ فضا بنے گی۔۔

ع فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو۔۔۔

اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی۔۔۔

آج اس ملک کے کونے کونے پر ہر دو قدم میں فلموں کے بے حیائی اور فحاشی سے بھرپور پوسٹرز لگے ہیں۔ہمارے ارباب اختیار اور عوام تو اب لگتا ہے کہ بے حس ہو چکے ہیں جو اس کھلی بے حیائی پر خاموش تماشائی بنی ہے لیکن ساتھ میں علما بھی اندھے ہو چکے ہیں جنہیں یہ سب نظر نہیں آتا۔۔

فیصلہ اب ہم سب کو کرنا ہے کہ ہم اس بے حیائی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں یا خاموش رہ کر اللہ کے عذاب کا انتظار کرتے ہیں۔یاد رکھو کہ فحاشی کا اثر آپ اور ہم سب کے گھروں پر بھی ہوگا۔۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ معاشرے میں بے حیائی عام ہو اور آپ محفوظ رہیں۔۔۔

صبا۔۔تمہیں کوئی جادو ٹونہ آتا ہے؟؟؟؟

کیا مطلب؟؟؟؟

مطلب یہ کہ تمہیں کوئی جادو وغیرہ آتا ہے جس سے کسی کو اپنے قابو میں کیا جا سکے۔۔؟؟

نہیں تو۔میں آپ کو کوئی جادوگرنی لگتی ہوں کیا؟؟؟؟وہ آئینے کے سامنے بال بنا رہی تھی۔۔

دیکھنے میں تو نہیں لگتی لیکن کام سے لگتا ہے کہ کوئی منتر آتا ہے تمہیں جس سے سامنے والا سحر زدہ ہو جاتا ہے۔۔نظریں اسکے شانوں سے نیچے تک آتے ہوئے بالوں پر گاڑتے ہوئے بولا۔

میں نے ایسا کیا کیا ہے؟؟؟کس کو سحر زدہ کیا ہے میں نے؟؟؟؟؟؟؟اسکا منہ بن گیا۔

امی کو،ابو کو کامران کو اور سب سے زیادہ تو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس ناچیز کو سحر زدہ کر دیا ہے۔کسی کو اس گھر میں صباء بی بی کے علاوہ کوئی اور نہیں دکھتا۔وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔لیکن وہ اسکی بات پر کھل کر ہنسی۔

تو آپ جیلس ہو رہے ہیں؟؟؟؟

نہیں میں کیسے جیلس ہو سکتا ہوں۔جس شکاری کا شکار میں خود بھی ہوں اس سے جیلس کیسے ہونگا۔۔۔

وہ اپنے بال سنبھال کر بستر کے دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی۔اور تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے سونے کی تیاری کرنے لگی۔۔

ہاں ارسل مجھے منتر آتا ہے۔اور ایک نہیں بہت سے منتر آتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی جادو کا نہیں ہے۔۔وہ سب محبت کے منتر ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ محبت کے منتر زیادہ طاقتور ہوتے ہیں جادو کے منتروں سے۔۔۔

محبت تو میں بھی کرتا ہوں سب سے۔۔وہ پھر تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

تو آپ کو کس نے کہا کہ آپ سے کوئی محبت نہیں کرتا۔آپ کرتے ہیں تو سب آپ سے بھی بہت پیار کرتے ہیں۔۔۔

تم بھی؟؟؟؟؟؟وہ اسکی طرف جھکتے ہوئے بولا۔۔

میں نے ایسا تو نہیں کہا۔۔وہ اپنے جملے کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔۔

تو تم نے کہا کہ سب مجھ سے پیار کرتے ہیں۔سب میں تم نہیں آتی کیا؟؟؟؟وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والوں میں نہیں تھا۔

اپنی بات نہیں کی میں نے۔امی ابو کی بات کی ہے۔۔وہ شرماتے ہوئے بولی لیکن اپنے بہانے کے بھونڈے ہونے کا احساس اسے بہت پہلے ہو چکا تھا۔۔

وہ ایک زوردار قہقہے کے ساتھ ہنسا۔اور وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے اسکا ساتھ نبھا رہی تھی۔۔۔

ویسے صباء ایک بات تو بلکل سچ ہے کہ شادی سے پہلے میں اچھا خاصا کام کا آدمی تھا۔کام بھی کرتا تھا،دوستوں کو بھی وقت دیتا تھا،کبھی کبھی کھیل بھی لیتا تھا لیکن شادی کے بعد تو صرف گھر کا ہو کر رہ گیا ہوں۔آفس کا کام بھی مشکل سے کرتا ہوں۔۔وہ مصنوعی اداس لہجے میں آہ بھرتے ہوئے بولا۔

تو میں نے تو آپ سے نہیں کہا کہ آپ سب کچھ چھوڑ دیں۔دوست چھوڑ دیں،کھیلنا چھوڑ دیں۔۔وہ بھی خفا ہو گئی۔

تو میرا خود دل نہیں کرتا نا۔تم نے تو نہیں کہا لیکن مجھے پتا ہے کہ میں آفس میں کتنی بار گھڑی دیکھتا ہوں صرف اس لیے کہ جلدی سے وقت گزر جائے اور میں تمہارے پاس آجاؤں۔شادی نے ارسل نکما کر دیا۔ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔۔وہ شعر کی تذلیل پر غالب کی بد دعائیں سمیٹتا ہوا بولا۔

صباء خوب ہنسی۔۔

ارسل شعر غلط پڑھا ہے آپ نے۔۔غالب نے شادی نہیں عشق بولا تھا۔۔

تو وہ غالب نے بولا تھا نا۔یہ تو استاد ارسلان اللہ خان نے کہا ہے۔بس اپنے اپنے تجربے کی بات ہے۔۔

وہ ہنسی اس انوکھی منطق پر۔وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔اچانک وہ سنجیدہ ہوا۔۔

صباء تم جانتی ہو کہ تم میری زندگی میں کیا حیثیت رکھتی ہو؟؟؟؟؟؟؟؟

وہ نگاہیں اٹھا کر اسکی طرف دیکھنے لگی۔۔نظریں ہی سوال تھا۔

صباء اگر آج میں تمہارے بغیر اپنی زندگی تصور کروں تو میرے پاس کوئی مسکراہٹ نہیں ہوگی۔میں سانس تو لونگا لیکن جی نہیں پاؤنگا۔مجھے نیند تو آئے گی لیکن تمہارے نہ اُٹھانے کے ڈر سے شاید میں سو نہیں پاؤں۔میں کام کرتے ہوئے چائے تو پیونگا لیکن ذائقہ مجھے محسوس نہیں ہوگا۔میں بائیک تو چلاؤنگا لیکن شاید کسی ایکسیڈنٹ میں مر ہی جاؤنگا اور۔۔۔۔۔۔۔۔

بس کریں ارسل۔یہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔مرنے کی بات کیوں منہ سے نکالتے ہیں۔۔

وہ جو پہلے اسکی باتوں پر خوشی سے نہال ہو رہی تھی یکدم لفظ 'مر جاؤنگا' پر تڑپ کر بولی۔۔۔

تو تم یہ حیثیت رکھتی ہو میری زندگی میں۔اب وہ مسکرا رہا تھا۔

وہ خاموش رہی۔اسکا محبت بھرا لہجہ اسے سرشار کر رہا تھا۔۔۔

اچھا چلو سو جاتے ہیں اب۔صبح آفس بھی جانا ہے۔وہ لیٹتے ہوئے بولا۔۔وہ بھی سونے کیلیے لیٹ گئی۔۔

صبا میں نے تمہیں بتایا ہے؟؟؟؟؟

کیا؟؟؟؟؟؟؟وہ حیران ہوئی۔۔۔

کہ اگر تم نہیں ہوتی تو میں کسی دو من کی عورت کو بائیک پر بھی نہیں بٹھاتا۔۔۔

ارسل۔۔۔۔۔۔۔اسکا دل کیا وہ اپنا سر پیٹ لے۔وہ تنگ کر رہا تھا۔۔

لیکن وہ تو اپنی بات مکمل کر کے کروٹ لے بھی چکا تھا۔۔۔

ایک گہری مسکراہٹ صباء کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔۔

رحمت تم اداس کیوں رہتے ہو؟؟ کسی سے بات بھی نہیں کرتے اور الگ الگ سے رہتے ہو۔۔۔

وہ خاموش رہا۔آج کل ایسے ہی چپ چپ سا رہتا تھا۔

میں تم سے کہہ رہا ہوں رحمت۔۔

ہاں سن رہا ہوں ۔میں تو الگ نہیں رہتا۔۔

اچھا چلو اگر الگ نہیں رہتے تو اب چلو میرے ساتھ باہر ۔سب لڑکے چلے گئے ہیں ۔کھیل کود رہے ہیں ۔تم بھی چلو میرے ساتھ۔۔۔

نہیں میں نہیں جا رہا۔۔

چلو نا یار۔۔جلدی کرو۔پھر واپس آ کر مغرب بھی پڑھنی ہے ۔چلو چلو جلدی کرو۔جلدی سے جوتے پہنو۔۔۔۔

وہ اسے زبردستی اٹھا کر اپنے ساتھ مدرسے کے پیچھے بنے ہوئے ایک چھوٹے میدان میں لے گیا۔وہاں اور بھی بہت سے مختلف عمروں کے بچے تھے جو اسی مدرسے میں پڑھتے تھے۔وہ سارے مختلف کھیلوں میں مشغول تھے۔رحمت جا کر میدان کے کونے میں پڑی ہوئی ایک اینٹ پر بیٹھ گیا۔وہ سب کو کھیلتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اے رحمت اٹھ جاؤ۔۔آ جاؤ کھیلتے ہیں ۔تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ثاقب پھر اسکے پاس آیا اور اسے زبردستی اپنے ساتھ اٹھا کر لے گیا اور اسکے بہت منع کرنے کے باوجود بھی اسے اپنے ساتھ کھیل میں شامل کر لیا۔۔

شام ہوئی تو سب لڑکوں کے ساتھ وہ بھی میدان سے لوٹ آیا۔مغرب کی نماز پڑھی اور کھانے کیلیے چلا گیا۔وہ خوش تو نہیں ہوا تھا لیکن اسکی اداسی تھوڑی کم ہو گئی تھی ۔بچہ ہی تو تھا۔کھیل کود کر خوش ہو گیا تھا۔۔

یہ اسے کبھی پتا نہیں چلا کہ اس دن فضل اللہ کے رخصت ہونے کے بعد مولوی صاحب نے ثاقب کو بلایا اور اسکی ڈیوٹی لگائی کہ وہ کسی بھی طرح سے رحمت کو اداس نہ ہونے دے ۔اسی لیے وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے گیا۔اور باقی سارے کاموں میں بھی اسے اپنے ساتھ شامل کرتا تھا۔عمر کے لحاظ سے وہ رحمت سے بڑا تھا لیکن اپنی فطرت کے مطابق وہ بہت جلدی رحمت کا دوست بن گیا۔

ایک ہفتے بعد فضل اس سے ملنے آیا تو اسے نمایاں تبدیلی محسوس ہوئی ۔اگرچہ چپ چپ وہ اب بھی تھا لیکن آنسو جو پچھلی دفعہ اسکی آنکھوں سے ندی کی طرح بہہ رہے تھے انکا اس بار نام ونشان بھی نہیں تھا۔

فضل نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسکے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ وہ خوش تو نہیں تھا لیکن ایک ہفتے بعد اگر وہ نا خوش نہیں تھا تو یہ بھی بہت بڑی بات تھی۔۔ وہ اس سے مل کر واپس گھر آ گیا۔۔

اگلے ہفتے پھر گیا تو اس بار اصغر کو بھی اپنے ساتھ لے کر گیا۔ اس بار بھی وہ مطمئن ہو کر لوٹا۔ وہ اداس نہیں لگ رہا تھا۔ وہ مولوی شہاب الدین سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے فضل کی خلافِ توقع اسکی کوئی شکایت نہیں کی بلکہ اسکے رویے اور ذہانت کی تعریف کی۔۔

اگلے ہفتے وہ اس سے ملنے گیا۔ آج اسکا ایک مہینہ پورا ہونے والا تھا اور حسبِ وعدہ فضل کو آج اس سے پوچھنا تھا کہ وہ خوش ہے یا نا خوش؟ دوسرے لفظوں میں وہ یہاں رہنا چاہتا ہے یا نہیں؟؟؟؟ وہ اسکے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جب وہ آیا۔۔

کیسے ہو ابا؟؟ اماں کیسی ہے؟؟ سلام کرنے کے بعد وہ بولا۔

میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ تیری اماں بھی ٹھیک ہے۔ تو کیسا ہے؟؟؟

میں بلکل ٹھیک ہوں ابا۔۔

ابا اب میں ٹھیک ہوں اور خوش بھی ہوں۔ آپ دکان چھوڑ کر ہر ہفتے مت آیا کریں۔۔

فضل جس سوال کے پوچھنے پر جھجک رہا تھا وہ اس نے بہت آرام سے جواب دے دیا۔۔

تو تم گھر واپس نہیں جانا چاہتے؟؟؟؟؟ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

نہیں ابا اب میں خوش ہوں۔۔ دوست بھی بن گئے ہیں میرے بہت سارے۔۔ وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

اچھا چلو یہ تو اچھی بات ہے کہ تو خوش ہے۔۔ لیکن آج تجھے گھر لے جاتا ہوں۔ تیری اماں بہت یاد کرتی ہے تجھے۔۔ پرسوں صبح چھوڑ جاؤنگا تجھے یہیں۔۔

لیکن ابا ابھی تو میں ٹھیک ہوا ہوں۔ پھر گھر جاؤنگا اور واپس آ کر پھر خفا رہونگا۔۔

تو کیا تو گھر کبھی جائے گا ہی نہیں؟؟ وہ متفکر ہوا

نہیں ابا جاؤنگا لیکن آج نہیں۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔ وہ پریشان تھا

ایسا کرتے ہیں ابا کہ آپ جب اگلی بار آؤ گے تو میں آپ کے ساتھ چلا جاؤنگا۔ تب تک میں اتنا ہو جاؤنگا کہ واپس آ کر روؤنگا نہیں۔۔

فضل نے اسکی طرف دیکھا۔ وہ کافی بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔

ٹھیک ہے بیٹا جو تیری مرضی۔ یہ کچھ کھانے پینے چیزیں تیری ماں نے دی تھی یہ لے لے۔ فضل نے

پاس پڑی ہوئی گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے اُٹھا۔اور گٹھڑی میں سے چیزیں نکال کر چادر اپنے باپ کو پکڑادی ۔۔

اور اسے پیار کرکے فضل رخصت ہوگیا۔۔

اسلام ہمارا دین ہے ,ہمارا مذہب ہے ,ہماری زندگیوں کا مقصد ہے ۔اسلام اس دنیا میں مغلوب اور کمزور رہنے کیلیے نہیں آیا بلکہ اسلام کی آمد کا اہم مقصد غلبہ ہے ۔اللہ خود اپنی کتاب میں اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہ دین سب ادیان پر غالب آئے گا۔اسلام کے حوالے سے ایک اہم مسئلے کو گلی کوچوں کے علماء غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں ۔وہ یہ کہ اسلام جہاد کے بغیر پھیلا ہے لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام صرف اخلاق کے زور سے پھیلا ہے جبکہ انکی لاعلمی یا نظر پوشی تو دیکھیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی یہ حدیث انہیں بھول گئی ہے جس میں نبی خود اپنا اخلاق اپنی تلوار کو قرار دیتے ہیں ۔آج دنیا کو یہ تو بتایا جارہا ہے کہ اسلام اخلاق کے زور سے پھیلا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جا رہا کہ اخلاق کیا ہے؟؟ اب جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اسلام نے غالب آنا ہے تو اسکا واحد اور ضروری حل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔۔

معلوم ہوا کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار نبوی کا بہت کلیدی کردار ہے ۔مکی اور مدنی ادوار کا مشاہدہ اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ جب تک جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی تب تک مسلمانوں کی تعداد محض سینکڑوں میں تھی لیکن جب جہاد کی اجازت ملی تو دنیا نے دیکھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کے تعداد لاکھوں سے تجاوز کرچکی تھی ۔۔

لیکن مولوی صاحب ۔۔اسلام میں تو جبر کی اجازت نہیں ہے نا؟؟؟؟

ہاں اسلام میں جبر کی اجازت نہیں ہے لیکن تب تک جب تک کوئی اسلام کے دائرے سے باہر ہو۔مطلب یہ کہ جب تک اس نے اسلام قبول نہ کیا ہو تب تک اس پر کوئی جبر نہیں ہے اسلام قبول کرنے کیلئے یعنی کہ آپ اسے اسلام قبول کرنے کیلیے مجبور نہیں کرسکتے ۔لیکن جس وقت کسی نے زبان سے لاالہ پڑھا اسی وقت اس پر جبر شروع ہوگیا ۔مطلب یہ کہ اب اس نے ہر حال میں اسلام کے متعین حدود میں ہی رہنا ہے ۔۔۔

آپ لوگوں نے کبھی وہ حدیث سنی ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز سکھا دو اور پڑھنے کی ترغیب دو اور جب آٹھ سال کا ہوجائے تو اسے زبردستی پڑھاؤ ۔مار کر پڑھانے کی اجازت بھی ہے ۔

یا آپ نے کبھی سنا ہوگا کہ اگر کوئی عورت اپنی حدود میں نہیں رہتی تو شوہر کو چاہئے کہ اسے سمجھائے بجھائے اور اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو اسکے ساتھ ہلکی مار بھی کرسکتا ہے۔

تو ان سے اور ان جیسی کئی اور باتوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں جبر کی اجازت تب تک نہیں ہے جب تک کوئی مسلمان نہیں بن جاتا۔ جب وہ مسلمان ہوتا ہے یا مسلمان ہوجاتا ہے تو اس سے زبردستی وہ سب کام کروانے چاہیے جو ایک مسلمان کا فرض ہے اگر تو وہ نہیں کرتا تو۔۔

جہاد سے کس مسلمان کو محبت نہیں ہے؟ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ اسلام کا دنیا میں غلبہ ہو۔اس مقصد کیلئے بہت ساری جہادی تنظیمیں بنی۔سب کا مقصد اسلام کا غلبہ ہی ہوتا تھا لیکن چونکہ وہ کچھ خاص لوگوں کی بنائی ہوئی ہوتی تھی تو باقی لوگ انکی مدد نہیں کرتے تھے۔نتیجے کے طور پر وہ کچھ عرصہ چل کر خود بخود ختم ہوجاتی تھی۔

اس سب کا بہترین حل ی ہے کہ ۵۷ ممالک کی فوج کو ملا کر ایک مشترکہ فوج تشکیل دی جائے۔ان سب ممالک کی مشترکہ فوج ستر لاکھ بنتی ہے۔اتنی بڑی فوج تو پوری دنیا کو فتح کرنے کیلئے بھی کافی سے زیادہ ہے۔لیکن یہ ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ اغیار کی سازشوں سے ان ملکوں پر ایسے حکمران مسلط ہیں جنہیں اسلام کی سربلندی سے زیادہ اپنے مفادات اور اغیار کی خوشی سے غرض ہے۔۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ سب لوگ اپنی خدمات حکومتِ اسلامی کے سپرد کردیں۔پھر حکومت جن لوگوں کو چاہے قتال کیلئے منتخب کرلے اور جن کو چاہے کوئی اور زمہ داری دے دے لیکن یہاں پر جیسے کہ عرض کیا گیا ہے کہ حکمران اپنے مفادات کا حصول چاہتے ہیں سو جو لوگ چاہتے ہیں وہ جس شکل میں بھی چاہیں بذاتِ خود جہاد میں حصہ لے سکتے ہیں اور جہاد کی یہ شکل دائمی اور ابدی ہے۔

جیسا کہ ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔۔۔

تین چیزیں ایمان کی جڑ ہیں۔پہلی اس شخص سے ہاتھ اٹھالینا جو لاالہ کا اقرار کرے۔دوسرا جہاد ہے۔یہ جاری ہے جب سے اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے اور ازل تک چلے گا۔حتیٰ کہ میری امت کا آخری بندہ دجال سے لڑے گا۔اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل منسوخ نہیں کرسکتا۔۔تیسری چیز تقدیر پر ایمان ہے۔

اب اس حدیث پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی یہ بتا دیا تھا کہ جہاد ابد تک جاری رہے گا۔اسے کوئی ظالم حکمران نہیں روک سکتا چاہے کوئی کتنی بھی کوشش کرلے۔اور اس حدیث میں جہاد سے مراد نفس سے جہاد نہیں ہے بلکہ اپنے دین کی سربلندی کیلئے بے دین افراد سے جہاد ہے۔۔

اب جہاد ہمیں کس طرح کرنا ہے یہ بتانا تو بعد میں ہوگا لیکن سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آج کل کے حالات میں جہاد کس سے کرنا ضروری ہے اور کیوں ضروری ہے۔۔

توسب سے پہلے آتے ہیں ان میں وہ سب لوگ جو نام کے تو مسلمان ہیں لیکن اپنی زندگی کو کافروں کی طرح گزار رہے ہیں۔اور انکا یہ رویہ کسی لاعلمی کے سبب نہیں بلکہ انکی اپنی پسند سے اختیار کردہ ہے اور نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کافرانہ روش پہ گزار رہے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرف راغب کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔۔

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آئے لیکن دراصل یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

اور پھر آگے فرماتا ہے کہ۔۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔خبردار وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

تو بچوں اس آیت پر غور کرو تو صاف پتا چلتا ہے کہ اس زمانے کے یہودی جو نام کو ایمان لے آئے تھے اور پیٹھ پیچھے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور آج کل کے برائے نام مسلمانوں مین کوئی فرق نہیں تھا۔وہ بھی اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے اور آج بھی سب اللہ کو دھوکہ دینے کے در پے ہیں۔انکو بھی لگتا تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو اب وہ جو چاہیں کرتے رہیں اللہ ان سے باز پرس نہیں کرے گا اور آج بھی سب کو یہی لگتا ہے؟؟؟؟ لیکن وہ ذات جو شہ رگ سے بھی قریب ہے انسانوں کے کیسے دھوکے میں آسکتی ہے؟؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے۔ان کے دلوں میں نفاق تھا اور پھر اللہ نے انکے منافقت اور جھوٹ میں اور بڑھا دیا اور ایک دردناک عذاب کی نوید بھی سنادی۔

اور دوسری بات یہ کہ یہی لوگ خود بھی گمراہ تھے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔جیسے کہ آج کل کے یہ برائے نام مسلمان خود تو گمراہی کے رستے پر چل ہی رہے ہیں ساتھ میں دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں۔جیسا کہ آج جو سود کھا کر گناہ کما رہا ہے وہ دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیتا ہے کہ اس سے مال میں اضافہ ممکن ہے۔ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کوئی بھی حرام اور حلال میں فرق کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔زنا اور بے حیائی عام ہے لیکن کوئی بھی اسے روکنا تو دور برا سمجھنے پر بھی آمادہ نہیں ہے۔اور اللہ ان سب سے بے خبر نہیں ہے۔وہ ہمیں پہلے ہی بتا چکا ہے کہ اگر ان لوگوں سے کہو گے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو یہ لوگ الٹا الزام دیتے ہیں کہ فساد تو تم لوگ پھیلاتے ہو ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔۔

جیسا کہ اوپر کی آیت میں فرمایا کہ ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔سو ایسے لوگوں کو ہم مسلمان نہیں سمجھ سکتے جن کو اللہ نے اپنی امت میں شامل نہ کرنے کا عندیہ دیا ہے۔اسلیے کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہیں۔۔

بھلا اللہ کے احکامات کے خلاف جانے والے بھی اصلاح کرنے والے ہو سکتے ہیں؟؟؟

کبھی بھی نہیں۔۔کیوں کہ اسلام اصلاح کرنے والا دین ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ دھوکہ کرنے والے ہیں وہ بھلا کیسے اصلاح کر سکتے ہیں۔

۔اب اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور آیت پڑھتے ہیں۔۔جس میں اللہ فرماتا ہے کہ۔۔

۔بے شک کافروں کے لیے برابر ہے کہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔وہ ایمان نہیں لائینگے۔اور اللہ نے انکے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے اور انہیں بڑا عذاب ہوگا۔

اب اس آیت میں مراد وہی منافق لوگ ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں دل سے اللہ اور رسول سے دھوکہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔تو اللہ فرماتا ہے کہ اگر آپ انہیں ڈراؤ گے تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ یہ اپنی گمراہی میں بہت بڑھ چکے ہیں۔اور اللہ نے انکی دلوں کی سختی کو اور بڑھا دیا ہے۔انکو اچھے برے کی سمجھ نہیں آتی۔ایسے لوگوں کو آپ جتنی بھی تبلیغ کرو گے وہ سیدھے راستے پر نہیں آئینگے۔کیونکہ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔۔۔

تو ایسے لوگوں کے ساتھ رسول ﷺ نے کیا کیا مولوی صاحب؟؟حیدر نے پوچھا۔

انہوں نے جہاد کیا۔ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کیا انہوں نے۔کیونکہ اللہ نے انکو ان آیات میں بتا دیا تھا کہ آپ چاہیں جتنی بھی کوشش کر لیں ان لوگوں کے دل نہیں پھیر سکتے۔اور یہ لوگ فساد پھیلاتے رہینگے۔سو ایسے لوگوں کو تبلیغ کرنے سے بہتر ہے کہ انکے ساتھ جہاد کیا جائے۔۔

چلو بیٹا آج تو گھر چلو میرے ساتھ۔۔تیری اماں بہت یاد کرتی ہے تجھے اور آج تو میں اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ تجھے لے کر آؤنگا۔۔

ٹھیک ہے ابا۔۔میں مولوی صاحب کو بتا کر آتا ہوں۔وہ چلا گیا

فضل اللہ دو ہفتے بعد آیا تھا۔آج تو صبح جمیلہ کو بتایا کہ وہ رحمت کو ملنے جا رہا ہے تو اس نے تو ضد ہی پکڑ لی کہ وہ رحمت کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔اسلیے اس نے رحمت سے ملتے ہی اسے ساتھ جانے کو کہا۔بغیر کوئی دوسری بات کیے۔

وہ واپس آیا تو کپڑے بدلے اور اسکے ساتھ جانے کیلیے تیار ہو گیا۔فضل اسے لے کر سیدھا گھر کیلیے

روانہ ہوگیا۔

گھر پہنچا تو جمیلہ کو اپنا انتظار کرتے ہوئے ہی پایا۔ وہ جانتا تھا کہ آج جب اسے رحمت کو لے کر آنا ہے تو وہ صبح سے انہی کا انتظار کر رہی ہوگی۔۔۔وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے جمیلہ دوڑ کر انکے پاس آئی اور رحمت کو گلے لگا کر پیار کرنے لگی۔اسکی انکھوں کی نمی فضل سے چھپی نہیں رہ سکی۔وہ بھی اپنی ماں سے ایسے ملا جیسے صدیوں بعد ملا ہو۔اور جمیلہ کا تو وہ حال تھا جو ہر ماں جانتی ہے جسکا بیٹا زندگی میں پہلی بار اس سے ڈیڑھ مہینہ دور رہا ہو۔

فضل اپنی سائیکل لے کر دکان پر چلا گیا۔گھر پر صرف زینت اور وہ ماں بیٹا رہ گئے۔اسکی آمد کا سن کر زینت بھی باورچی خانے سے نکل آئی۔وہ رحمت کو بلکل چھوٹے بھائیوں کی طرح پیار کرتی تھی۔وہ تینوں جا کر اسی نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھ گئے۔زینت تو ہانڈی دیکھنے چلی گئی کیونکہ آج اس گھر میں اوقات کے مطابق اچھا کھانا بنا تھا۔۔

رحمتے تو کھاتا تو ہے ناوہاں؟؟؟؟ کھانا ملتا ہے تجھے؟؟ مجھے تو لگتا ہے کہ تو کھاتا ہی نہیں ہے دیکھو تو کتنا سامنے نکل آیا ہے۔۔جمیلہ ہر ماں کی طرح فکر مند ہوئی۔

ہاں اماں ملتا ہے اور میں تو پیٹ بھر کر کھاتا ہوں۔۔

تو تو اتنا کمزور کیوں ہوگیا ہے؟؟؟؟

اماں میں ٹھیک ہوں اور بلکل ٹھیک سے کھانا کھاتا ہوں۔۔

اور پھر کتنی دیر تک وہ ماں بیٹا باتیں کرتے رہے۔اتنی کہ کھانا بن گیا اور ان تینوں نے اسی درخت کے نیچے کھا بھی لیا۔کھانے کے دوران بھی وہ باتیں کرتے رہے۔جمیلہ کی حالت تو کوئی بھی دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ اسکا بیٹا سالوں بعد لوٹ کر آیا ہے۔

عصر کی نماز پڑھنے گیا تو قاری ادریس سے بھی ملا۔وہ بہت تپاک سے ملے۔۔

ارے رحمت بیٹا کیسے ہو؟؟؟؟ کب آئے ہو؟؟ نماز سے فارغ ہو کر وہ جیسے ہی انکے پاس گیا تو وہ حیران ہوتے ہوئے بولے۔

قاری صاحب آج ہی ابا کے ساتھ آیا ہوں۔۔

واپس جانا ہے؟؟؟انہوں نے پوچھا

جی قاری صاحب پرسوں ابا کے ساتھ جاؤنگا۔

خوش ہو وہاں رحمت اللہ؟؟؟؟انکی آنکھوں میں کچھ عجیب قسم کا سوال تھا۔

جی خوش ہوں۔پہلے اداس تھا لیکن اب تو ٹھیک ہوں۔۔

سبق پڑھتے ہو؟

جی۔جواب مختصر تھا۔

کون پڑھاتا ہے؟؟؟وہ جانے کیا پوچھنا چاہ رہے

مولوی شہاب الدین ۔۔

ہم۔انہوں نے لمبی سانس لی ۔۔

رحمت بیٹا میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ واپس آجاؤ مت رہو وہاں پہ۔اگر چہ یہ بات میں پہلے تم سے اور تمہارے والد کو کہہ چکا تھا لیکن تم دونوں نے نہیں مانی اور آج پھر کہہ رہا ہوں۔۔

لیکن کیوں قاری صاحب؟؟؟آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟؟وہ حیران ہوا۔آخر قاری صاحب ہر وقت اسے منع کیوں کرتے ہیں۔ایسی بھی کیا بات ہے مدرسے میں پڑھنے میں۔

اسکی ایک وجہ ہے رحمت جو میں تمہیں منع کرتا ہوں لیکن بتا نہیں سکتا۔تم بچے ہو ابھی۔انہوں نے مبہم سی بات کی۔

لیکن اب میں سبق شروع کر چکا ہوں اب چھوڑ تو نہیں سکتا۔وہ اب بھی اپنے اسی ارادے پر قائم تھا جو آج سے ڈیڑھ مہینے پہلے تھا۔

تو وہی سبق تم دوبارہ یہاں شروع کرلو گے۔میں پڑھاؤنگا تمہیں۔

لیکن کیوں قاری صاحب؟؟آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ میں مدرسے میں نہ پڑھوں؟؟؟

قاری صاحب کچھ نہیں بولے۔اسی ایک سوال کا جواب ہی تو نہیں تھا انکے پاس۔

اچھا چلو بیٹا جیسی تمہاری مرضی۔خوش رہو۔انہوں نے اُٹھتے ہوئے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔وہ بھی انکے ساتھ اُٹھ گیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پتا نہیں کیوں قاری صاحب کو مدرسے سے اتنی چڑ ہے؟؟؟؟؟یہی سوچتے ہوئے گھر پہنچ گیا

بابا آپ کا گھر کہاں ہے؟؟؟؟؟

کیوں بیٹے میرے گھر کا پتا کر کے کیا کرنا ہے؟؟؟؟بابا ہنستے ہوئے بولے۔

ویسے ہی۔آپ اکیلے رہتے ہیں؟؟؟اس نے پھر پوچھا۔

نہیں بیٹا۔میری ایک پوتی رہتی ہے میرے ساتھ۔۔بابا نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

تو بابا وہ کہاں ہے ابھی آپ تو یہاں ہیں تو۔۔۔اسنے بات ادھوری چھوڑ دی۔

وہ سکول گئی ہے۔۔بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔

وہ کونسی کلاس میں ہے؟؟؟؟اسنے ایک بار پھر پوچھا۔۔

پانچویں میں۔۔

مجھ سے دو کلاسیں آگے ہے۔۔۔وہ سوچتے ہوئے بولا۔

ہاں بیٹا لیکن وہ تمہاری طرح کھیلتی نہیں ہے؟؟؟؟؟انہوں نے اسکے گال پر پیار کرتے ہوئے بولا۔

کیوں؟؟؟؟

اسلیے کہ وہ سکول سے آنے کے بعد گھر کا کام کرتی ہے کھانا بناتی ہے اور بس مجھ سے باتیں کرتی ہے

۔۔

اسے کھانا بنانا آتا ہے؟؟؟؟؟وہ حیران ہوا۔

ہاں بیٹا اسے کھانا بنانا آتا ہے۔۔

لیکن وہ کھیلتی کیوں نہیں؟؟اسکے پاس کھلونے ہیں؟؟؟؟؟اس نے ایک بار پھر پوچھا

نہیں بیٹا اسکے پاس کھلونے نہیں ہیں۔گڑیا بھی وہ اکثر مانگتی ہے لیکن میں نہیں لے جا سکتا۔۔

اتنے میں سکول میں وقفہ ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی۔وہ اپنی کلاس کی طرف بھاگا۔اپنے وقت پہ چھٹی ہوئی تو اپنے گھر چلا گیا۔

طوبیٰ تم مجھے ایک گڑیا دے سکتی ہو؟؟؟؟شام کو وہ طوبیٰ سے بولا۔

کیوں؟؟؟؟؟اس نے حیرت سے پوچھا

ویسے ہی۔بس مجھے چاہیے۔آٹھ سال کا ہو کر بہت بڑا سوچ رہا تھا۔

نہیں میں تمہیں اپنی گڑیا کیوں دوں؟؟؟میں نہیں دونگی۔۔

پلیز طوبیٰ مجھے چاہیے،وہ لیے بغیر نہیں چھوڑ رہا تھا۔۔

ایک شرط پر دونگی۔۔

وہ کیا؟؟؟وہ حیران ہوا۔

تم مجھے اپنا وہ بیگ دو گے جو تم نے پچھلی دفعہ پاپا کے ساتھ جا کے لیا تھا اور جو مجھے بہت پسند ہے لیکن تم مجھے نہیں دیتے۔۔

کیا؟؟؟؟پاگل ہو گیا؟؟؟وہ میں کبھی نہیں دونگا وہ مجھے پسند ہے۔۔

تو میں بھی گڑیا نہیں دونگی۔۔۔وہ بھی اٹک گئی تھی۔

طوبیٰ پلیز مجھے چاہیے۔تم بے شک میری گھڑی لے لو جو پاپا نے دی تھی یا میرا ویڈیو گیم لے لو یا میری وہ گاڑی لے لو۔اسنے سامنے پڑی کھلونا گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

نہیں میں نہیں دونگی اپنی گڑیا تم حباء سے لے لو۔۔

نہیں وہ چھوٹی ہے تم دے دو پلیز۔۔اب وہ باقاعدہ التجا کر رہا تھا۔

مجھے اگر اپنا بیگ دو گے تو گڑیا دونگی ورنہ نہیں۔۔

وہ چپ ہوگیا۔کسی قیمت پر اپنا بیگ نہیں دے سکتا تھا۔وہ بیگ تو اس نے بہت شوق سے خریدا تھا۔تقریباً ایک مہینے پہلے خاور کے ساتھ بازار گیا تھا تو اس نے بہت پسند سے وہ بیگ لیا تھا۔اور اس بیگ کی تو اسکے دوستوں نے بھی بہت تعریف کی تھی۔اور تو اور طوبیٰ کو کتنا پسند تھا وہ بیگ۔اور وہ اس سے کتنا مانگ رہی تھی لیکن اس نے نہیں دیا۔اور آج وہ اس سے گڑیا کے بدلے وہی بیگ مانگ رہی تھی۔۔

جاؤ نہیں دونگا بیگ۔میں دوسری گڑیا خرید لونگا۔وہ غصے میں بولا۔بھلا یہ بھی کوئی بات تھی کہ وہ فائدہ اٹھا رہی تھی۔

ہاہاہا۔۔۔بھیا تم گڑیا خریدو گے؟؟؟؟؟ وہ حیران ہوتے ہوئے بہت ہنسی۔

لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور باہر چلا گیا۔

وہ رات تک طوبیٰ سے بات نہیں کر رہا تھا۔ناراض رہا کہ شاید وہ اسے دے دے لیکن اس نے نہیں دی۔۔

دفع کرو میں نہیں لونگا اس سے، میں دوسری لے لونگا۔۔اس نے غصے میں سوچا۔

طوبیٰ تم مجھے گڑیا دے دو اور میرا بیگ لے لو۔وہ لوگ سونے کیلئے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ تھوڑی دیر بعد طوبیٰ اور حباء کے کمرے میں آیا۔۔

کیا واقعی بھیا؟؟ آپ مجھے اپنا بیگ دے رہے ہیں؟؟؟؟؟ وہ اچھل ہی تو پڑی۔اسے گڑیا کی ایسی کیا ضرورت تھی جو وہ اپنا پسندیدہ بیگ دے رہا تھا اسکے بدلے میں۔

ہاں تم لے لو۔اگر چاہتی ہو تو ابھی میں اپنی بکس نکال دیتا ہوں۔صبح پھر دیر ہوجائے گی لیکن تم مجھے اپنی گڑیا بھی ابھی دے دو۔وہ شاید ہر قیمت پر گڑیا لے لینا چاہتا تھا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔کل پھر ماما صبح ڈانٹے گی۔تم مجھے ابھی دے دو۔۔۔وہ بھی تیار تھی۔وہ بیگ صبح اپنی دوستوں کو دکھانے کے خیال سے وہ بہت خوش تھی سوا سے اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ وہ ایک گڑیا کیلئے اپنا بیگ کیوں دے رہا ہے۔۔۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنا بیگ خالی کیا اور اپنا سامان دوسرے اپنے پرانے بیگ میں منتقل کر کے وہ اسکے کمرے میں گیا اور اسے بیگ دے کر گڑیا لے آیا۔۔

اگلے دن اسکے پاس پرانا بیگ اور طوبیٰ کے پاس اسکا نیا بیگ دیکھ کر خاور اور ثمینہ اچھے خاصے حیران

ہوئے اور پوچھا بھی۔وہ اس بیگ کیلئے اسکی پسندیدگی جانتے تھے اسلیے حیران ہوئے۔۔

بابا میں نے طوبیٰ کو دے دیا ہے۔اس نے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا۔

بابا یہ گڑیا لے لیں اور اپنی پوتی کو دے دیں۔میں نے اپنی بہن سے لی ہے۔

اور سکول کے وقفے کی جیسی ہی گھنٹی بجی۔وہ بھاگتا ہوا بابا کے پاس آیا۔وہ اپنا بیگ اپنے ساتھ لایا تھا۔کسی کو دکھانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے بیگ میں کیا لایا ہے۔فیضان کو بھی اس نے کچھ نہیں بتایا۔

کریم داد یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔۔

بابا یہ گڑیا بولتی بھی ہے۔اس نے خوشی سے اسے بتایا۔۔۔

کریم داد پھر بھی کچھ نہیں بولا۔وہ بولتا بھی تو کیا؟؟بس پانی کے کچھ قطرے تھے جو اسکی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ گئے۔جانے یہ لڑکا کتنی دفعہ مجھے رلائے گا۔اس نے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے سوچا۔۔

بیٹا یہ تم اپنی بہن کو دے دو۔میری پوتی کو اسکی عادت نہیں ہے۔وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

عادت پڑ جائے گی بابا آپ اسے دے دیں۔اسے اچھی لگے گی۔دیکھیں یہ اسطرح گانا گاتی ہے۔

اس نے گڑیا کے پیچھے لگا ہوا ایک ایک چابی نما پرزہ گھمایا اور گڑیا رکھ دی تو وہ واقعی گانے لگ گئی۔۔

بابا میری بہن کے پاس اور بھی ہیں اس نے یہ مجھے دے دی۔یہ تو وہ بتا ہی نہیں پایا کہ اس گڑیا کی اس نے کیا قیمت دی ہے۔اپنا پسندیدہ بیگ دیا تھا اسکے بدلے میں۔

بابا ابھی تک کچھ نہیں بولا۔وہ بولنے کے قابل کہاں رہا تھا۔اس نے تو اپنی زندگی میں لوگوں کی نظروں میں اپنے لیے زیادہ تر تو حقارت ہی دیکھی تھی لیکن بہت کم لوگوں کی نظروں میں رحم بھی دیکھا تھا جو اسے اس حقارت سے زیادہ تکلیف دیتا تھا۔وہ لوگوں کو دیکھ دیکھ کر خود پر پڑنے والی نظروں اور چہروں کے تاثرات کو سمجھ چکا تھا۔کم سے کم اتنا تو کہ کون اسکے بارے میں کیا سوچتا ہے۔۔

لیکن یہ لڑکا اسے بہت حیران کرتا تھا۔اسکی نظروں میں نہ تو حقارت تھی نہ ہی رحم۔یہ تو احترام اور عزت کی نظر تھی جس کے سوچ کو بھی وہ عرصہ پہلے اپنے بیٹے کی لاش کے ساتھ دفنا کر آیا تھا۔۔اور اپنی پوتی کی بے انتہا فرمائش پر بھی وہ اسے گڑیا نہیں لے کر دے سکا تھا لیکن آج یہ بچہ اسکی پوتی کیلئے گڑیا لایا تھا۔

اکثر اوقات جب انسان اپنے لیے لوگوں کی نظروں میں ایک ہی تاثر دیکھتے دیکھتے اچانک دوسرا دیکھ لے تو وہ اس سے سنبھالا نہیں جاتا اور آنسو اسکی آنکھوں سے نکل پڑتے ہیں۔اور غریب کے آنسوؤں کو تو نکلنے کا بھی بہانہ ہی چاہئے ہوتا ہے۔پلکوں پر ہوتے ہیں،ادھر تیز ہوا چلی اور ادھر وہ بہہ نکلے

-

آ پکو پسند نہیں آئی ؟؟؟ وہ آنکھوں میں سوال لیے کھڑا تھا۔بچہ تھا۔اسکے رونے کی وجہ نہیں جان پا رہا تھا اور انداز ہ لگا رہا تھا کہ اسے گڑیا پسند نہیں آئی ۔اسکی آواز پر کریم داد سوچوں کی دنیا سے نکل آیا۔

نہیں بیٹا نہیں۔نہیں ایسی بات نہیں ہے۔مم مجھے بہت پسند ہے اور وہ بھی بہت خوش ہوگی دیکھ کر۔وہ بہنا با جرہ۔۔میری پوتی۔۔۔۔۔۔بابا بہت بے ربط الفاظ بولا۔

ٹھیک ہے بابا جی۔اب میں چلتا ہوں۔فیضان کو بھی نہیں بتا کر آیا۔اس نے اپنی جیب سے بیس روپے کا نوٹ نکالا اور بابا کی پھیلی ہوئی جھولی میں ڈال کر واپسی کیلئے قدم بڑھائے۔۔

کریم داد اسے ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔کچھ بھی نہیں بولا بس اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔اور پھر آنکھوں کو مسلتے ہوئے پلکوں پر آئی ہوئی نمی کا راستہ روکا۔۔

گانے والی گڑیا اسکے پاس ہی زمین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ویسی ہی کھڑی تھی جیسے وہ چھوڑ گیا تھا۔کریم داد نے جلدی سے اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔مبادا اسکی پوتی کی اتنی بڑی خوشی کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔اور وہ جانتا تھا کہ غریبوں کی خوشیوں کو نظر بھی تو بہت جلدی اور آسانی سے لگتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجاہد اللہ کو مدرسے میں آئے ہوئے تقریباً تین مہینے ہوگئے تھے۔ان مہینوں میں اس نے کئی بار کوشش کی کہ وہ گھر چلا جائے۔اسے بہت زیادہ تو نہیں لیکن کبھی کبھی اپنا گھر یاد ضرور آتا تھا اور ان لمحات میں اسکا شدید دل کرتا اپنے گھر اور اپنے گاؤں جانے کا۔آج بھی صبح کی سیر کے بعد اس نے علی حیدر سے کہا۔۔۔

حیدر میرا بہت دل کر رہا ہے کہ میں گھر جاؤں۔کچھ دن اپنے گھر میں گزارنا چاہتا ہوں یار۔۔۔۔

ہاں تو جاؤنا۔۔قاری صاحب سے بات کرلو اور پھر جاؤ۔

ہاں سوچ رہا ہوں کہ آج کرلوں۔۔

مجاہد قاری صاحب ٹھیک کہتے ہیں نا کہ اگر ہم ساری برائی کو ختم نہیں کرسکتے تو کم ازکم اپنے حصے کا کچرا تو صاف کرسکتے ہیں نا۔۔۔

کیا مطلب؟؟؟؟؟؟

کل زین اور گل میر تبلیغ سے واپس آئے ہیں۔وہ کہہ رہے تھے کہ اس ملک میں تو ہر بندہ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے سے نالاں ہے۔انہوں نے جس جس کو بھی روکنے کی کوشش کی سب نے یہی کہا کہ

یہ ہمارا اپنا معاملہ ہے تم لوگ اس میں مداخلت نا کرو۔۔

تو۔۔۔۔اسنے حیرانی سے پوچھا۔۔

تو کچھ نہیں لیکن مجھے تو قاری ثناءاللہ کی ساری باتیں دل پر لگی ہیں۔۔۔

ہاں یار باتیں تو وہ ٹھیک کرتے ہیں اور پھر بڑے مولانا صاحب تو سونے کی بات کرتے ہیں۔۔۔

میں ایک بات بتاتا ہوں تمہیں مجاہد۔میری بہت بچپن سے خواہش تھی کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہوجاؤں، کہیں کسی کافر سے لڑتے لڑتے اور میری کوشش ہو کہ میں اسے ماروں اور وہ مجھے مارنا چاہے اور پھر میں دوچار کو جہنم واصل کردوں اور خود بھی شہید ہوجاؤں۔

ہاں یار جہاد اور شہادت کا شوق کس مسلمان کو نہیں ہوتا۔جو اپنے اللہ اور نبی ﷺ سے عشق کرے گا وہ جہاد سے بھی اتنا ہی عشق کرے گا۔۔

لیکن جہاد تو ضروری نہیں ہے کہ کافروں سے ہی کیا جائے اور بھی تو طریقے ہیں۔۔

رہنے دو یار۔اب مجھے وہ جہاد بالنفس اور جہاد بالقلم نہ شروع ہوجانا۔سب جانتے ہیں کہ یہ مسلمان قوم اب تبلیغ سے سدھرنے والی نہیں ہے۔۔

ہاں اس دن مولانا صاحب بھی تو کہہ رہے تھے کہ وہ بہت سے شاگردوں کو بھیجتے ہیں لوگوں کی اصلاح اور انہیں اللہ کی طرف لانے کیلئے لیکن کوئی نہیں سمجھتا اور سب ناکام ہی ہوجاتے ہیں تو اس حالت میں ایک ہی حل رہ جاتا ہے نا کہ جہاد کیا جائے۔۔۔

اور یہی باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے درسے پہنچ گئے۔

جمعے کا دن تھا اور بڑے مولانا صاحب کا درس تھا۔ناشتے سے فارغ ہوکر وہ پانچوں بھی درس کیلئے بیٹھ گئے۔۔

مولانا صاحب اپنی ازلی رعب دار شخصیت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ایسا لگ رہا تھا کہ روشنی کا ایک ہالہ انکے چہرے کا طواف کرتا ہے لیکن جتنی بڑی شخصیت تھی اتنی ہی اللہ نے سادگی بھی دی ہوئی تھی۔گاؤ تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئے اور نہایت بھاری لیکن پرنور آواز میں درس شروع کیا۔

اس دنیا کا نظام سزا اور جزا کے عمل پر چلتا ہے۔سزا نہ ہو تو جزا نہیں ملتی۔میری بات کی مثال اس طرح لے لیں کہ اگر کسی بچے کو اس کے والدین ہمارے پاس چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ یہاں سے عالم بن کر نکلے گا اور اپنے دین اور علم کی روشنی پھیلائے گا لیکن یہاں آکر وہ نہیں پڑھتا۔وہ بچہ ہے اور وہ کبھی بھی پڑھنا نہیں چاہتا لیکن ہم اسے زبردستی پڑھاتے ہیں اور یہ زبردستی بھی تب تک نہیں ہوسکتی جب تک اسے

سزا کا خوف نہ ہو۔تو یہاں دو چیزیں آتی ہیں۔ایک سزا اور دوسرا سزا کا خوف۔۔
ایک ہوتی ہے سزا اور وہ جس کو ملتی ہے وہ سبق سیکھ جاتا ہے اور پھر آئندہ وہ غلطی نہیں کرتا۔۔
جیسے کہ عرب میں چوری کرو تو ہاتھ کاٹ دیے۔زنا کرو تو سنگسار کر دیا۔جو سزا اسلام تجویز کرتا ہے وہ اگر دینی شروع ہو جائے تو اس معاشرے کے آدھے سے زیادہ جرائم ختم ہو جائینگے لیکن بدقسمتی سے یہاں پر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔یہاں پر بااختیار وہ ہے جو سب سے زیادہ گرا ہوا ہے،معزز وہ ہے جو بااختیار ہے غریب کو کون پوچھتا ہے؟؟؟؟
ہمارے پیغمبر نے اور صحابہ نے جو زندگی گزاری ہے اسی کی ضرورت ہے ہمیں۔انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور امن میں بھی رہے۔خوشیاں بھی دیکھیں اور غم بھی سہے تبلیغ بھی کی لیکن جب کوئی نہیں مانا تو انہوں نے اسکے خلاف جہاد بھی کیا۔آج بھی عیسائی اور مشنری لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو سارا کچھ جانتے بوجھتے بھی سب خاموش ہیں۔۔کوئی کچھ نہیں بول رہا۔کیونکہ ہماری سرکار مسلمان نہیں ہے۔۔
جو لوگ کہتے ہیں کہ جو جیسے چل رہا ہے اسے ویسے چلنے دو میں انہیں مسلمان نہیں مانتا۔ایک مسلمان کیسے کہہ سکتا ہے کہ جو جیسے چل رہا ہے اسے ویسے چلنے دو۔مسلمان کا شیوہ تو اللہ کے دین کی سربلندی اور بول بالا کرنے کیلئے اپنے گھوڑے دریاؤں میں ڈالنا ہے۔پھر آج سب کیوں کہتے ہیں کہ جو جیسا ہے ویسے رہنے دو۔۔
اصلاح ہمیشہ اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے۔جب گھر ہی بگڑا ہوا ہو تو باہر کسی کو کیا تبلیغ کا فائدہ۔سمجھانا ہے تو پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ۔ہمارے رسول ﷺ کے طریقے کو دیکھیں کہ کس طرح انہوں نے اصلاح اپنے گھر سے شروع کی۔بلکہ اپنے گھر نہیں بلکہ اپنے آپ سے شروع کی۔لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دوسروں کو کوئی اچھی بات ہی نہ سمجھاؤ۔ضرور سمجھاؤ اگر نہیں سمجھتا تو زبردستی کرو لیکن اسلام کا حکم منواؤ آپ اس سے۔۔
ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ۔۔۔
اللہ کی قسم اگر تیرے ذریعے کسی ایک آدمی کو ہدایت مل جائے تو تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔۔
تو ہدایت کیسے ملے گی؟ تب جب آپ اپنے آپکو وقف کرو گے کہ آپ نے اپنے ذریعے کسی کو ہدایت دینی ہے۔اسے برے کاموں سے روکنا ہے چاہے وہ تبلیغ کے ذریعے ہو یا پھر زبردستی۔پہلے تبلیغ کرو۔اسے سمجھاؤ،اسے روکو لیکن اگر وہ نہیں سمجھتا تو اسے زبردستی روکو۔ہمارے نبی نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔نجاشی کو خط لکھا۔اسے اسلام کی دعوت دی لیکن وہ اکڑتا رہا،نہ مانا تو لشکر کے ساتھ گئے۔

یہ جو گلی گلی کے علماء ہیں یہ گمراہی کے پلند ے ہیں۔کہاں لکھا ہے کہ برائی کو زبردستی مت روکو۔جب اللہ کے ہاں خود یہی دستور ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس دستور کو بدلنے والے۔پچھلی امتوں پر نظر ڈالو۔اللہ کا یہ قانون ہے کہ پہلے سمجھاؤ روکو برے کاموں سے اور اپنی طرف سے جتنا ہوسکتا ہے اتنا کرو لیکن اگر کوئی نہیں سمجھتا اور اکڑا رہتا ہے تو زبردستی کرو۔اللہ نے حضرت شعیبؑ کو بھیجا کہ ملاوٹ سے روکو،حضرت لوطؑ کو بھیجا کہ بے حیائی سے روکو،حضرت صالحؑ کو بھیجا اور ان سب نے اپنی پوری کوشش کی اپنی قوم کو سمجھانے کی لیکن کوئی نہیں مانا۔اصل میں یہ برائی جو ہوتی ہے نا یہ سونے جیسی ہوتی ہے۔دور سے ہی بندے کو نظر آجاتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی بھی ہے اور جب بندہ قریب جاتا ہے اور خرید لیتا ہے پھر تو بھلے کوئی اسکی جان بھی لے لے وہ اپنی ملکیت سے دستبردار کبھی نہیں ہوتا۔یہ ایک گہرا ڈھلوان خندق ہے جس میں جتنا اترتے جاؤ گے اتنا ہی مشکل سے باہر آسکو گے اور کبھی کبھی تو آپ اتنی گہرائی میں اتر جاتے ہو کہ نکلنا بہت ہی مشکل ہوجاتا ہے۔

اور یاد رکھو کہ گناہوں کی آخری حد کے پار کوئی ساحل نہیں ہے۔ایک گہرا کنواں ہے جس کے اوپر کوئی ڈھکن بھی نہیں ہے۔وہ کبھی بھرتا بھی نہیں ہے اور گناہوں کی زندگی اور اس کنویں کے بیچ میں صرف موت ہے۔۔۔۔۔

آپ نے کبھی سنا ہے کہ جو انسان سگریٹ پیتا ہے وہ اپنے آپکو تو نقصان دیتا ہے لیکن ساتھ میں وہ انسان بھی نقصان میں رہتا ہے جو اسکے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے چاہے وہ سگریٹ نہ بھی پیے۔مطلب یہ کہ نقصان میں ایک تو وہ رہا جو پی رہا تھا لیکن نقصان میں وہ بھی رہا جو اسکے ساتھ تھا جسے اس شخص کی غلطی کا پتا تھا لیکن اس نے نہیں روکا۔اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جو گناہ کر رہا ہے۔وہ تو گناہگار ہے ہی لیکن گناہگار وہ بھی ہے جو گناہ ہوتے دیکھتا رہا اور پھر بھی خاموش رہا۔جیسے اگر کوئی ظلم آپکی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو اور آپ ہوتے دیکھتے رہیں تو آپ بھی اس ظلم میں شریک ہوگئے۔۔

ہم میں سے ہر ایک خود کو مسلمان کہتا ہے۔اپنے نام کے آگے محمد اور پیچھے اللہ لگا کے سب کو خوشی ہوتی ہے لیکن انہوں نے جو کہا اس پر کوئی بھی عمل کرنے پر تیار نہیں ہے۔اللہ تو فرماتا ہے کہ تم وہ امت ہو جو برے کاموں سے روکتے ہو۔اور تم بہترین امت ہو۔۔

مطلب یہ کہ اللہ نے خود فرمادیا کہ تم بہترین امت تو ہو لیکن اس امت میں شامل ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ تم نیکی کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو۔اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر تمہارا شمار اس امت میں نہیں ہوگا جو بہترین ہے۔۔

اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا طریقہ بھی اسکے نبی ﷺ نے بتادیا ہے۔کہ برائی

کوزوربازو سے روکواور بے بس ہوتوزبان سے روکو اتنا بھی نہیں کر سکتے تو دل سے برا سمجھو۔۔
تو جب اللہ اوراسکا رسول فرماتا ہے کہ برائی اور گناہ کوروکوتو اس بات کو ماننے کی کیا تک رہ جاتی ہے کہ سب کی اپنی اپنی مرضی ہے۔یاد رکھو کہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے آنے کے بعد کوئی مرضی نہیں رہ جاتی۔ہماری رضاوہ ہوتی ہے جو اللہ اوراسکے رسول کی رضا ہوتی ہے۔جوانکی خواہش وہ ہماری خواہش اور جوان کیلئے ناپسندیدہ وہ ہمارے لیےحرام۔اب وقت ہے کہ ہر باعمل مسلمان اپنے دین کو بچانے کیلئے جہادشروع کرے۔اور یہ جہادکسی اور کے خلاف نہیں بلکہ ہماری اپنی صفوں میں موجوداسلام کے نام پرغیر مسلموں کے پیروکاروں کے خلاف ہوگی۔کیوں کہ جب تک اپنی صفوں کے منافقین ختم نہیں ہونگے۔تب تک ہم کسی غیر مسلم کوزیر کرنے کانہیں سوچ سکتے۔پہلے ان کوختم کرنا ہے بعد میں غیروں کوزیر کرنا ہے۔اپنے لوگوں کوصحیح معنوں میں مسلمان بنانا ہےپھر دوسروں کے بارے میں سوچیں گے۔
اب آخر میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی راہ پر چلنے کی توفیق اوراپناپسندیدہ بندہ بننے کی ہمت عطا کرے۔ہمیں وہ بندہ بنائے جو اسے پسند ہے۔وہ نہیں جوشیطان کاپسندیدہ ہے۔۔

کسی اور نے بھی توقوم لوط جیسا بننے سے پناہ مانگی تھی۔کسی اور نے بھی چاہا تھا کہ قوم عاد کی برائیوں سے اللہ انہیں محفوظ رکھے۔کسی اور نے بھی اللہ سے اسکاپسندیدہ بندہ بنانے کی استدعا کی تھی اور کسی اور نے بھی چاہا تھا کہ برائی کوروکا جائے اورختم کیا جائے لیکن دونوں میں بہت فرق تھا۔الفاظ تو کچھ کچھ ایک جیسے تھےلیکن نیت بلکل مختلف تھی اورنیتوں کا حال اللہ کےعلاوہ کسی کونہیں تھا۔
لیکن اب تووہ جان گیا تھا نیتوں کافرق بھی اوردونوں دعاؤں کی حقیقت بھی۔۔
لیکن اب وہ دلدل میں اتنا نیچے گر گیا تھا کہ واپس نکلنا ناممکن تھا۔۔۔
اس نے ایک سرد آہ بھر کر آسمان کی طرف نظر کی لیکن پھر وہاں سے بھی شرمندہ ہوکر آنکھیں بند کر کے زمین پر بیٹھ گیااور سر پیچھے بڑے پتھر کے ساتھ لگا دیا۔۔۔۔

تیسرے دن فضل اسے واپس مدرسے چھوڑ آیا۔ایک بارپھر وہ رویا تھااورایک بار پھر جمیلہ کی آنکھوں نے بھی برسات برسائی۔لیکن اس باراس نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی البتہ اس سے دو ہفتے بعد دوبارہ آنے کاوعدہ ضرورلیا تھا۔
مدرسے آنے کے بعد وہ اتنا اداس نہیں تھااورویسے بھی اب تو اسکی کافی لڑکوں سے دوستی ہوگئی تھی۔سب سے زیادہ دوستی اسکی ثاقب کے ساتھ تھی۔اب وہ روزشام کوکھیلنے بھی جاتا تھا۔کھیلنے میں تووہ

ویسے بھی اچھا تھا سو سارے اسکو کھلانے پر خوش ہی ہوتے ۔۔

ثاقب تمہیں ایک بات بتاؤں ۔اس شام مدرسے کے پیچھے والے میدان میں جاتے ہوئے وہ بولا۔

ہاں بتاؤنا۔۔

میرا نشانہ بہت پکا ہے ۔میں محلے میں دور سے غلیل سے کسی کے بھی گھر میں لگے پھلوں کا نشانہ لے کر پتھر پھینکتا اور پتھر سیدھا پھل کو گراتا اور یوں ہم پھل کھاتے ۔

اچھا۔۔۔وہ حیران ہوا۔

ثاقب وہ جو اس دن مولوی صاحب تم لوگوں کا نشانے کا مقابلہ کروا رہے تھے بوتل رکھ کر تو میں نے سوچا کہ میں جا کر لگاؤں نشانہ لیکن مجھے ڈر لگ رہا تھا کیوں کہ وہ تو بڑے طالبوں کا مقابلہ تھا۔۔۔

ارے پاگل ہو گئے ہو کیا؟؟؟ آجاتے نا۔۔۔

اور چلتے چلتے اچانک ہی ثاقب رکا۔۔

تم یہی رکو رحمت میں ابھی آتا ہوں ۔وہ واپس مدرسے کی طرف مڑا۔۔

کہاں جا رہے ہو؟؟؟ وہ حیران ہوا

تم رکو میں آتا ہوں ۔۔اور وہ مدرسے کی سمت بھاگا۔۔۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہاں سے واپس آتا دکھائی دیا

چلو۔۔۔وہ رحمت کے ساتھ میدان کی طرف چلنے لگا

تم گئے کہاں تھے؟؟؟؟ اس نے پوچھا

تم چلو تو۔۔۔۔

وہ دونوں میدان میں پہنچے تو ثاقب نے جیب سے ایک چھوٹا سا غلیل نکال کر اسکے ہاتھ میں تھما دیا ۔یہ لو اور نشانہ باندھو، میں اینٹ رکھتا ہوں ۔غلیل اسکے ہاتھ میں تھما کر تھوڑی دور اس نے ایک اینٹ رکھی ۔رحمت نے زمین سے ایک کنکر اٹھایا اور نشانہ باندھا ۔غلیل چھوٹا تو کنکر سیدھا جا کر اینٹ پر لگا۔۔ثاقب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔۔

مطلب جو وہ کہہ رہا تھا کہ اسکا نشانہ اچھا ہے تو ٹھیک کہہ رہا تھا ثاقب نے اس بار اینٹ کا فاصلہ بڑھا دیا لیکن رحمت کا نشانہ اس بار بھی خطا نہیں ہوا ۔وہ چند لمحے رحمت کو دیکھتا رہا اور پھر جا کر اینٹ کا فاصلہ مزید بڑھا دیا ۔کنکر اس بار اینٹ پر تو نہیں لگا لیکن اسکے بہت پاس جا کر گرا ۔اتنا کہ اگر تھوڑا سا بھی سیدھا ہوتا تو اینٹ پر لگ جاتا۔۔۔

نشا نہ خطا ہوگیا تھا لیکن ثاقب پھر بھی اسے حیران نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر اچانک بھاگ کر اسکے گلے لگ گیا۔رحمت کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اسکے گلے لگا رہا۔۔۔۔۔۔۔

صباء مجھے ایک ہفتے کیلیے اسلام آباد جانا پڑے گا؟؟؟؟

اسلام آباد؟؟؟؟؟لیکن کیوں؟؟؟وہ بہت حیران ہوئی۔۔

اسلام آباد جانے میں اتنا حیران ہونے والی کونسی بات ہے؟؟؟؟وہ حسب معمول مذاق کرتے ہوئے بولا۔

اسلام آباد جانے میں نہیں لیکن وہاں ایک ہفتہ رہنے پر حیران ہوں۔وہ اسکی چائے میں چینی ملاتے ہوئے بولی۔۔

آج وہ بہت دیر سے گھر آیا تھا۔شام کو فون پر بتا دیا تھا کہ آج اسے ایک دوست کو دیکھنے ہسپتال جانا تھا اور اسکے بعد اسے بینک کے کچھ کام دیے گئے تھے جو آج ہی اسے کرنے تھے سو آج وہ رات کے کھانے میں بھی شامل نہیں ہوا تھا۔پچھلے چار مہینے سے صباء کو بھی رات کے کھانے پر اسکی عادت ہوگئی تھی اسلیے اسکے بغیر دل بھی نہیں کر رہا تھا لیکن پھر رضا اور کامران کے اصرار پر اسے کھانا ہی پڑا اور اب بھی رات ساڑھے دس بجے وہ دوبارہ اسکے ساتھ کھا رہی تھی۔۔

وہاں ایک ہفتہ نہیں گزارنا چاہیے کیا مجھے؟؟؟

نہیں بلکل نہیں۔اسلام آباد تو اتنا قریب ہے،آپ روز آسکتے ہیں۔پورا ہفتہ کیوں رہیں گے وہاں۔۔وہ چھوٹا سا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔۔

کیا؟؟روز کیسے آجا سکتا ہوں میں؟؟جانتی ہو مجھے صبح آٹھ بجے دفتر پہنچنا ہوتا ہے۔وہ اسکے مطالبے پر حیران ہوا۔

ہاں تو صبح پانچ بجے نکل سکتے ہیں نا آپ،میں صبح صبح اُٹھ کر ناشتہ کروا دیا کرونگی۔۔۔

ارسلان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔جی بھر کر پیار آیا اس لڑکی پر۔کتنا پیار سموئے ہوئے تھی وہ اپنے دل میں۔وہ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔

اور پھر اچانک ایک نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے اس نے ہاتھ روک لیا۔۔۔

صباء۔۔۔۔۔

وہ نیچے دیکھ رہی تھی۔ارسلان کے آہستہ سے بلانے پر نظریں اُٹھائی۔اپنے چہرے کے بلکل پاس اسکا ہاتھ اور اس میں نوالہ دیکھ کر وہ ہنسی۔اور دوسرے ہی لمحے اپنا منہ تھوڑا سا کھول دیا۔۔

ارسلان کو لگا کہ وہ تھوڑی سی اداس ہو گئی تھی اسکی بات سن کر۔اور اسے تو وہ اداس رہنے ہی نہیں دے سکتا تھا۔یا اسکے بس میں نہیں تھا۔

آؤچ۔۔۔۔۔۔ڈریکولا ہو کیا؟؟؟؟؟ ارسلان نے نوالہ اسکے منہ میں رکھا تو اچانک اس نے اپنے دانتوں سے اسکی انگلیوں پر کاٹ لیا اور یہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔وہ آج تھکا تھکا اور خاموش خاموش تھا لیکن صبا کو تو خاموش ارسلان نہیں بلکہ ایک ہنستا مسکراتا اور تنگ کرتا ارسلان ہی اچھا لگتا تھا۔یہ الگ بات کہ وہ اسے بہت تنگ کرتا تھا۔لیکن اب تو اسے اسکا تنگ کرنا بھی بہت اچھا لگتا تھا۔۔تو آج وہ خاموش کیوں تھا۔

نہیں ڈریکولا تو نہیں ہوں لیکن آپ اتنے پیار سے دے رہے تھے کہ میرا دل کیا کہ نوالے کے ساتھ انگلیاں بھی کھا لوں ۔وہ ہنستے ہوئے بولی ۔۔

ہاں میں پیار سے دے رہا تھا تو تم نے سوچا کہ آج اس کو ایسا سبق سکھاتی ہوں کہ آئندہ پیار جتانے کا سوچ ہی نہ سکے ۔وہ اپنی پرانی طبیعت پر لوٹ آیا تھا۔وہ کامیاب ہو گئی۔۔

گھر میں گوشت ختم ہو گیا ہے؟؟؟؟

نہیں گوشت تو پڑا ہے۔کیوں؟؟؟؟؟

اس لیے بی بی کہ تم میرا گوشت جو کھانے کے چکر میں ہو۔۔۔وہ ٹھنڈی رات میں گرم چائے کا سپ بھرتے ہوئے بولا

گوشت تو فریج میں پڑا ہے لیکن وہ انسانی نہیں ہے۔کھانے کے خالی برتن اٹھاتے ہوئے وہ اسے اور چڑا رہی تھی۔

تو پہلے کتنا انسانی گوشت کھا چکی ہو تم محترمہ؟اسی لیے تو کہتا ہوں کہ ڈریکولا ہو۔

پہلے تو نہیں کھایا اور آج بھی نہیں کھا سکی لیکن مستقبل قریب میں پکا ارادہ ہے انسانی گوشت کھانے کا۔وہ ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔۔

مسکراہٹ ارسل کے چہرے پر بھی تھی ۔وہ خوش ہو گئی تھی ۔اور وہ یہی چاہ رہا تھا۔۔

وہ بھی صوفے سے اُٹھ کر کپڑے بدلنے چلا گیا۔آج بہت تھکا ہوا تھا اور نیند بھی بہت آرہی تھی ۔۔

کون کہتا ہے زندگی دوبارہ نہیں ملتی ۔زندگی دوبارہ ضرور ملتی ہے ۔کچھ لوگ تو روح کی پرواز کے ساتھ مر جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ جسم سے روح کی پرواز کے ساتھ زندہ امر ہو جاتے ہیں ۔اور ایسے لوگوں

کوشہید کہتے ہیں ۔اسی کو اللہ اپنی کتاب میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔۔

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ۔ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں ۔۔

آل عمران:۱۶۹

تو ثابت ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والے کو مرا ہوا نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ وہ اللہ کے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں ۔تو جو انسان رزق پاتا ہے مردہ کیسے ہوسکتا ہے ۔اب اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ نے جو کل نفس ذائقۃ الموت کا وعدہ کیا ہے وہ جھوٹ ہے ۔ایسا بلکل نہیں ہے ۔موت شہید کو بھی آتی ہے ۔بلکہ وہ تو اللہ کی راہ میں لوگوں کی نظر میں اسی وقت مر جاتا ہے لیکن وہ اللہ کی نظر میں کبھی نہیں مرتا ۔اللہ کے پاس وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور یہ بات قرآن مجید میں اللہ نے واضح کر کے ان لوگوں پر بھی واضح کردیا تھا جو کہتے تھے کہ ۔۔۔

یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور انکے جو بھائی لڑنے گئے اور مارے گئے انکے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے ۔

آل عمران

آج آپ کو حدیثوں اور آیتوں سے اس لیے بتا رہا ہوں کہ کل کو کوئی برائے نام مسلمان آپ سے آپکے عمل کی تشریح مانگے تو آپ بتا سکو کہ آپ کا عمل اللہ اور اسکے رسول کے طرز پر اور انکی تعلیمات کے مطابق ہے ۔

تو حضرت امام حسین جو نبی ﷺ کے نواسے اور جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ

جب جسم موت کیلیے ہے تو اللہ کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے ۔۔

رسول ﷺ کا نواسہ فرماتا ہے کہ شہادت سب سے بہترین موت ہے اور انہوں نے صرف فرمایا ہی نہیں عملی طور پر اس پر عمل بھی کیا اور اکیلے نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ شہادت پائی ۔۔

نواسہ رسول کی شہادت سے ایک اور تلقین بھی ملتی ہے ہمیں ۔وہ یہ کہ انہوں نے شہادت تو قبول کر لی لیکن ظالموں کے سامنے سر نہیں جھکایا ۔اپنے خاندان کے افراد کے سر اپنی نظروں کے سامنے کٹتے ہوئے دیکھتے رہے لیکن اپنے عزم سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے ۔انکے ایمان کی یہ حالت تھی اور آج ہمارے ایمان کی کیا حالت ہے یہ ہم سے بہتر کون جانتا ہے؟؟؟

صحابہ کرام کی محبت کی انتہا ہی دیکھ لو ۔انگاروں پر ننگے پاؤں چلے ،تپتی ریت پر ننگے بدن لٹائے

گئے ،جسموں کوگرم سلاخوں سے داغا گیا۔ گلے پہ چھریاں پھیری گئی لیکن مجال ہے جو انکی محبت کم ہوئی ہو بلکہ مزید بڑھتی گئی ۔انگاروں پر وہ اللہ اکبر پڑھتے رہے ۔تپتی ریت پر اللہ اور رسول کا نام لیتے رہے ۔ظالم حکمران جن سے دنیا کانپتی تھی انکے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔

جا ؤمیرے بچے!اس دنیا کو بتادو کہ محمد ﷺ کے غلام ابھی زندہ ہیں ۔اسکے نام پر مرنے والوں کا وجود ابھی بھی ہے اس دنیا میں ۔ابھی اس دنیا سے مسلمان ختم نہیں ہوئے ۔

رحمتے تم اتنے دنوں بعد آئے ہو۔اماں یاد نہیں آتی کیا؟؟

اماں رحمتے نہ کہا کرو مجھے۔۔۔

کیوں؟؟؟؟؟؟؟وہ حیرانی سے بولی ۔

مجاہداللہ نام ہے میرا۔وہ فخر سے بولا ۔

کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟وہ حددرجہ حیران ہوئی ۔

اماں بڑے مولانا صاحب نے رکھا ہے۔۔

بڑے مولانا صاحب کون ہوتے ہیں تیرانام بدلنے والے ۔یہ نام میں نے اور تیرے باپ نے رکھا ہے ۔وہ غصے میں بولی ۔

اماں مجاہد برانام تو نہیں ہے نا ۔پھر غصہ کیوں کررہی ہو۔اچھا ٹھیک ہے تم رحمت ہی بولا کرو لیکن وہاں سب مجاہد کہتے ہیں تو اب اسی کی عادت ہوگئی ہے ۔

رحمتے میں نے تجھے کتنا روکا تھا مدرسے سے اور اس بڑے مدرسے جانے پر تو تیرا باپ بھی راضی نہیں ہے لیکن تو اپنی مرضی کر کے گیا ہے ۔اب دیکھ یہ کیا ہورہا ہے ۔وہ اپنا قاعدہ اپناماتھا پیٹتے ہوئے بولی ۔۔

اماں بڑے مدرسے میں بھی تو عالم لوگ ہی ہیں نا ۔ان سے علم سیکھ کر آجاؤنگا ۔اتنی سی تو بات ہے

اتنی بات نہیں ہے رحمتے ۔تیرے ساتھ کچھ برا نہ ہوجائے یا پھر تو کسی کے ساتھ کچھ برا نہ کرلے ۔

کیا ہوگیا اماں؟؟؟ کسی نے کچھ نہیں کرا میرے ساتھ اور میں نے کونسا کسی کی جان لے لینی ہے جو تم اتنا پریشان ہورہی ہو۔۔

اسے جمیلہ کا طرز پسند نہیں آیا تھا۔

اسے بڑے مدرسے میں گئے ہوئے ایک سال ہونے کو تھا اور اس عرصے میں وہ اس سے پہلے دوبار گھر کا چکر لگا چکا تھا ۔پہلی بار ڈھائی مہینے بعد دوسری بار چار مہینے بعد اور اب تیسری بار تقریباً چھ مہینے

بعد آیا تھا۔نام تو اسکا پہلے دن سے ہی بدل دیا گیا تھا۔مدرسے میں وہ پہلے دن سے ہی مجاہد اللہ تھا لیکن پہلے اس نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا تھا پر اب اسے اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اپنا نام رحمت تو اسے بلکل بھول گیا تھا اسلیے آج جمیلہ نے اسے پرانے نام سے پکارا تو وہ بول پڑا۔

تو لے بھی لے گا اگر تیرا بڑا مولانا صاحب تجھ سے کہے گا تو۔۔۔وہ تپتے ہوئے بولی۔۔

اماں وہ ایسا نہیں کہتے۔وہ تو ایسے انسان ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔وہ کوئی غلط کام نہیں کرتے۔وہ مکمل طور پر انکی سائیڈ لے رہا تھا۔

ہاں وہ فرشتہ ہیں۔وہ کوئی غلط کام نہیں کرتے تم تو یہی کہتے رہتے ہو لیکن مجھے تیرا یہ مولانا اچھا نہیں لگتا رحمت۔۔وہ بہت غصے میں تھی۔۔

اماں میں غلط نہیں کہتا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔

قاری ادریس بھی تو ہیں نا۔کتنے اچھے ہیں۔اگر یہ ایسا ہی برا نام تھا تو وہ کہہ دیتے لیکن وہ تو کہتے تھے کہ بہت اچھا نام ہے۔اللہ کرے کہ اپنے نام کی لاج رکھ لے۔

اماں قاری ادریس اور مولانا عبدالرحمان کا کیا مقابلہ۔کیا کرتی ہو اماں۔ان سے ملوگی تو پتا چل جائے گا تمہیں بھی۔

مجھے کوئی پتا نہیں چلانا تمہارے مولانا کا بس تم اب کی بار وہاں مت جاؤ۔۔وہ ایک اور مطالبہ لے آئی۔

ایک نام لینے سے ایسی کونسی قیامت آ گئی اماں جو ایسی باتیں کر رہی ہو اور پھر انہوں نے کون سا کسی کو مجبور کیا ہے۔بس انکو خود یہ نام پسند تھا تو وہ لیتے تھے۔بعد میں لڑکے بھی لینے لگے۔برا لگتا ہے تو نہ لیا کرو۔اپنی مرضی کا بولا کرو۔وہ تنگ ہوتے ہوئے بولا۔

میں تیرے ابا کو بھی بتاؤنگی رحمتے۔۔یا پھر تو واپس نہ جانے کا وعدہ کر لے۔۔

اماں ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔اب میں پڑھ رہا ہوں تو تو کیوں پریشان ہورہی ہے اور آپ تو خود کہتی ہیں کہ میں آپ کیلیے رحمت بن جاؤں تو اب جب کوشش کر رہا ہوں تو تو پریشان ہورہی ہے۔۔وہ دلیل دیتے ہوئے بولا

رحمتے بس تو واپس آجا۔اب تو کافی پڑھ چکا ہے۔اب میں تجھے اتنی دیر خود سے دور نہیں رہنے دینا چاہتی۔بوڑھی ہوگئی ہوں اب اور دیکھ تیرا ابا بھی اب کمزور ہوگیا ہے۔اب وہ التجائی انداز پر اتر آئی تھی۔

ایسے کیسے آسکتا ہوں اماں؟ ابھی ایک سال ہی تو ہوا ہے مجھے گئے ہوئے۔وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

جمیلہ خاموش ہوگئی لیکن وہ خوش نہیں تھی ۔وہ خوش ہو بھی کیسے سکتی تھی ۔
کبھی کبھی انسان بہت چاہتے ہوئے بھی حالات کو بدل نہیں پاتا ۔اور یہی وقت ہوتا ہے جو اسکا نہیں ہوتا ۔
وہ بھی اس وقت اپنے بیٹے کو اپنے پاس چاہتی تھی ۔کسی قیمت پر اسے واپس بھیجنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی بدل نہیں سکتی تھی ۔نہ حالات کو اور نہ بیٹے کو ۔۔۔۔۔

اور رحمت اللہ سے مجاہد اللہ بننے کا سفر مکمل ہوگیا ۔وہ اپنے پیچھے کافی رستہ طے کر آیا تھا جو اسے نہیں طے کرنا چاہیے تھا ۔منزل کی تلاش میں اس نے قدم بھی رکھ دیا تھا اور ابھی کافی رستہ طے کرنے کے بعد وہ جان پایا تھا کہ اسکا تو پہلا قدم ہی غلط تھا ۔۔۔
کبھی کبھی کوئی ایک غلطی پوری زندگی پر محیط ہو جاتی ہے مجاہد اللہ ۔۔اس سے کسی نے کہا تھا
واپسی کا رستہ اللہ ہر کسی کو نہیں دیتا رحمت اللہ ۔۔۔۔۔ذہن کے پردے پر کوئی اور بول پڑا تھا ۔
اسنے اپنی آنکھیں بند کرلیں ۔ذہن میں ابھرتی آوازوں سے گھبرا گیا تھا وہ ۔

ملیحہ بیٹا صارم کا کمرہ تھوڑا صاف کردو بہت گندہ ہوگیا ہے ۔زبیدہ لیٹی ہوئی تھی جب ملیحہ پیچھے آئی ۔آج انکا بلڈ پریشر صبح سے ہائی تھا ۔
خالہ رومی بھائی تو اپنا کمرہ خود صاف کرتے ہیں ۔ملیحہ نے یاد دلایا ۔
ہاں خود کرتا ہے لیکن آج کل بہت مصروف ہے تو وقت بلکل نہیں ملا ۔آج صبح جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ امی تھوڑی سی صفائی کردیں ۔زبیدہ نے کہا
اچھا خالہ میں تو ابھی کچن کا کام کر رہی ہوں ۔وجی آئی ہے یونیورسٹی سے اسے کہتی ہوں ۔۔
ارے نہیں بیٹا وہ بیچاری ابھی تھکی ہوئی آئی ہے ۔بس تم کام کرو میں صفائی کر دیتی ہوں ۔انہوں نے اسے روکا ۔انہیں وجیہہ سے بہت پیار تھا ۔انکے لاڈلے بیٹے کی دلہن جو تھی ۔
لیکن وہ نہیں رکی ۔
وجی ۔۔۔۔۔۔۔
وجی ۔۔۔۔۔۔۔۔سیڑھیوں میں جا کر اس نے آوازیں لگائی ۔
کیا ہوا ؟؟ وجیہہ نے سیڑھیوں کے دروازے میں آکر پوچھا
نیچے آؤ ۔۔اس نے حکم صادر کیا ۔

خالہ کہہ رہی ہیں کہ رومی بھائی آج کہہ کر گئے ہیں کہ انکے کمرے کو کوئی صاف کر دے تھوڑا سا کیونکہ وہ کئی دنوں سے خود نہیں کر پائے اور مصروفیت کی وجہ سے مستقبل قریب میں بھی کوئی امکان نہیں ہے اور چونکہ خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں کچن میں مصروف ہوں تو تمہیں اسلیے بلایا گیا ہے کہ تم انکے کمرے کی حالت تھوڑی بہتر کر دو۔ملیحہ باتیں بنانے میں کافی ماہر تھی۔

خالہ میں؟؟؟وہ سوالیہ نظروں سے خالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بیٹا یہ ملی نے تمہیں بلایا ہے حالانکہ میں کہہ بھی رہی تھی کہ میں کر دوں گی۔زبیدہ خالہ شرمندہ ہو گئی

لیکن خالہ آپ کیوں کریں گی۔وجی کر دے گی۔ویسے بھی آج سے ایک مہینے بعد اسے اسی کمرے میں ہی تو آنا ہے تو تب بھی صفائی تو کیا کرے گی نا۔تو اب کرنے میں کیا مسئلہ ہے۔سامنے بھی ملیحہ تھی۔

ملی بیٹا تم تنگ کر رہی ہو میری بیٹی کو۔۔

میں تنگ نہیں کر رہی لیکن آپ نہیں کر سکتی صفائی۔جاؤ وجی صفائی کر دو۔۔وہ حکمیہ لہجے میں بولی۔

بیٹا میں کر دوں گی نا۔وہ ابھی تھکی ہوئی آئی ہے۔۔۔

خالہ میں کر دیتی ہوں۔اور میں تھکی ہوئی نہیں ہوں۔یونیورسٹی سے آئے ہوئے تو گھنٹہ آرام کر لیا میں نے۔ملیحہ نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن اسکے کچھ بولنے سے پہلے ہی وجیہہ بولی اور اٹھ کر صارم کے کمرے کی طرف گئی۔ملیحہ کے چہرے پر شریر مسکراہٹ تھی۔وہ خالہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی

کمرے کی حالت واقعی اچھی نہیں تھی اور صارم جیسے نفاست پسند بندے کے کمرے کی ایسی حالت واقعی اسکے مکین کی مصروفیت کا ثبوت دے رہی تھی۔وجیہہ نے سب سے پہلے تو اسکا بستر صاف کیا، کمبل تہہ کیا اور چھوٹی موٹی بے ترتیب چیزیں اپنی جگہ پر رکھ دیں۔پھر سائیڈ ٹیبل صاف کیا اور لیمپ کی دھول جھاڑی۔دراز کھولی تو اس میں صارم کی ڈائری پڑی تھی۔ایک لمحے کو اسکا دل کیا کہ پڑھ لے لیکن اگلے ہی لمحے اسے اپنی سوچ پر خود ہی ہنسی آئی۔ڈائری اس نے پھر دراز میں رکھی اور دوبارہ صفائی کرنے لگی۔صفائی ختم کرنے کے بعد اسکا ایک بار پھر دل کیا کہ وہ ڈائری پڑھ لے۔آخر وہ کسی طرح تو کچھ سمجھ لے صارم کو۔اور اس بار وہ اپنی سوچ پر قابو نہیں پا سکی۔سائڈ ٹیبل کی دراز سے ڈائری نکالی اور پڑھنے لگی۔

تاریخوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کافی عرصے سے ڈائری لکھتا رہا ہے لیکن وہ روزانہ ڈائری نہیں لکھتا تھا۔کبھی ڈائری کے صفحات کے اوپر لکھی ہوئی تاریخوں میں مہینوں کا وقفہ تھا تو کبھی کبھی کچھ دن مسلسل لکھی گئی تھی۔ایک شعر اسے دو جگہ نظر آیا جسکا مطلب یہی لیا جا سکتا تھا کہ وہ اسکا پسندیدہ شعر ہے

اور ایک جگہ تو اسے خاصی محنت سے لکھا گیا تھا۔

۔ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

ارے یہ کیا بات ہوئی بھلا کہ جان کی کوئی بات ہی نہیں۔ ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔ وجیہہ کو بلکل اچھا نہیں لگا۔۔

صفحے پلٹاتے ہوئے اچانک اسکی نظر ایک صفحے پر رک گئی۔ صفحے پر اور کچھ نہیں تھا۔ بس ایک تاریخ لکھی تھی اور اس تاریخ کے گرد مختلف رنگ کی لکیریں کھینچ کر اسے کافی سجایا گیا تھا اور وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر اچانک اسکے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ یہ تو وہی تاریخ تھی جس پر انکی منگنی اور نکاح ہوا تھا۔ اس نے آگے صفحے پلٹائے۔ اور اس سے آگے اتنے زیادہ صفحے لکھے تو نہیں گئے تھے لیکن جتنے لکھے تھے ان میں زیادہ تر وجیہہ کے نام تھے۔

دانیال آج مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں جو ہر وقت وجیہہ کو سوچتا رہتا ہوں اسے بتا کیوں نہیں دیتا کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ مجھے اسطرح اس سے اپنے جذبات چھپانے نہیں چاہئے۔ دانیال تو میرا تب سے دوست ہے جب ہم دونوں میٹرک میں تھے۔ اور وہ وجیہہ کیلیے میری پسندیدگی اور محبت سے بھی واقف ہے۔ لیکن میں اسکے اس مشورے پر عمل نہیں کرسکتا۔ ابھی تو بس دو ہی مہینے رہتے ہیں پھر جب وہ میرے ساتھ ہوگی تو میں اسے سب بتادونگا۔ اسے پتا چل جائے گا کہ میں اسکے بارے میں کیا جذبات رکھتا ہوں اور وہ میرے لیے کتنی اہم ہے۔ کہتے ہیں کہ جذبات اگر سچے ہوں تو وہ خود بخود آشکار ہوجاتے ہیں، انہیں جتانے کی ضرورت نہیں ہوتی سو میں بھی اپنی سچائی جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کب اور کیسے اس پر آشکار ہوتے ہیں۔

اس سے آگے کے صفحے پر تقریباً پندرہ سولہ دن بعد کی تاریخ تھی۔

آج صبح وہ مجھے ملی اور میں حیران رہ گیا کہ اللہ نے میری دعا ایسے قبول کرلی۔ میں نے تقریباً پندرہ دن سے اسے نہیں دیکھا۔ پہلے تو کبھی کبھی بات ہوجاتی تھی لیکن اب جب سے منگنی ہوئی ہے بات کرنا تو دور وہ تو میرے سامنے بھی نہیں آتی۔ اور میرا دل کرتا ہے کہ میں اسے دیکھوں تو سہی اور پھر میں نے کل رات کو دعا بھی کی تھی اور اللہ نے میری دعا اتنی جلدی سن بھی لی کہ آج صبح وہ ٹائم دیکھے بغیر نیچے آئی۔ جب میں جاگنگ سے آیا تو وہ پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

اسے میرا پھول دینا تو اچھا لگتا ہے لیکن وہ چاہتی ہے کہ میں اسے خود دیا کروں سو آج میں نے وہی کیا اور آج کے بعد ایسا ہی کرونگا تب تک جب تک ہماری شادی نہیں ہوجاتی اور پھر اسے روز پھول

لا کر دیا کرونگا۔وہ میری سنجیدگی اور کم گوئی سے ڈرتی ہے لیکن میں اسکے ساتھ بہت ساری باتیں کیا کرونگا۔۔۔

اس سے آگے کے صفحے کی تاریخ بھی تقریبا پندرہ سولہ دن بعد کی تھی۔اور وہ ڈائری میں لکھا ہوا آخری صفحہ تھا۔اس دن کا حال جب امی ،وجیہہ ،ملیحہ اور زبیدہ خالہ صارم کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرنے گئیں تھیں۔لیکن ابھی اس نے دو لائنیں ہی پڑھی تھی کہ باہر سے ملیحہ اسے پکارتی ہوئی آئی۔اس نے جلدی سے ڈائری دراز میں رکھی اور اٹھ کر الماری کی صفائی کرنے لگی۔

الماری کے اندر دوسری چیزوں کے ساتھ ایک بک فریم بھی رکھا تھا جس میں ایک طرف تو صارم کی تصویر لگی تھی لیکن دوسری طرف کا فریم خالی تھا۔وجیہہ کے دل نے صاف گواہی دی کہ فریم میں خالی جگہ اسی کی تصویر کیلیے ہے۔صارم کی تصویر پر پڑی دھول ہٹا کر اس نے کونے میں اسے دوبارہ رکھا اور باقی صفائی کر کے الماری بند کر دی۔

وجی تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں؟؟ ملیحہ جو صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اسے صفائی ختم کرتے دیکھ کر بولی۔

کیسی راز کی بات؟؟؟

جانتی ہو رومی بھائی کے اس ٹیبلٹ کا پاسورڈ کیا ہے؟؟اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑے ٹیبلٹ کی طرف اشارہ کیا

نہیں۔۔۔اسے حیرانگی ہوئی۔بھلا پاسورڈ سے اسکا کیا تعلق

وجیہہ۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔

جی کی بچی میں کہہ رہی ہوں کہ انکے اس ٹیبلٹ کا پاسورڈ وجیہہ ہے۔۔وہ لفظ وجیہہ پر زور دے کر بولی۔

کیا؟؟؟؟؟؟؟؟ تمہیں کیسے پتا؟؟

اس دن جب میں رومی بھائی سے ان کی اکیڈمی کی تصویریں دکھانے کی ضد کر رہی تھی تو انہوں نے یہ ٹیبلٹ کھولا تھا۔اچانک میری نظر پڑی تھی تو انہوں نے پاسورڈ میں لفظ ٹائپ کیا اور میرا نہیں خیال کہ اس گھر میں کسی اور کے نام میں کا لاحقہ شامل ہے۔۔اس نے مزے لے کر کافی تفصیلی جواب دیا۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔

اگر ایسا نہیں ہے تو تم یہ ٹیبلیٹ اٹھاؤ اور پاسورڈ ڈال کر دیکھ لو۔کھولنے کے فوراََبعد بند کر دینا لیکن تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا تھا اس لیے لگی شرط۔ملیحہ تنک کر بولی اور اُٹھ کر ٹیبلیٹ اسکے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

اس نے آہستہ سے اسے کھولا اور پاسورڈ کے خانے میں اپنا نام ٹائپ کرنے پر واقعی ٹیبلیٹ کھل گیا تھا۔ملیحہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ سچی ثابت ہوئی تھی۔

وجی۔۔۔۔خیالوں میں کھوئی وجیہہ اسکی آواز پر چونکی۔

وجی میں تم سے تھوڑی سی چھوٹی ضرور ہوں لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ رومی بھیا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔اس وقت جب نکاح کے علاوہ وہ تمہاری زندگی کے کسی بھی پہلو میں شامل نہیں ہیں انہوں نے تمہیں اس حد تک اپنی زندگی میں شامل کر دیا ہے۔۔

ملیحہ ہانڈی کے پکنے کی آواز سن کر کچن کی طرف بھاگی اور وجیہہ وہاں سے نکل کر سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔وہ بھی تو دل کی گہرائی سے اس کم گو اور سنجیدہ کیپٹن صارم کو پسند کرتی تھی اور یہ آج کی بات نہیں تھی۔اپنی اپنی جگہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے جذبات سے بے خبر ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔صارم سوچتا تھا کہ وجیہہ بے خبر ہے اس کے جذبات سے اور وجیہہ کا خیال تھا کہ صارم اس سے بے خبر ہے۔دونوں ہی بے خبر تھے ایک دوسرے کی محبت سے اور دونوں ہی باخبر تھے اپنے اپنے جذبات سے۔۔۔۔۔۔

بیٹا تم نے پچھلے چار سال سے میری بات نہیں مانی۔میں نے کوشش کی کہ تمہیں اس راستے پر نہ چلنے دوں لیکن ناکام رہا۔۔

لیکن قاری صاحب میں نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ مجھے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں؟؟؟؟

شام کی نماز کیلیے وہ مسجد میں آیا تھا تو قاری ادریس سے بھی ملا۔ہمیشہ کی طرح وہ اس سے محبت سے ملے اور ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اسے روکنے اور واپس لانے کی کوشش کرنے لگے۔اور اب تو اسکے خیالات کی تبدیلی سے فضل بھی پریشان ہو گیا تھا۔

تم نے ایسا کچھ نہیں کیا رحمت لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ایسا کچھ کر لو گے۔۔

میں ایسا کچھ نہیں کرونگا قاری صاحب۔ہمیں اچھے کی تعلیم دی جاتی ہے،برے کی نہیں اور برے کو روکنا صرف ہمارا نہیں آپ کا بھی فرض ہے۔وہ اپنی تربیت کے مطابق بول رہا تھا۔

اور یہی تو میں نہیں چاہتا رحمت کہ تم اپنے علاوہ سب کو غلط سمجھو۔۔وہ سمجھ گئے تھے۔

میں اپنے علاوہ سب کو نہیں بلکہ صرف غلط کو غلط سمجھتا ہوں ۔اور غلط کو غلط ہی سمجھنا چاہئے قاری صاحب ۔۔

ٹھیک ہے بیٹا غلط کو غلط سمجھنا چاہئے لیکن غلط کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے ۔کبھی کبھی انسان اسی چکر میں بہت کچھ غلط کر لیتا ہے ۔وہ پتا نہیں کیا سمجھانا چاہ رہے تھے ۔۔

قاری صاحب اگر اللہ طاقت دے تو ٹھیک کرنے کی کوشش تو کرنی چاہیے نا ۔غلط سمجھنا تو ایمان کا سب سے کم ترین درجہ ہے ۔۔وہ بحث میں بہت آگے تک آ گیا تھا ۔

اور تم اپنے ایمان کو بلند درجے پر سمجھتے ہو؟؟؟ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں ۔ کیسے سمجھائیں اور کیسے روکیں اسے ۔۔

تم بہت غلط رستے پر چل نکلے ہو رحمت ۔ بہت غلط رستے پر ۔وہ بہت مشکل سے یہی بول پائے ۔

میں غلط رستے پر نہیں ہوں قاری صاحب ۔جو غلط ہے وہ غلط ہے ۔

کیا غلط ہے؟؟؟؟؟ وہ پوچھ بیٹھے ۔جاننا چاہتے تھے کہ اسکے دماغ میں کیا تھا ۔

قاری صاحب آج کل سب ہی غلط ہے ۔

تو غلط سے روکو نا ۔سمجھا کر، تبلیغ کر کے، کسی کو مارنا تو غلط کا علاج نہیں ہے نا ۔

قاری صاحب ہم تبلیغ ہی تو کرتے ہیں ۔لوگوں کو سمجھاتے ہی تو ہیں ۔کسی کو مار نہیں رہے ہم ۔وہ ہنستے ہوئے بولا ۔

کسی کو مارنا بھی مت رحمت اللہ ۔کسی کی زندگی کا اختیار اللہ تمہیں کبھی نہیں دیتا ۔وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولے ۔

ٹھیک ہے قاری صاحب آپ فکر نہ کریں ۔اب چلتا ہوں ۔وہ اٹھ گیا ۔

اللہ حافظ ۔۔۔۔

قاری ادریس اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے تھے ۔آج انکے سامنے ہارون پھر اٹھ کھڑا ہو گیا تھا ۔اور وہ دل کی گہرائی سے اسے روکنا چاہتے تھے لیکن آج ایک بار پھر وہ بے بس تھے ۔بس ایک دعا تھی جو انکے دل سے جاری تھی ۔اور لبوں سے بھی نکل رہی تھی ۔۔

خدایا اسے سیدھے رستے پر رکھ ۔۔کھلونا بننے سے بچائے رکھنا ۔۔آمین ۔۔۔

حیدر ۔تمہارا اصل نام علی حیدر ہے؟؟؟ اس صبح میدان کے چکر کاٹتے اس نے اچانک پوچھا ۔

کیا مطلب؟؟؟ اس نے حیران ہو کر پوچھا

مطلب یہ کہ تمہارا اصل نام کیا ہے؟؟اس نے دوسرے الفاظ میں اپنی بات دہرائی۔
حکمت علی۔۔وہ آہستہ سے بولا۔
کیا؟؟؟؟تمہارا نام بھی بدل دیا گیا ہے؟؟؟وہ بہت حیران ہو کر بولا۔
بھی سے کیا مطلب ہے تمہارا مجاہد؟؟؟وہ بھی حیران تھا
میرا نام بھی مجاہد نہیں تھا۔۔
تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
رحمت اللہ نام رکھا تھا ماں باپ نے۔۔
رحمت اللہ؟؟؟
ہاں۔۔یک لفظی جواب دیا گیا۔
لیکن نام کیوں بدلا گیا؟؟؟؟سوال دونوں کے ذہنوں میں تھا لیکن زبان پر حیدر کے آیا۔
اور صرف ہمارا ہی بدلا گیا یا کسی اور کا بھی؟؟؟اب سوال مجاہد کی طرف سے تھا۔
نام بدلے جانے کے حوالے سے سینکڑوں سوال ان دونوں کے ذہنوں میں تھے لیکن جواب کسی ایک کا بھی نہیں تھا۔۔
پتا کرنا پڑے گا۔اور اپنی سیر وہ ادھر ادھوری چھوڑ کر مدرسے واپس آ گئے۔
ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں پتا چل گیا تھا کہ اس کمرے میں موجود پانچ کے پانچ لڑکوں کے نام وہ نہیں تھے جن سے وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔سیف اللہ کا اصل نام خالد تھا،شریف کو عمر فاروق کہتے تھے۔رحیم گل امیر حمزہ کا نام تھا۔حکمت علی،علی حیدر تھا اور مجاہد اللہ کا اصل نام رحمت اللہ تھا۔۔
سب ایک دوسرے کے اصلی نام اور بدلے ہوئے نام سن کر حیران رہ گئے۔شام تک انہوں نے مدرسے میں باقی لڑکوں سے بھی کسی نہ کسی بہانے سے پوچھ لیا۔کچھ لڑکوں نے تو ایسے گھور کر انکی طرف دیکھا جیسے انکی ذہنی حالت پر شبہ کر رہے ہوں۔
لیکن وہ جان گئے کہ مدرسے میں ان پانچوں کے علاوہ بھی کچھ لڑکوں کے نام تبدیل کیے گئے تھے۔
لیکن وہ حیران تھے کہ کچھ نام تبدیل کرنے اور کچھ نہ کرنے کے پیچھے وجہ کیا ہے؟
قاری صاحب کل باتوں باتوں میں ہمیں پتا چلا کہ ہم سب کے نام وہ نہیں ہیں جن سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ہم سب کے نام آپ نے تبدیل کیے ہیں پھر ہم نے سوچا کہ شاید اس مدرسے کا قانون یہی ہے لیکن باقی لڑکوں سے پوچھنے پر پتا چلا کہ ہمارے علاوہ چند ایک لڑکوں کے ہی نام تبدیل کیے گئے ہیں۔۔۔

دوسرے دن درس شروع ہوتے ہی رحیم گل عرف امیر حمزہ نے پوچھا۔۔

قاری ثناءاللہ ہنسے۔اپنی دانست میں تو حمزہ نے کافی بڑا انکشاف کیا تھا لیکن ادھر تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اسی سوال کے انتظار میں تھے۔

ہاں بچے ٹھیک پتا چلا ہے تمہیں۔نام بدلے گئے کیوں کہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ نام کا بڑا اثر ہوتا ہے اور ہم کافی دنوں سے اسی سوال کے انتظار میں تھے لیکن آپ نے بڑی دیر کردی بچے ۔لیکن چلو اچھا ہوا کہ آپ کو پتا چل گیا۔۔

ہم؟؟؟؟؟؟وہ سب یک زبان بولے۔

ہاں ہم سب اور بڑے مولانا صاحب۔۔

بڑے مولانا صاحب؟؟؟؟؟لیکن اس سے انکا کیا تعلق؟؟نام تو آپ نے رکھے ہیں۔عمر فاروق بولا۔

مجھے آپ سے اس بارے میں اکیلے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا بڑے مولانا صاحب کا۔قاری ثناءاللہ بولے۔

لیکن ہمیں کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا قاری صاحب۔۔۔سیف اللہ بولا۔۔

بے صبرے کیوں ہوئے جاتے ہو بچے۔سب سمجھ میں آجائے گا بس تھوڑا سا انتظار کرو۔وہ اٹھ کر چلے گئے۔

مولانا صاحب کی باتوں نے انہیں مزید الجھا دیا تھا۔کوئی معمہ سا تھا جسکا کوئی سرا سمجھ نہیں آرہا تھا لیکن انہیں بڑے مولانا صاحب کا انتظار کرنے کی تلقین کی گئی تھی سو وہ بے صبری سے اب جمعے کا انتظار کرنے لگے۔۔

السلام وعلیکم پاپا کیسے ہیں آپ؟؟؟؟

میں ٹھیک ہوں بیٹا آپ کیسے ہو؟؟ماما کیسی ہیں؟؟

پاپا میں تو بلکل ٹھیک ہوں لیکن ماما کی طبیعت تین دنوں سے تھوڑی خراب ہے۔۔

کیوں کیا ہوا بیٹا؟؟؟وہ پریشان ہوئے۔۔

پاپا کچھ ہوا تو نہیں لیکن بخار تھا۔۔

شہد بیٹا پاپا کو کیوں بتایا؟؟؟اپنے کمرے سے لاؤنج کی طرف آتی عائشہ نے انکی باتیں سن کر آواز لگائی۔

ماما پاپا پوچھ رہے تھے۔۔۔

اچھا بیٹا سکول گئے تھے؟؟؟ شاہنواز نے عائشہ کی آواز سن کر بات بدل دی۔ جانتا تھا وہ اسے کبھی بھی نہیں بتائے گی۔۔

نہیں پاپا سکول نہیں گیا تھا۔ ماما کے ساتھ ڈاکٹر انکل کے پاس گیا تھا۔۔

شہر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عائشہ نے ایک بار پھر اسے ٹوکا۔

سوری ماما۔ وہ آہستہ سے ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ عائشہ کو ہنسی آ گئی اسکی اس حرکت پر جیسے اسکے سوری سے جو اس نے کہا ہے اور جو شاہنواز نے سنا ہے وہ سارے کا سارا مٹ جائے گا۔

پاپا آپ کو سپر مین نہیں ملا نا دوسرا؟؟؟؟؟ وہ بات بدل گیا۔

نہیں بیٹا ابھی نہیں ملا۔۔ وہ ہنستے ہوئے بولے۔

وہ اصل میں بات یہ ہے نا بیٹا کہ دوسرا کوئی آپکے پاپا جتنا بہادر ہے نہیں اسلیے سپر مین نہیں بن سکتا۔ وہ ہنستے ہوئے اسے بہلانے لگے۔ مبادا وہ کہیں پھر سے آنے کی ضد نہ کرنے لگے۔

میں بڑا ہو جاؤنگا نا پاپا تو میں بن جاؤنگا۔ پھر آپ اور ماما گھر پر رہنا اور میں سپر مین بن جاؤنگا۔۔

ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن اسکے لیے تو تمہارے بڑے ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔۔۔ وہ فون کی دوسری طرف مسکرا رہے تھے۔

ماما میں کب بڑا ہونگا؟؟؟؟؟ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی عائشہ کی طرف مڑا۔

بہت جلد ہو جاؤ گے بیٹا۔۔ اس نے جواب دیا۔

پاپا ماما کہہ رہی ہیں کہ میں جلدی بڑا ہو جاؤنگا پھر میں سپر مین بن جاؤنگا۔

ہاہاہا۔۔ ہاں سپر مین شہر نواز۔۔ وہ بہت ہنسے۔۔ اسکی معصومیت بھری باتیں ہوتی ہی ایسی تھیں کہ بندے کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ ہی جاتی۔۔

جی پاپا۔۔

وہ تمہارے پھولوں کو کیا ہوا بیٹا؟؟؟ وہ پچھلے ہفتے کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے بولے۔

پاپا وہ سوکھ گئے۔ ماما نے کہا کہ جب آپ آئینگے تو ہم اور لے آئینگے۔۔۔

لیکن وہ تو آپ نے پانی میں رکھے تھے۔ وہ اسے یاد دلا رہے تھے۔۔

پاپا انکو سوئمنگ نہیں آتی تھی۔ دو دن ٹھیک رہے اور تیسرے دن ڈوب گئے پانی میں۔

اسکی بات پر بے ساختہ شاہنواز کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ زور سے ہنسا۔ عائشہ بھی ہنسنے لگی

تو آپ نے انہیں سوئمنگ سکھائی تھی نا۔۔

پاپا مجھے سوئمنگ نہیں آتی ۔یا د نہیں ہے آپکو ۔اپ نے کہا تھا کہ میں ابھی چھوٹا ہوں ، بڑا ہو کر سیکھ لونگا ۔۔

اچھا تو مطلب وہ پھول بھی چھوٹے تھے اسلیے انہیں بھی سوئمنگ نہیں آتی تھی؟؟؟؟ وہ بہت خوش لگ رہے تھے اپنے بیٹے کے ساتھ۔

چند ایک مزید باتیں کرنے کے بعد اس نے فون عائشہ کو پکڑا دیا۔اسکے بارے میں جان کر شاہنواز پریشان ہو گیا تھا۔لیکن عائشہ جانتی تھی کہ اسے کیسے سمجھانا ہے۔پچھلے ایک سال سے اسکی ڈیوٹی سرحد پر تھی اور تب سے وہ یہی تو کرتی آرہی تھی۔

ماما آپ بھی پئیں نا ۔رات کو عائشہ اسکے لیے دودھ کا گلاس لائی تو وہ بولا ۔۔

بیٹا یہ آپکے لیے بنایا ہے ۔پی لو شاباش۔۔

ماما پاپا کہہ رہے تھے کہ میں آپکا خیال نہیں رکھتا اسلیے آپ بیمار ہو گئی ہیں ۔وہ اسے اپنے باپ کے ساتھ ہوئی باتیں بتا رہا تھا۔

آپکے پاپا کو نہیں پتا بیٹا کہ شہر اپنی ماما کا کتنا خیال رکھتا ہے۔۔

ماما آپ میری وجہ سے بیمار نہیں ہوئی نا؟؟؟ فرشتوں کی سی معصومیت سے کہی گئی بات پر عائشہ کو اس پر اتنا پیار آیا کہ اسے بھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔۔

نہیں بیٹا ۔آپکے پاپا کو غلط لگا اور دیکھو اب تو ماما بلکل ٹھیک ہیں ۔اگر شہر خیال نہ رکھتا ہوتا تو ماما ٹھیک کیسے ہوتی۔

وہ اسے بہلانے میں کامیاب ہو گئی تھی ۔اسلیے دودھ کا گلاس اسکے سامنے کر دیا۔

ایک منٹ ماما ۔وہ بھاگتا ہوا باہر گیا

اور چند لمحوں بعد واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں ایک اور گلاس تھا۔۔وہ حیرانی اور محبت سے اسے دیکھنے لگی۔

ماما ہم دونوں ہاف ہاف پئیں گے۔۔

اور عائشہ خاموشی سے اسکے ہاتھ سے گلاس لے کر چند گھونٹ اس میں ڈال کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔وہ جانتی تھی کہ ایک بات جب اسکے دماغ میں بیٹھ گئی ہے تو اب اسے ماننا ہی پڑے گا۔ویسے دودھ اسے پسند نہیں تھا۔اور اسی بات پر اکثر اسے شاہنواز سے بھی ڈانٹ پڑتی تھی لیکن آج وہ اپنے بیٹے کے ساتھ پی رہی تھی۔

تم سب آج نو بجے مسجد میں آجانا۔تمہارے سوالات کا جواب مل جائے گا تمہیں۔۔۔

کون دے گا جواب قاری صاحب؟؟

یہ ابھی جاننا ضروری نہیں ہے تم لوگوں کے لیے۔خود ہی پتا چل جائے گا۔

رات کو وہ پورے نو بجے مسجد پہنچے۔دری پر بیٹھے۔انہیں انتظار کرنے کا کہا گیا۔انتظار کرتے کرتے وہ کافی تھک گئے تھے۔گیارہ بجے سے کچھ ہی دیر بعد مولوی صلاح الدین نے آکر انہیں بلایا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کو کہا۔وہ خاموشی سے انکے پیچھے چلنے لگے۔۔

مولوی صلاح الدین کے پیچھے چلتے چلتے وہ دائیں طرف بنے ان کمروں تک آ گئے جو انہوں نے آج تک کھلے نہیں دیکھے تھے۔حیرانی اور خاموشی سے وہ سب انکے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور انکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کمروں میں سے ایک کے دروازے کو انہوں نے کھلا دیکھا۔مولوی صاحب سیدھا کمرے کے دروازے سے اندر چلے گئے۔وہ لوگ دروازے تک پہنچ کر رک گئے۔

آجاؤ اندر۔۔انہوں نے اندر سے ہی آواز دی۔

وہ جھجکتے ہوئے کمرے میں چلے گئے لیکن وہ کمرہ نہیں تھا۔دروازے سے داخل ہو کر ایک تاریک سی اور بہت چھوٹی سی جگہ تھی جسکے ایک کونے میں ایک بڑا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ایک کونے میں ایک لالٹین جل رہی تھی جو کمرے کے اندھیرے کو ہرانے کی کوشش میں مصروف تھی۔مولوی صاحب کے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس سوراخ تک آئے۔وہاں نیچے کی طرف کچھ کچی سیڑھیاں بنی ہوئی تھی۔مولوی صاحب نے اترنے کیلیے قدم بڑھا دیے۔

مولوی صاحب کچھ بتا تو دیں۔کچھ سمجھ نہیں آرہا۔۔امی حمزہ پیچھے سے بولا۔

مولوی صاب نے بڑھتے قدم روک کر مڑ کر اسکی طرف گھور کر دیکھا۔آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک تنبیہہ تھی۔جیسے کہہ رہے ہوں کہ پیچھے چلنے کو کہا ہے تو پیچھے چلو سوال نہیں۔انکی نظروں سے خائف ہو کر بغیر کچھ کہے وہ انکے پیچھے سیڑھیوں سے اترنے لگے۔۔

سیڑھیوں سے نیچے ایک بڑا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس میں مختلف سمتوں سے دروازے کھل رہے تھے اور یہ کمرہ مکمل روشن تھا۔جگہ جگہ بلب جل رہے تھے۔

یہ منظر ان سب کیلیئے انتہائی حیران کن تھا۔وہ سب مختلف سمتوں میں نظریں گھماتے ہوئے کمرے کا جائزہ لے رہے تھے کہ مولوی صاحب نے ایک بار پھر مڑ کر ایک تنبیہی نظر ان پر ڈالی۔وہ انکے پیچھے چلنے لگے۔

وہ ایک دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور اپنے پیچھے انہیں آنے کا اشارہ کر گئے۔وہ سب اندر داخل

ہوئے تو حیرت کے ایک جھٹکے سے اچھل پڑے ۔بڑے مولانا صاحب وہاں ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔وہ پانچوں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتے رہے۔

کیا ہوا بچے ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟؟؟؟انکی نظروں کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا کر بولے۔۔

شرمندہ ہو کر وہ اپنی نظریں ہٹا کر پیچھے دیکھنے لگے۔

آؤ بیٹھو بچے۔انہوں نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔

وہ سب جا کر انکے پاس زمیں پر بیٹھنے لگے۔۔

نہیں بچے نہیں۔اوپر بیٹھو۔انہوں نے سامنے پڑے ہوئے بیڈ کیطرف اشارہ کیا۔۔

انسانوں میں فرق نہیں ہونا چاہئے بچے۔آپ اور میں ایک ہی آدم اور حوا کی اولاد ہیں پھر میں اوپر اور آپ نیچے کیسے بیٹھ سکتے ہو۔اگر مجھے نیچے بیٹھنے میں گھٹنوں کی تکلیف نہ ہوتی تو ہم نیچے ہی بیٹھتے ۔آخر کو ہم اپنے نبی ﷺ سے زیادہ معزز اور محترم تو نہیں ہیں نا۔ وہ ایک بار پھر اپنے منہ سے ان پر صور پھونکتے رہے تھے اور وہ سحر زدہ ہوئے جا رہے تھے۔کچھ بولے بغیر وہ انکی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔۔

بچے مجھے قاری ثناءاللہ نے بتایا کہ آپ لوگوں کو اپنے ناموں کے حوالے سے کچھ شکوک وشبہات ہیں تو میں انہی کو دور کرنے آج آیا ہوں اور آپکو بھی یہاں بلایا ہے۔۔

تو بچے آپ سب کے نام بدلنے کی کئی وجہیں ہیں۔سب سے پہلی وجہ تو یہ کہ ہمارے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ نام ہمیشہ اچھا رکھو۔نام کا انسان کی شخصیت پر بڑا اثر ہوتا ہے۔دوسری بات یہ کہ ہمیں آپکے یہاں آنے سے پہلے آپ کے اساتذہ سے پتا چلا کہ آپ سب اللہ کے دین کو پھیلانے میں ہماری مدد کر سکتے ہو اسلیے آپ سب کو یہاں پر سب پر ترجیح دی گئی۔آپ کے دوستوں کو الگ اور آپکو الگ پڑھایا گیا۔اس کی وجہ صرف وہ امید ہے کہ آپ صحیح معنوں میں دین کی خدمت کرینگے۔

اپنے ساتھ رہنے والے سب دوستوں کو دیکھ لو۔ہمیں پتا ہے کہ وہ سب فارغ ہونگے تو اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی روشنی پھیلائیں گے لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جہاں جہاں وہ جائیں گے وہاں وہاں دین کی اتنی بے حرمتی نہیں ہو رہی جتنی شہری علاقوں میں ہوتی ہیں۔اور جہاں وہ نہیں پہنچ سکتے وہاں کیلیے اللہ نے آپ کو منتخب کیا ہے۔۔

لیکن قاری صاحب صرف ہمارے نام ہی بدلے گئے نا۔مدرسے میں ہمارے علاوہ ایک دو طالبوں کا نام ہی بدلا گیا۔یہ سمجھ نہیں آئی۔

مولانا صاحب کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔۔

ہاں بیٹے کیونکہ ہم سب کی کوشش تھی کہ نام کے اثر سے آپ سب میں وہ سب کچھ نہ سہی تو اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور آجائے جو صرف اس نام سے جڑے انسان کا خاصہ تھا یا اس نام کے معنی کا خاصہ ۔عمر فاروق وہ انسان تھے جو راہ چلتے تو لوگ انکے رعب سے راستے سے ہٹ جاتے ۔علی حیدر کی تلوار چلتی تو کسی کافر کی گردن تک نہ پاتی اور امیر حمزہ جنہوں نے دین پر جان قربان کر دی ۔خالد کا اپنا نام بھی بلکل ٹھیک تھا لیکن ہم نے صرف اس میں ایک نام کا اضافہ کر دیا جو اس نام کے صحابی کو اللہ نے عنایت کیا تھا یعنی سیف اللہ اور مجاہد اللہ کا نام جو کہ رحمت اللہ تھا ۔برا وہ بھی نہیں تھا لیکن ہم نے اسلیے بدل دیا کہ جو انسان دین کے لیے کام کرتا ہے محنت کرتا ہے اسے کم از کم نام کا خراج تو ملنا ہی چاہیے ۔سو یہی وجہیں ہیں آپکے نام بدلنے کی ۔اب بھی کوئی تجسس ہے؟؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔۔

نہیں مولانا صاحب اب کوئی شک نہیں ہے ۔حمزہ بولا ۔

ہمیں خوشی ہے کہ جس کام کیلیے آپ کو باقی موزوں نہیں لگے دین کی اسی خدمت کیلیے آپ نے ہمیں چنا ہے ۔سیف اللہ ساری گفتگو میں پہلی بار بولا ۔

باقی سب نے بھی سر ہلا کر اسکی بات کی تائید کی ۔۔

آپ کو ہم نے نہیں اللہ نے منتخب کیا ہے بیٹے ۔اور اللہ کی دی ہوئی ذمہ داری امانت ہوتی ہے ۔امانت اٹھانے کیلیے تیار ہو؟؟؟؟

مولانا صاحب آپ ہمیں اپنی اوقات کے مطابق ہر امتحان میں ثابت قدم پائینگے ۔مجاہد اللہ نے پہلی بار زبان کھولی ۔

مولانا صاحب نے نظر گھما کر سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا ۔جیسے سب سے اس وعدے کی تائید چاہ رہے ہوں ۔

اور سب نے سر ہلا کر انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کر دیا ۔

دیکھو بیٹا اللہ نے آپکو اس کام کیلیے منتخب کیا ہے جو بہت سے لوگوں کے بس کا کام نہیں ہوتا ۔اس راستے میں موت کا ہر لمحہ خدشہ لگا رہے گا لیکن موت سے ڈرنا محمد ﷺ کے غلام کی پہچان نہیں ہے ۔ایسے مومن کی پہچان تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے ہرانا ہے ۔اور اگر نہ ہرا سکے تو شہید ہو کر اپنے محبوب رسول ﷺ کی شفاعت میں جنت کا حصول ہے ۔گویا دونوں صورتوں میں ایسا مسلمان فائدے میں رہتا ہے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ۔

اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ تو اللہ کی جو رحمت تمہارے حصے میں آئے گی وہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم جمع کرتے ہو اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہر حال تم سب کو سمٹ کر اللہ ہی کی طرف

جاتا ہے۔

اب ایسا مسلمان جو اپنے **رسول** ﷺ کی **شفاعت** نہیں چاہے گا وہ **بد بخت** ہی ہوگا۔۔

الفاظ نہیں تھے ایک میٹھا رس تھا جو مولانا عبد الرحمان انکے کانوں میں انڈیل رہے تھے۔انہیں اپنی زندگی اور اپنی **موت** کے اس رخ کا آج پتا چل رہا تھا۔

کسی کو نصیحت کرنا بہت آسان ہے۔یہ کوئی بھی کر سکتا ہے بچے اور اگر کسی کی **قسمت** میں اللہ نے ہدایت لکھی ہوتی ہے اور اسے مل جائے تو بہت خوشی کی بات ہے لیکن اصل کام تو وہ ہے جو ہر کوئی نہ کر پائے جو مشکل ہو لیکن پھر بھی کچھ بہادر اور خوش قسمت ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ نے حوصلہ دیا ہوتا ہے اس کام کو سرانجام دینے کا اور اللہ کے پاس ان بہادروں میں آپ کا بھی نام ہوگا۔

وہ سب نظریں زمین میں گاڑھے ہوئے تھے لیکن دل سب کے مولانا صاحب کی باتوں پر دھڑک رہے تھے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ نے انہیں اپنے دین کی خدمت کیلئے کس اچھائی کے صلے میں منتخب کیا ہے۔

بیٹا **آپ** وہ کام کریںگے جو صحابہؓ نے کیا، جو اللہ کے محبوب **رسول** ﷺ نے کیا اور بہت **خوشی** اور محبت سے کیا۔انہوں نے جنگیں لڑی دین کی سر بلندی کے لیے۔اللہ کے دین کی بلندی اور اللہ کی خوشی انہیں اپنی **جان** سے زیادہ عزیز تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے میری امت کی گرانی کا احساس نہ ہوتا تو ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ جہاد پر جانے میں بھی تامل نہ کرتا کیونکہ یہ بات مجھے ازحد پسند ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر اٹھایا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر اٹھایا جاؤں ۔۔۔۔۔۔

مولوی صاحب **آپ** نے جو ہمیں اس دن نشانہ باندھنے کا کہا تھا اور ہم میں سے کوئی اس بوتل کا نشانہ نہیں باندھ سکا تھا۔۔

اس صبح وہ سبق پڑھنے کیلئے بیٹھے تھے تو ثاقب نے بات شروع کی۔

ہاں تو۔۔۔۔؟؟ انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔۔

مولوی صاحب رحمت کا نشانہ بہت پکا ہے وہ ضرور باندھ لے گا۔اس نے مختصر الفاظ میں کہا۔

تمہیں کیسے پتا؟؟ انہوں نے پھر پوچھا۔

ہم نے اسے دیکھا ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ آپکے نشانے کو ٹھیک سے باندھ دے گا۔

وہ خاموش رہے۔شاید کچھ سوچ رہے تھے۔۔
مولوی صاحب آپ بے شک اسکا امتحان لے لیں۔اس بار رفیق بولا
انہوں نے اسکی طرف دیکھا اور پھر رحمت کی طرف جو اپنا سیپارہ پڑھنے اور ساتھ میں ترجمہ یاد کرنے میں مصروف تھا۔اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
سبق کا وقت ختم ہوا تو سب بچے جانے لگے۔مولوی صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔گویا وہ آج ہی اسکا امتحان لینا چاہتے تھے۔وہ بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب خود اٹھ کر انکے ساتھ صحن میں آگئے۔
صحن میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے ثاقب کو بلا کر کچھ کہا۔وہ جا کر مدرسے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی اینٹوں میں سے ایک اینٹ اٹھا لایا اور پھر مولوی صاحب کے مرضی کے مطابق اسے کچھ فاصلے پر رکھ دیا۔وہ یہ سب ایسے کر رہا تھا جیسا سے پتا تھا کہ رحمت امتحان میں کامیاب ضرور ہوگا۔
اینٹ کو اپنی جگہ پر رکھ کر وہ رحمت کے پاس آیا جو مولوی صاحب کی بتائی ہوئی مخصوص جگہ پر کھڑا تھا۔ثاقب کے ہاتھ میں ایک گول چھوٹا سا پتھر تھا جو اسنے رحمت کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے ہلکے سے اسکا ہاتھ دبایا اور اسکے اسی فعل سے رحمت کو جو پہلے اسطرح مولوی صاحب کے سامنے تھا اور ہارنے سے ڈر رہا تھا کو بہت حوصلہ ملا۔کبھی کبھی کسی انسان کا بہت عام اور بے معنی سا فعل کسی اور کیلئے حوصلے باعث ثابت ہوجاتا ہے۔۔
دھیان سے کرنا رحمت۔اسنے آہستہ سے کہا جو صرف رحمت نے سنا۔
وہ اس اینٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کافی دیر تک نشانہ باندھتا رہا۔عام حالات میں وہ آرام سے پتھر پھینک دیا کرتا تھا لیکن اس وقت وہ قاری شہاب کے سامنے تھا اور اس سے بھی بڑی بات یہ کہ وہ جو کھیل کھیل رہا تھا اس میں سب لڑکے ہار گئے تھے۔اس نے غلیل سیدھا کیا اور کچھ دیر بعد چھوڑ دیا۔آنکھیں بند کر لی تھی اس نے۔۔ہار کے ڈر سے۔
لیکن پتھر سیدھا جا کر اینٹ پر لگا۔ایک ٹھک کی آواز آئی اور اس نے ثاقب کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرتے دیکھ لی۔گویا پتھر نشانے پر لگا تھا۔اس نے قاری صاحب کی طرف دیکھا۔وہ غور سے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
ثاقب کو اپنے پاس بلا کر انہوں نے کچھ کہا اور ثاقب نے جا کر وہ اینٹ مزید تھوڑے سے فاصلے پر رکھ دیا اور کنکر دوبارہ لا کر اسکے ہاتھ میں تھما دیا۔
اس نے کچھ کہے بغیر دوبارہ نشانہ باندھ لیا۔اس بار وہ ڈر نہیں رہا تھا۔پہلی بار تو وہ کامیاب

ہو گیا تھا۔

اور اکثر پہلی کامیابی دوسری ناکامی کا خوف دل سے نکال دیتی ہے۔

اب اس نے کافی حوصلے سے نشانہ باندھ کر غلیل چھوڑا۔اور اس بار بھی اسکا نشانہ بلکل ٹھیک لگا۔ پتھر سیدھا جا کر اینٹ پر لگا۔اس نے قاری صاحب کی طرف دیکھا۔وہ بہت غور سے اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔

مولوی صاحب کی ایماء پر ثاقب نے ایک بار پھر اینٹ کا فاصلہ بڑھادیا اور پتھر لا کر اسے تھمادیا۔ اس نے ہنستے ہوئے پکڑا اور دوبارہ نشانہ باندھنا شروع کیا۔اس بار اسکے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔پتھر ہوا کا سینہ چیرتا ہوا ایک بار پھر ٹھک کی آواز کے ساتھ اینٹ پر جالگا اور ایک فاتحانہ مسکراہٹ اسکے چہرے پر رقصاں ہوئی۔

مولوی صاحب تو گویا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اسکا نشانہ کس فاصلے پر جا کر چوکتا ہے۔سو انہوں نے اینٹ کا فاصلہ مزید بڑھوادیا اور اس بار نشانہ واقعی چوک گیا۔۔

مولوی صاحب نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور کچھ کہے بغیر اندر چلے گئے۔۔

تو گویا رحمت اللہ مولوی شہاب سے جیت چکا تھا۔ثاقب بھاگتا ہوا آیا اور اسکے گلے لگ گیا۔اسکے پیچھے اسکے باقی دوست بھی قریب آئے۔وہ سب بہت خوش تھے۔۔

اور اس دن رحمت اللہ اور مولوی شہاب اسکی خداداد صلاحیت کے بارے میں جان گئے تھے۔

امی آپ کو ڈاکٹر نے کہا تھا کہ آرام کریں پھر بھی آپ صفائی کرنے میں لگی ہوئی ہیں؟؟؟؟ سکول سے آکر اس نے اپنی ماں کو کام میں جتا دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا اور جا کر ماں کے ہاتھ سے جھاڑو لے لیا۔۔

بیٹا میں کوئی تھکن والا کام نہیں کر رہی۔یہ تو بس ویسے ہی لیٹے لیٹے تنگ ہو گئی تو۔۔۔۔۔۔۔

مجھے پتا ہے امی آپ کوئی لیٹے لیٹے نہیں تھکی۔بس آپ کو صفائی کی فکر ہے کہ گھر گندہ نہ ہو۔وہ اپنی ماں کی فکرمندی کو جانتا تھا۔

اور امی آپکو ابو نے بھی صبح کہا تھا کہ کوئی کام نہ کریں لیکن پھر بھی آپ اٹھ گئی ہیں۔۔وہ اپنی ماں پر بہت ناراض تھا۔

شاہدہ کو پچھلے کچھ دنوں سے بخار اور کمزوری ہو رہی تھی۔کل احسان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی

اوراس نے ٹسٹ کیے تو ملیریا بخار کا بتایا۔ دوائیاں دیں اور ساتھ میں آرام کرنے کا کہا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ جیسے ہی بخار تھوڑا سا اترا آج صفائی کرنے اٹھ گئی۔

سبزی احسان نے کل رات ہی بنا کر فریج میں رکھ دی تھی۔ صبح کا ناشتہ بھی اسی نے تیار کیا۔ عام طور پر شاہدہ اسے گھر کا کوئی کام نہیں کہتی تھی۔ حتیٰ کہ سبزی بھی وہ فیصل کو اپنے ساتھ بازار لے جا کر لے آتی تھی لیکن اسکی بیماری کے دوران وہ اکثر گھر کا کام کر لیتا تھا اور بہت اچھے سے سنبھال بھی لیتا تھا۔ وہ شاہدہ کا بہت خیال کرتا تھا۔ زندگی میں اسکے پاس یہی چھوٹا سا خاندان ہی تو تھا۔ شاہدہ کا بخار اتر چکا تھا لیکن احسان اور فیصل نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ احسان نے ناشتہ بنایا تو فیصل نے اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کو تیار کر لیا بچوں کو ناشتہ کروا کر اور سکول کیلیے تیار کر کے وہ خود بھی ٹیکسی لے کر نکل پڑا۔ شاہدہ کیلیے ناشتہ بنا کر اس نے میز پر رکھ لیا کہ وہ اُٹھ کر کر لے۔

لیکن یہ کیا؟؟

فیصل سکول سے لوٹا تو وہ تو صفائی میں مشغول تھی۔ اپنی ماں پر اسے بے حد پیار آیا۔ وہ اسکا اور نعمان کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔ لیکن پیار میں غصے کی ملاوٹ بھی تھی۔ آخر انہیں آرام کرنے سے اتنی چڑ کیوں ہے؟؟

اسکے ہاتھ سے جھاڑو لے کر اس نے بستا اپنے بیڈ پر رکھا اور جھاڑو لگانے لگا۔ شاہدہ نے لپک کر اسکے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہا۔ اسکا بیٹا ابھی تھکا ہوا آیا تھا۔

امی میں کر رہا ہوں نا صفائی۔ آپ جا کر لیٹ جائیں۔ نومی اور شالو آتے ہیں تو میں روٹیاں لے آؤنگا دکان سے۔۔

بیٹا جھاڑو دو مجھے کیا کر رہے ہو یہ؟؟؟ وہ ناراض ہو رہی تھی۔

آپ لیٹ جائیں امی۔ بس جھاڑو ابھی دو منٹ میں ہو جائے گی۔ وہ بھی اپنی ماں کو خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ یہاں سے اس نے چھوڑنا تھا اور وہاں سے شاہدہ نے اٹھا کر جھاڑو شروع کر دینی تھی۔

بیٹا تھکے ہوئے آئے ہو۔ چھوڑ دو۔

وہ خاموش رہا۔

اچھا بیٹا چھوڑ دو ابھی۔ میں نہیں لگا رہی۔ تم تھوڑی دیر ستا کر لگا لینا پھر۔ وہ آخری ہتھیار سمجھ کر بولی۔۔

نہیں امی۔ آپ نے ابھی پھر شروع کر دینی ہے۔ وہ جھاڑو دیتا رہا۔ نویں جماعت کا طالبعلم تھا لیکن سوچتا بہت بڑا تھا۔

ضروری نہیں کہ سب لوگ اپنی عمر کے مطابق سوچیں۔کچھ لوگوں کو زندگی اپنے وقت سے پہلے سمجھ بوجھ دے دیتی ہے۔اور فیصل علی خان ان میں سے ایک تھا۔کبھی اپنے باپ سے وہ فرمائش نہیں کی جسکو پورا کرنے میں اس دن ان کی کمر دکھ جائے۔کیوں کہ اپنی آمدنی میں خواہشات پوری کرنا اسکے لیے ممکن نہیں تھا۔اس نے کبھی کھلونا گاڑی یا کھلونا پستول کی فرمائش نہیں کی۔کبھی ضد نہیں کی۔اپنے دوستوں کو دیکھ کر اپنے باپ سے کبھی خوبصورت قلم کا تقاضا نہیں کیا۔

اپنے ماں باپ سے بے حد پیار کرنے والا فیصل علی خان اپنی عمر سے پہلے ہی اپنے ماں باپ کی مجبوریاں سمجھ چکا تھا۔۔

تقریباً دس منٹ میں اس نے جھاڑو لگا دیا۔اس دوران نومی اور رشا لوبھی آگئے۔فیصل نے ہاتھ دھوئے اور اندر جا کر پیسے اٹھا لیے جو باپ نے اسے صبح دیے تھے دوپہر کو بازار سے روٹی لانے کیلیے۔ویسے تو پیسے شاہدہ کے پاس ہوتے تھے لیکن احسان جانتا تھا کہ اگر شاہدہ کو پتا چلے گا تو وہ خود بنانے کی ضد کرے گی۔سو اس نے فیصل کو پیسے دے دیے تھے۔۔

کہاں جا رہے ہو بیٹا؟؟؟اسے کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف جاتے دیکھ کر وہ بولی۔۔

امی روٹی لانے جا رہا ہوں۔۔

میں بنا رہی ہوں نا بیٹا۔ابھی تو میں ٹھیک ہوں۔دیکھو۔۔وہ اٹھتے ہوئے بولی۔۔

امی ابو نے کہا تھا کہ آپ نہ بنائیں۔ویسے بھی آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔چولہے کے سامنے پھر سے خراب ہو جائے گی۔لیٹ جائیں آپ۔اور اس نے جانے کیلیے قدم بڑھا دیے۔وہ پیچھے سے بلا رہی تھی لیکن وہ نہیں رکا۔

بازار سے وہ روٹیاں لے کر آیا تو شاہدہ باورچی خانے میں کھڑی سبزی گرم کر رہی تھی جو احسان بنا کر گیا تھا۔وہ خاموشی سے اپنی ماں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔سالن گرم ہو گیا تو پلیٹ میں ڈال کر اور روٹیاں چنگیر میں رکھ کر اندر لے گیا۔

چلیں امی آجائیں۔وہ جاتے ہوئے بولا۔۔

جاؤ شروع کرو تم لوگ میں آتی ہوں۔۔وہ بولی۔

نہیں نا امی۔آپ ابھی چلیں نا۔کھانے کے بعد آپ نے دوائی بھی کھائی ہے۔وہ ضدی لہجے میں بولا۔

لے لونگی بیٹا دوائی لے لونگی۔ابھی تو کافی بہتر ہوں۔وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

اور اس نے مسکراتے ہوئے اپنی ماں کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

وہ پانچوں پوری طرح مطمئن ہو چکے تھے۔مولانا صاحب کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ کوئی انکی بات سے اختلاف نہیں کرپاتا تھااور پھروہ کوئی غلط بات بھی تونہیں کرتے تھے۔اللہ اوراسکے رسول ﷺ اورانکے دین سے انہیں محبت تھی۔اوریہی محبت وہ دوسروں میں ڈالنا چاہتے تھے۔

تو بچے اگر دین کوآپ کی ضرورت ہوگی توآپ قربانی دینے کیلیے تیار رہینگے نا؟؟انہوں نے امید بھری نظروں سے دیکھا۔

جی مولانا صاحب۔ہم میں سے ہرایک کواپنی جان دے کربھی اسلام کاپرچم بلند کرنے پرخوشی ہوگی۔سیف اللہ بولا۔

مولانا صاحب خاموش رہے۔

اورویسے بھی مرنا توایک دن سب نے ہے۔پھرشہادت کی موت اورجہاد کی زندگی کیوں نہیں؟؟؟ مجاہداللہ نے پرعزم لہجے میں کہا۔

شاباش میرے بچو!اس دین کوتم جیسے جوان اورپرجوش خون کی ضرورت ہے۔ہم بوڑھے اب صرف بتاسکتے ہیں۔کچھ کرنہیں سکتے۔کرناتم لوگوں نے ہے۔اس دین کوبچانے اوررائج کرنے کی ذمہ داری اب تم لوگوں کی ہے۔وہ خوش ہوتے ہوئے بولے۔۔

مولانا صاحب آپ ہمیں جوکہیں گے ہم کرنے کوتیارہیں۔ہم سب جانتے ہیں کہ آپ اللہ ,رسول ﷺ اوردین سے کتنا پیارکرتے ہیں اورآپ کی ہدایات پرعمل کرکے ہم بھی جنت کاحصول ہی چاہتے ہیں۔۔حیدربولا۔

مجھے بہت خوشی ہوئی بچوں کہ ہمیں تم لوگوں جیسے ہیرے ملے ہیں۔اللہ خوش اورکامیاب کرے سب کو۔۔

انہوں نے آوازدے کرمولوی صلاح الدین کوبلایا۔وہ آئے توان سب کواپنے پیچھے آنے کااشارہ کرتے ہوئے واپسی کےراستے پرجانے لگے۔انکی رہنمائی میں وہ تہہ خانے سے نکل آئے۔۔

کسی کواس تہہ خانے کے بارے میں بتانانہیں ہے۔آگے چلتے ہوئے انہوں نے کہا۔

سن رہے ہونا۔انکی خاموشی پرانہوں نے دوبارہ کہا۔

جی مولوی صاحب آپ فکرنہ کریں۔اوروہ اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔

تمہیں واقعی اللہ نے بہت صلاحیت دی ہے رحمت۔وہ سبق پڑھتے رحمت اللہ سے مخاطب ہوئے

۔۔اس نے انکی طرف دیکھا۔انکی نظروں میں واقعی ستائش تھی۔

تمہاری صلاحیت کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے اللہ تم سے بھی کوئی بڑا کام کروانا چاہتا ہے۔۔وہ تیرہ چودہ سالہ لڑکا انکی پوری بات نہیں سمجھا لیکن جتنا سمجھا اسکے مطابق اسنے سر ہلا دیا۔

اب وہ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ نشانہ بازی کرتا تھا۔یہ جیسے انکے لیے ایک کھیل بن گیا تھا۔

اسے یہاں آئے ہوئے دو سال ہونے کو تھے۔وہ ترجمہ پڑھ چکا تھا اور تفسیر کچھ ہی رہتی تھی۔۔

رحمت بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں جو صلاحیت اللہ نے دی ہیں تمہیں اللہ ہی کیلئے انکا صحیح استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔اب دیکھو نا اللہ نے تمہیں ایک بہت اچھا جسم دیا ہے،ایک بہت اچھا دماغ دیا ہے،ایک بہت اچھی صلاحیت دی ہے اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی اللہ دیتا ہے وہ آخرت میں ان سب کا حساب لے گا۔کہے گا تمہیں دماغ دیا تھا کیا کیا اسکے ساتھ؟؟اتنا اچھا جسم دیا تھا اسکا میری راہ میں استعمال کیوں نہیں کیا؟ اور تجھے میں نے عام لوگوں سے بڑھ کر ایک صلاحیت عطا کی تھی اسکا کیا کیا؟؟کیوں اسکو ضائع کیا؟اسکو میری مرضی کے مطابق کیوں استعمال نہیں کیا؟؟

دیکھو بیٹا اللہ جو دیتا ہے وہ انسان کیلئے آزمائش ہی ہوتا ہے اور جو اللہ کی دی ہوئی آزمائش پر پورا اترتے ہیں انکے لیے اللہ کے پاس دینے کو بہت کچھ ہے اور اگر کوئی اسکی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق سمجھ کر اسکی مرضی سے اختلاف کرے تو اسکے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ اس پر اپنی مرضی مسلط کر دے۔اللہ فرماتا ہے۔۔

ہوگا وہی جو میری چاہت ہے

تو ہوا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔تو بیٹا تم زندگی میں اپنی اس صلاحیت کو اللہ کی راہ میں استعمال کرنا۔کسی ایسے لوگوں کا آلہ کار مت بننا جو اسلام اور اسکی روح کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور ایسے لوگ زندگی میں قدم قدم پر ملیں گے تمہیں لیکن کبھی کوئی ایسا بھی آئے گا تمہاری زندگی میں جسے اللہ نے بھیجا ہوگا تمہاری صلاحیت کا صحیح استعمال کرنے کیلیے بس تم دونوں میں پہچان کرنا سیکھ لینا۔۔

قاری صاحب کی آدھی آدھی باتوں کو سمجھتے ہوئے وہ سب پر سر ہلا ہلا کر اپنی طرف سے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔پندرہ سال کا لڑکا اتنی مشکل باتیں آدھی آدھی ہی سمجھ سکتا تھا۔۔

وہ اپنی ماضی کی یادوں سے گھبرا کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن ماضی اسے بھاگنے نہیں دے رہا تھا۔اسے کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا اور جب کبھی وہ تنہا بیٹھتا تب ماضی ایک دم سے اسکے ذہن پر دھاوا بول کر اسے وقت سے بہت پیچھے لے جاتا اور ایسے وقت میں وہ مزید بے چین ہو جاتا۔۔۔۔

آج بھی اسکے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔وہ سکون کی تلاش میں اسی پتھر کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا لیکن سکون کی بجائے وہ ماضی کے جھروکوں میں کھو گیا تھا۔۔۔

وہ ماضی جب وہ مجاہد اللہ نہیں بنا تھا۔۔صرف رحمت اللہ تھا۔۔۔۔جمیلہ کا رحمتے ۔۔۔۔۔۔

مجاہد اللہ کا ماضی رحمت اللہ تھا۔

بیٹا تم لوگ آج رات کو گیارہ بجے مسجد میں آجانا۔قاری ثناء اللہ نے عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر ان سے اکیلے میں کہا۔۔

جی۔۔۔۔

لیکن دھیان رکھنا کہ کوئی دیکھ نہ لے اور گیارہ بجے سے پہلے بھی مت آنا۔۔

جی ٹھیک ہے۔۔

گیارہ بجتے ہی وہ اپنے کمرے سے نکل آئے۔ادھر ادھر دیکھا کیونکہ انہیں احتیاط کی ہی تاکید کی گئی تھی لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔سب سوئے ہوئے تھے۔انہوں نے کمرے سے نکل کر دروازے کو ایسے بند کیا کہ باہر سے دیکھنے پر ایسا لگتا کہ وہ سب اندر سو رہے ہیں اور دروازہ اندر سے بند ہے۔کہ اگر کوئی رات میں غسل خانے کے لیے نکلے تو انکے دروازے کو دیکھ کر انکی غیر موجودگی محسوس نہ کر لے۔

وہ آہستہ سے چلتے ہوئے مسجد پہنچے تو قاری ثناء اللہ کو اپنا انتظار کرتے ہوئے ہی پایا۔

آؤ بچوں۔انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور انکے آگے چلتے ہوئے دوبارہ انہی دو کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

وہ بھی انہیں کی تقلید کرتے ہوئے اسی جانب بڑھے۔وہ سب بے آواز چل رہے تھے۔کل والا کمرے کا دروازہ آج بھی کھلا ہوا تھا۔وہ مولوی ثناء اللہ کے پیچھے چلتے ہوئے اسی بڑے کمرے میں آئے جہاں دوسرے کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔

مولوی بلال وہیں پر کھڑے تھے۔گویا انہیں کا انتظار کر رہے تھے۔کمرے میں آج بھی روشنی تھی۔

قاری ثناء اللہ اور مولوی بلال انہیں لے کر ایک کمرے کی طرف بڑھے۔یہ وہ کمرہ نہیں تھا جس میں کل بیٹھ کر انہوں نے بڑے مولانا صاحب سے باتیں کی تھی۔

کمرے کے کونے میں ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا جس پر ایک سفید رنگ کی چادر پڑی تھی۔۔

دیکھو بیٹے کل تم لوگوں کے یہاں سے جانے کے بعد مولانا صاحب نے ہمیں ہدایت کی کہ آپ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلیے تیار ہو۔آپ نے اللہ کی رضا اور دائمی جنت کو اس دنیا پر ترجیح

دینے کا ارادہ اور وعدہ کرلیا ہے ۔ایسا ہی ہے نہ بیٹے ؟؟؟؟؟؟انہوں نے تصدیق چاہی ۔۔

جی قاری صاحب ۔۔

تو بیٹا وہ آیت تو یاد ہوگی نا کہ اللہ نے فرمایا کہ کفار سے مقابلے کیلیے اپنے گھوڑوں کو تیار رکھو اور دوسری جگہ یہ کہ کفار سے قتال کرو حتیٰ کہ شرک کا فتنہ باقی نہ رہے ۔یاد ہے نا؟؟؟؟انہوں نے پھر تصدیق چاہی ۔

جی بلکل ۔۔۔

تو قتال کیلیے صرف گھوڑوں کی ضرورت تو نہیں ہوتی نا ۔اگر آپ کے پاس گھوڑے ہیں اور تلوار نہیں ہے تو آپ کچھ نہیں کر سکتے اور آج جبکہ تلوار کی جگہ پستول اور بندوق نے لے لی ہے تو اگر آپ کے پاس یہ نہیں ہوگا تو آپ جہاد اور قتال کر ہی نہیں سکتے ۔جہاد کیلیے سب سے پہلے اسلحے کا ہوا ضروری ہے ۔۔

انہوں نے اپنی بات روک کر انکی طرف دیکھا ۔انہوں نے سر جھکا کر انکی بات کی تائید کی ۔

مجاہد اللہ ۔جا کر چادر کے نیچے دیکھ لو ۔کچھ اسلحہ پڑا ہوا ہے جس کو آپ جہاد کی تیاری کیلیے جمع کیا گیا ذخیرہ کہہ سکتے ہو ۔

وہ ڈرتے قدموں سے اس طرف بڑھا ۔

ڈرو مت بیٹا ۔موت کے فوراً بعد جنت کا حصول اتنا آسان نہیں ہے ۔بہادر لوگ ہی کر سکتے ہیں اور بہادر بننا پڑے گا آپکو ۔مولوی بلال نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا ۔

اسکے اندر بجلی سی کوند گئی ۔وہ جوش سے آگے بڑھا اور چادر ایک کونے سے پکڑ کر کھینچ لی ۔

ان پانچوں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ۔اتنا اسلحہ انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا انہوں نے اگر زندگی میں کوئی اسلحہ دیکھا بھی تھا تو وہ صرف پستول ہی تھا ۔

چادر کے پیچھے کود کر ایک بڑی خندق سی بنائی گئی تھی جو پوری کی پوری اسلحے سے بھری ہوئی تھی اور اسکے اوپر کپڑا اسطرح ڈالا گیا تھا کہ کپڑا اٹھانے سے پہلے وہ گمان بھی نہیں کر سکے کہ اسکے پیچھے اتنا اسلحہ ہے ۔۔

وہ سب حیران نظروں سے اسی خندق کی طرف دیکھ رہے تھے ۔۔

بیٹا میں نے ذکر کیا نا کہ یہ سب اسی سلسلے کی تیاری ہے کہ قتال کیلیے اپنے گھوڑے تیار رکھو ۔۔

لیکن مولوی صاحب اتنا اسلحہ آیا کہاں سے؟؟؟؟حمزہ نے پوچھ لیا ۔

بیٹا جب انسان ارادہ کرلیتا ہے تو اللہ اسے کامیاب کرنے کیلیے وسائل بھی دے دیتا ہے ۔وہ خود اسکی مدد کرتا ہے بس یہی سمجھ لو کہ ہمیں بھی یہ اللہ نے ہی دی ہے کہ جاؤ اور میری زمین پر میرے دین

کا بول بالا کر دو ۔۔

وہ تھوڑی دیر خاموش رہے ۔پھر بولے ۔

بیٹے ہم اپنی اوقات کے مطابق کر سکتے ہیں نا ۔کسی مقصد کا حصول ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے ۔ہاں کوشش کرنا ہمارا فرض ہے سو وہ ہم کر رہے ہیں اور اسی کیلیے آپ سے مدد کے طلبگار ہیں ۔کیا پتا اللہ کو ہماری یہ کوشش ہی پسند آجائے ۔۔

آپ حکم کریں قاری صاحب ۔ہم کچھ بھی کرنے کیلیے تیار ہیں عظیم مقصد کے حصول کیلیے ۔عمر فاروق بولا ۔

اور ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ ہم کسی اچھے کام میں آپ کے شریک بنے ویسے بھی مرنا تو ہے ہی کسی دن ۔مجاہد نے اسی خندق کے پاس کھڑے کھڑے کہا۔

ہاں بیٹا زندگی میں اکثر لوگوں کو زندگی کے مقصد کی سمجھ بہت بعد میں آتی ہے جیسے ہمیں زندگی کے اس حصے میں سمجھ آئی جب اب ہم میں اسلحہ اٹھا کر لڑنے کی ہمت نہیں رہی ۔اب جا کر سمجھ میں آیا ہے کہ شہادت کی موت میں کتنا سرور ہے جو دنیا کی کسی دوسری نعمت میں نہیں ہے لیکن اب شدید خواہش کے باوجود بھی عمر اور کمزوری اجازت نہیں دیتی ۔۔

وہ لوگ غور سے انکی باتیں سن رہے تھے ۔انکی باتوں میں بلا کا جادو تھا جو کسی کو بھی اپنی گرفت میں جکڑ سکتا تھا ۔اور وہ تو پہلے سے ہی سحر زدہ تھے ۔

لیکن پھر بھی ہم کوشش کرتے ہیں کہ کچھ ایسا کر جائیں جو اللہ کے سامنے شرمندگی سے بچا لے ۔اللہ پوچھے کہ زندگی میں کیا کیا تو سر تو نہ جھکے نا ۔بس اسی کوشش میں ہم سب یہ کرتے ہیں ۔

بیٹے ہمارے پاس کچھ اور اسلحہ بھی ہے وہ بھی اسی مقصد کیلیے ہے ۔چلو تم لوگوں کو دکھاتے ہیں

وہ پانچوں انکے ساتھ دوسرے کمرے میں گئے ۔وہاں بھی اسی طرح کا ایک خندق کھودا گیا تھا اور اسی کے اندر بھی ان کے اندازے سے زیادہ اسلحہ تھا ۔خندق میں مختلف قسموں کی بندوقیں تھیں ۔

وہاں اس خندق کے پاس کھڑے کھڑے کوئی بھی انسان یہ بتا سکتا تھا کہ انکی تعداد ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور تھیں ۔

وہ سب حیرت سے دیکھ رہے تھے ۔

بیٹا یہ کلاشنکوف ہے ۔پہلے ہمارے پاس نہیں ہوتے تھے اور دشمن کے پاس بے شمار تھے ۔ہم تلوار سے مارتے وہ دور سے گولی سے ۔اس ہتھیار سے ایک منٹ کے اندر اندر سو گولیاں ماری جا سکتی ہیں اب ہمارے مجاہدوں نے بھی اسکو بنانے کا طریقہ سیکھ لیا ہے تو یہ سب اسی علاقے میں بنی ہیں ۔۔وہ آہستہ

آہستہ بولتے رہے۔۔

چلو بیٹا آج کیلیے اتنا ہی کافی ہے۔کچھ چیزیں اور بھی ہیں،وہ کل دیکھ لینا۔آخر کو تم لوگوں نے ہی استعمال کرنی ہیں۔ہم بوڑھے تو اب انہیں استعمال کرنے کے قابل نہیں رہے۔اپنی بات کے اختتام پر وہ ہنسے۔

لیکن مولوی صاحب ہمیں تو انہیں استعمال کرنا نہیں آتا بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم نے آج پہلی بار اتنا اسلحہ دیکھا ہے۔مجاہد نے کافی دیر سے ذہن میں پنپتے سوال کو شکل دی۔۔

بیٹا آپ کو سکھایا جائے گا۔سب سکھایا جائے گا۔آپ کا مقصد صرف اسلام نافذ کرنا ہے،شہادت کی موت نہیں لیکن اس مقصد کے حصول کے دوران اگر شہادت نصیب ہوتی ہے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہوگی۔مولوی بلال نے اسکے شکوک کو سمجھتے ہوئے بڑے جامع انداز میں جواب دیا۔

چلو بیٹا اب چلتے ہیں۔اور وہ انکو لے کر اس کمرے سے اور پھر اس تہہ خانے سے نکل آئے۔مولوی صاحب مسجد کی طرف گئے اور وہ پانچوں اپنے کمرے میں آگئے۔

وہ کافی دیر تک اپنے اپنے بستروں میں بیٹھ کر تہہ خانے میں پڑے اسلحے کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور کافی دیر بعد صبح جلدی اٹھنے کی وجہ سے سونے لیٹ گئے۔یہ انکے لیے حیران کن چیز تھی۔۔

اور صرف وہ رات نہیں اس سے اگلے دن بھی سارا دن انکا موضوع بحث مدرسے کے تہہ خانے میں پڑا وہ اسلحہ تھا۔

رحمت اللہ کو مدرسے میں آئے ہوئے پانچ ماہ ہونے کو تھے۔اس عرصے میں وہ اپنے نشانے کی وجہ سے سارے مدرسے میں مشہور ہو چکا تھا اور اب تو کوئی اس سے مقابلہ بھی نہیں کرتا تھا۔ثاقب کے ساتھ اسکی دوستی بہت پکی ہو چکی تھی۔وہ ویسے بھی دوست بنانے میں ماہر تھا۔ترجمے اور تفسیر کے ساتھ دس سیپارے پڑھ چکا تھا۔آج جمعے کے دن انکا درس ہو رہا تھا۔پندرہ سال تک کے بچوں کو قاری شہاب درس دے رہے تھے اور ان سے بڑے لڑکوں کو مولانا جہانزیب۔

بچوں ہمارا ایمان ہے کہ زندگی ایک بار ہی ملی ہے اور اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور وقت کے ساتھ شعور بھی دیا۔اچھے برے اور صحیح غلط کی پہچان بھی دی۔اور دنیا میں صحیح غلط رستے بھی بنائے۔اپنی پسند اور ناپسند بھی بتا دی،اور پھر ہمیں اختیار دے دیا کہ جاؤ تم نے جیسی زندگی گزارنی ہے گزار دو۔میں تمہیں مہلت دیتا ہوں تمہاری آخری سانس تک۔اپنے لیے جو راستہ چننا ہے چن لو لیکن اس آخری

سانس کے بعد کوئی مہلت نہیں ملے گی اور تم نہیں جان سکتے کہ تمہاری وہ آخری سانس کب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم جو سانس لے رہے ہو وہی تمہاری آخری ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم جو سانس لے رہے ہو وہ پوری لے بھی نہ سکو اور ممکن یہ بھی ہے کہ تم اپنی کسی سانس کو آخری سمجھ رہے ہو اور اللہ کو اسکے بعد بھی تمہارے لیے ایک لمبی زندگی منظور ہو۔اس نے صرف زندگی اور موت کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے۔ پیدا ہونے پر کسی بھی انسان کا بس نہیں چلتا اور موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا لیکن پہلی اور آخری سانس کے بیچ میں جو کرتا ہے وہ سارا اختیار اللہ نے بندے کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔لیکن اپنی پسند ناپسند بھی بتا دی ہے۔اور ساتھ میں یہ بھی بتا دیا کہ اس دنیا کے علاوہ اس نے ایک اور جہان بھی تخلیق کیا ہے جو صرف اس دنیا کے کیے پر سزا اور جزا کیلیے ہوگا۔سو اگر اسکی پسند پر چلو گے تو دوسرے جہان میں وہ بہت بڑا انعام دے گا۔اور اگر اسکی نہیں مانو گے تو وہ سزا دے گا۔۔

کسی انسان کا بس نہیں چلتا کہ وہ کہاں جنم لیتا ہے اور کس دین پر جنم لیتا ہے اور اس پر اللہ نے سزا نہ دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن شعور کی منزل پر پہنچ کر بھی اگر کوئی اسکی پسند پر نہ چلے تو پھر سزا اور عذاب دینے کا وعدہ بھی وہ کر چکا ہے گویا لاشعوری طور پر کی گئی غلطی کی سزا وہ نہیں دیتا لیکن شعوری غلطی پر سزا ضرور دے گا۔

کوئی اسکے پسندیدہ مذہب پر پیدا نہیں ہوتا وہ اس پر سزا نہیں دے گا لیکن کسی کی موت اسکے پسندیدہ مذہب پر نہیں ہوتی اس پر وہ سزا ضرور دے گا کیونکہ اس نے آزادی دی ہے اور بتا بھی دیا ہے کہ اسکی پسند کیا ہے۔۔

اور پھر اس نے صرف مذہب میں ہونے یا نہ ہونے کی بات بھی نہیں کی۔ جب کچھ لوگ اسکے پسندیدہ مذہب پر ہوں اور وہ سارے ہی مسلمان مریں تو پھر فیصلہ اس پر ہوگا کہ کس نے زندگی اسکی پسند پر گزاری اور کون اسکے پسندیدہ طریقے پر مرا اور مومن کی موت کیلیے اللہ کا پسندیدہ طریقہ شہادت ہی ہے ۔۔

جب اسکے دین میں داخل ہو گئے تو وہ کچھ فرائض اپنی ذات اور کچھ اپنے دین کے حوالے سے فرض کرتا ہے۔جیسے کہ فرمایا۔۔

مسلمانوں تم پر اللہ کی راہ میں لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا لیکن عجب نہیں کہ کوئی چیز تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور کوئی چیز تمہیں اچھی لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہو۔

البقرہ: ۲۱۶

توہم مسلمانوں پر فرض کیا گیا کہ جہاں بھی برائی دیکھیں اسکے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔سب سے

پہلے اسے زور بازو سے روکیں ۔نہ ہو سکے تو کلام سے اور اگر اس سے پیچھے جاؤ گے تو ایمان کا کوئی مضبوط اور اللہ کا پسندیدہ درجہ رہ نہیں جائے گا۔

التوبہ

تو بیا زندگی میں ایک بار مرنا تو سب کو ہے ۔وہ امیر ہے یا غریب ,خوبصورت یا بدصورت **موت** کا ذائقہ سب کو چکھنا ہے ۔کسی کی کوئی صلاحیت اسے **موت** سے نہیں بچا سکتی اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ سب بھی تو اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہے نا ۔تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہی اسے اللہ کی دی ہوئی **موت** سے بچا لے۔

تو اگر زندگی کا انجام **موت** ہی ہونا ہے تو ویسی **موت** کیوں نہیں جو اللہ اور اسکے رسول کو پسند ہو۔اور وہ **موت** صرف اور صرف شہادت کی **موت** ۔۔

بیٹے آج بھی آ جانا تم لوگ پچھلے تہہ خانے میں گیارہ بجے۔۔

تہہ خانے میں یا مسجد میں قاری صاحب؟؟؟عمر نے پوچھا۔

بچے اب آپ لوگ ہمارے لیے بہت خاص ہو۔آپ پر اعتبار کرتے ہیں ہم ۔اسلیے احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں رہی اب انہوں نے مطمئن انداز میں جواب دیا ۔

رات کے گیارہ بجے وہ لوگ ایک بار پھر اسی انداز میں اپنی اپنی چادریں لپیٹ کر نکلے ۔ادھر ادھر کا اندازہ لگایا اور احتیاط سے دروازہ اپنے پیچھے بند کر کے برامدے پر نگاہ دوڑائی لیکن اس سردی میں بے وجہ نکلنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی ۔اندھیرے کی دبیز چادر میں وہ پانچوں تہہ خانے کی طرف گئے ۔آج وہ اکیلے تھے۔

وہاں پہنچے تو دروازہ انہیں کھلا ہی ملا ۔شاید انکے لیے ہی کھلا رکھا گیا تھا۔مجاہد نے تھوڑا سا دھکیلا تو کھلتا چلا گیا۔اندر ایک کونے میں ایک لالٹین ہلکی سی جل رہی تھی۔صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انکا انتظار کیا جا رہا تھا۔

سیڑھیوں سے اتر کر وہ اسی کمرے میں جا پہنچے جس میں باقی سارے دروازے کھلتے تھے۔ سیڑھیوں کے پاس ہی زمین پر ایک چٹائی پر مولوی ثناءاللہ اور مولوی صلاح الدین بیٹھے ہوئے تھے ۔انکو سیڑھیوں سے اترتا دیکھ کر انہوں نے چٹائی پر انکے لیے جگہ خالی کی۔۔۔

آ جاؤ جوانوں ۔۔مولوی صلاح الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پانچوں جا کر انکے پاس چٹائی پر بیٹھ گئے ۔۔

ہاں بیٹا۔یہ بتاؤ جوکل دیکھا تھا اسکے بارے میں کیا خیال ہے؟؟؟؟؟ مولوی ثناءاللہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔وہ حیرانی سے انکی طرف دیکھنے لگے۔۔

بھئی میرا مطلب یہ ہے کہ کل جو دیکھا اس سے ڈرے تو نہیں؟؟ اسے استعمال کرو گے اگر ہم استعمال کرنا سکھا دیں تو؟؟

قاری صاحب بلکل بھی نہیں ڈرے۔اور جب ہمیں پتا ہے کہ ہمارے دین کو اس وقت ضرورت ہے تو جہاں ضرورت ہوگی ہم ضرور استعمال کرینگے۔حمزہ نے اطمینان سے جواب دیا۔باقیوں نے سر ہلا کر تائید کی۔

شاباش بس ایسے ہی رہنا۔ایسے ہی جذبے اور جوش کی ضرورت ہے اس وقت۔اللہ آپ کے ارادوں میں پختگی دے۔انہوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

چلو بچو آج آپ کو جہاد کیلیے کچھ اور سامان دکھاتے ہیں۔مولوی صلاح الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔وہ سب بھی اٹھ گئے۔

ان دونوں کے پیچھے چلتے ہوئے وہ کسی اور کمرے میں آگئے۔اس میں وہ کل نہیں گئے تھے لیکن بغیر دیکھے بھی پتا چل رہا تھا کہ یہ کمرہ بھی بلکل باقی کمروں ہی کی طرح ہے۔اس کمرے میں بھی بیچ میں ایک سفید چادر بچھائی گئی تھی۔وہ جانتے تھے کہ اس چادر کے پیچھے ایک خندق ہوگی اور اس خندق میں اسلحہ۔مجاہد نے مولوی ثناء

اللہ کی طرف دیکھا اور اشارہ پا کر اس چادر کی طرف بڑھ گیا اور ایک ہی بار میں کھینچ کر اسے سمیٹ لیا۔

اندر بے شمار بندوقیں پڑی تھی لیکن یہ ویسی نہیں تھی جیسے انہوں نے کل دیکھی تھی۔وہ اس سلحے کو دیکھ رہے تھے۔۔

بیٹا یہ مختلف قسم کی بندوقیں ہیں۔گوروں کی زبان میں اسے سنا یپرز کہا جاتا ہے۔اور یہ جو اسکے اوپر لگی ہیں یہ دور بینیں ہیں۔اس بندوق سے آپ بہت دور سے بھی دشمن کا نشانہ لے سکتے ہیں۔انہوں نے اس عجیب قسم کی بندوق کا تعارف کروایا۔

قاری صاحب یہ کہاں سے آئی؟؟؟؟؟ سیف اللہ نے سوال کیا

بتاتا ہوں بیٹا۔بس ایک کمرہ رہتا ہے وہ بھی دیکھ لو تو اسکے بعد جتنا پوچھنا ہے پوچھ لینا۔میں سب بتاؤنگا۔انہوں نے دوسرے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

انہیں جاتا دیکھ کر مجاہد نے کپڑا اس خندق کے اوپر ڈالا اور انکے پیچھے چلا گیا۔دوسرے کمرے میں

بھی ویسا ہی سب کچھ تھا۔ کمرے کے بیچ میں کپڑا تھا جسے قاری صاحب نے خود آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔۔

اس خندق میں انہیں دور سے کھڑے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ وہ قریب گئے تو خندق میں پڑے بہت سارے گولے انہیں نظر آئے۔

یہ کیا ہے قاری صاحب؟؟؟ حمزہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

اسے بم کہتے ہیں بیٹا بم۔۔

بم؟؟؟؟؟ انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔ بم کا نام انہوں نے بھی سنا تھا لیکن آج پہلی دفعہ دیکھ رہے تھے۔۔

ہاں بیٹا یہ ہی بم ہے اور ہمارے جانباز مجاہدین اسے تب استعمال کرتے ہیں جب انہیں لگے کہ دشمن کی تعداد انکے مقابلے میں بہت زیادہ ہے یا پھر وہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو جائیں اور موت سامنے دکھائی دے رہی ہو تو بے بسی کی موت سے بہتر ہم دشمن کو نقصان پہنچا کر مرنا سمجھتے ہیں تو اپنے جسم کو اس بم سے اڑا کر روح کو جنت دے دیتے ہیں اور دشمن کو شدید نقصان۔ جسے وہ برسوں تک پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔

قاری صاحب یہ کہاں سے آیا ہے؟؟؟ سیف اللہ نے اپنا سوال دہرایا

بیٹا جب دشمن کے پاس ایسے ہی ہتھیار تھے اور ہمارے مجاہدین کے پاس عام استعمال کے ہتھیار تھے تو ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ ہمارے سینکڑوں مجاہدین شہید ہوتے تھے تو دشمن کا کوئی ایک بندہ جہنم رسید ہوتا تھا۔ بے شک ہمارے مجاہدین شہید ہوتے تھے لیکن آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہمارا مقصد صرف شہادت کا حصول نہیں ہے بلکہ ہم صرف اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ تو ہم نے ایک ایسے ملک سے معاہدہ کر لیا جس کا دشمن ہمارا بھی دشمن ہے۔ وہ اپنے دشمن کو شکست دینا چاہتا ہے اور ہم بھی اسی دشمن کو شکست دینا چاہتے ہیں۔ دشمن ایک ہے اور شکست بھی ایک ہی ہے لیکن مقاصد میں فرق ہے۔ سو ہم ایک دوسرے کی مدد کے سہارے چل رہے ہیں۔ وہ ہمیں اسلحہ دیتے ہیں اور ہم اسی اسلحے کو استعمال کر کے جنگ لڑتے ہیں۔ اسلحہ انکا اور مجاہدین ہمارے۔ شکست انکے دشمن کی اور نفاذ ہمارے دین کا۔ سو ہم ایک دوسرے کو فائدہ دے رہے ہیں تو یہ اسلحہ ہمیں وہی ملک فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے بہت تفصیلی جواب دیا۔

وہ غور سے انکی باتیں سن رہے تھے۔

اور یہ اسلحہ لینا بہت ضروری تھا کیونکہ دشمن آج اس سے بھی بہت جدید اسلحے سے لیس ہے۔ لیکن اب کچھ نہ کچھ ہمارے پاس بھی آ گیا ہے۔ اب ہمارے مجاہد خالی ہاتھ دشمن کے سامنے نہیں جاتے۔

دیکھو بیٹا آج طاقت کا دور ہے ۔جو طاقتور ہے وہ اپنی مرضی کرتا ہے اور ہم تو اپنی مرضی کرنا بھی نہیں چاہتے ۔کوئی شخصی مرضی نہیں چاہتے صرف اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دین کا نفاذ چاہتے ہیں اور یہ سب صرف طاقت کے زور پر ہوگا۔اسکے بغیر یہ ہونا ممکن نہیں ہے

ہم اسکو استعمال کیسے کرینگے قاری صاحب؟؟؟؟

ہم سکھائینگے بچے۔ہم سکھائیں گے۔۔

اور کچھ باتیں مزید کر کے وہ تھوڑی دیر بعد وہاں سے نکل آئے۔

رحمت اللہ میرا خیال ہے کہ آپ کو یہاں پر علم حاصل کر کے بڑے مدرسے جانا چاہئے ۔آپ کو اللہ نے عام زندگی گزارنے کیلئے نہیں بھیجا۔اللہ نے آپ کو خصوصی صلاحیت کے ساتھ خصوصی کام کیلئے بھیجا ہے اس دنیا میں اسلیے آپ کو اپنا آپ ضائع کرنے کی بجائے اسی صلاحیت کو ویسے ہی استعمال کرنا چاہئے جیسے اللہ چاہتا ہے۔۔

اسے مدرسے میں آئے تین سال ہوئے تھے۔اس عرصے میں وہ مدرسے میں ہر فرد کا منظورِ نظر بن چکا تھا۔مولوی شہاب اسکی تربیت ایک خاص زاویے پر کرنا چاہتا تھا اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو چکا تھا۔اب وہ سترہ سال کا ایک نوجوان تھا۔اچھے برے کی تمیز کر سکتا تھا اور یہ وہ کر رہا تھا۔۔

جی قاری صاحب! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ۔مجھے بھی یہی لگتا ہے اور میں ضرور بڑے مدرسے جاؤنگا ۔جہاں میری صلاحیت کو استعمال کیا جائے گا۔دینِ اسلام کی خدمت کیلیے۔۔

ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں بیٹے لیکن اپنا فیصلہ تم پر تھوپ نہیں سکتا۔تمہاری تعلیم ختم ہونے کے قریب ہے اور اسکے بعد جو تم کرنا چاہتے ہو وہ کرلو۔اپنے گھر واپس جانا چاہتے ہو تو بھی تمہاری مرضی ہے اور اگر آگے جانا چاہتے ہو تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔بڑے مدرسے جا کر بڑے مولانا صاحب سے ملو اور انکی سرپرستی میں آگے بڑھو۔

بڑے مولانا صاحب؟؟؟؟اس نے پوچھا۔

ہاں مولانا عبدالرحمان کا نام میں اکثر لیتا رہا ہوں۔یاد ہوگا تمہیں۔۔

جی مولانا عبدالرحمان کا نام تو آپ سے سنا ہے۔۔

ہاں بیٹا ۔وہی بڑے مولانا صاحب ہیں۔تم ان سے ملو گے تو خود جان جاؤ گے کہ میں جو کہتا رہا ہوں وہ بلکل بجا ہے ۔وہ ہیں تو انسان لیکن ایسا لگتا ہے کہ اللہ نے اپنے دین کی سربلندی کے لیے فرشتے کو انسانی روپ میں بھیج دیا ہے ۔وہ آج کے دور کے سب سے بڑے عاشقِ رسول ﷺ ہیں ۔اور یہ سب

اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے انہیں۔وہ اللہ اور رسول ﷺ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ہماری سوچ سے بھی زیادہ اور اپنی ساری زندگی انہوں نے دین کی سربلندی کیلیے وقف کی ہے اور انکے صدق کی گواہی ان کے چہرے پر پھیلا ہوا نور دیتا ہے۔۔

ٹھیک ہے قاری صاحب میں یہاں تعلیم ختم کر کے وہاں جاؤنگا۔ہر سچے مسلمان کی طرح میرا بھی دل کرتا ہے کہ اپنے دین کی خدمت کروں۔وہ کام کروں جس سے اللہ کو خوش کیا جا سکے اور اللہ کو خوش کر کے اپنے لیے جنت کا حصول ممکن بنا لوں۔وہ پرعزم لہجے میں بولا۔

شاباش میرے بچے۔اللہ تمہیں ایسے ہی ثابت قدم رکھے۔تمہارے دم سے دین کا اجالا کرے۔۔

آمین۔۔اس نے صدق دل سے انکی دعا پر آمین کہا اور اٹھ کر آ گیا وہاں سے۔۔

بیٹا پاپا کو سپر مین مل گیا ہے اور چھٹی بھی۔۔اسنے خوشی سے اطلاع دی۔۔

سچ پاپا؟؟؟کب آئینگے آپ؟؟وہ بے حد خوش ہوا۔

ہاں بیٹا سچ جلدی آؤنگا۔۔۔

لیکن پاپا کب؟؟؟وہ ایک دم سے پھر اداس ہوا۔

بیٹا ہمیں سپر مین تو مل گیا ہے لیکن دیکھتے ہیں کہ وہ کب آتا ہے ہمارے پاس۔لیکن وہ جیسے ہی آئے گا پاپا آ جائینگے۔انہوں نے اسے بہلایا۔۔

شاہنواز کو چھٹی مل تو گئی تھی لیکن ابھی وہ نہیں آ سکتا تھا وہ بارڈر پر ڈیوٹی دیتا تھا اور وہاں سے اتنا آسان نہیں تھا۔اسکا بس چلتا تو اڑ کر آ جاتا لیکن بے بس تھا۔

وہ جلدی آئے گا نا پاپا؟؟؟شاہنواز اسکے لہجے سے کوئی اندازہ نا لگا سکا۔

ہاں بیٹا وہ بہت جلدی آ جائے گا۔انہوں نے اسے اطمینان دلایا۔

پاپا میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔اس نے آہستگی سے کہا۔

پاپا بھی آپ کو بہت مس کرتے ہیں اور آپکی ماما کو بھی۔انہوں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔۔

ماں کیا کر رہی ہیں بیٹا؟؟؟انہوں نے موضوع بدلا

وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔۔

اور ماما؟؟؟

وہ صوفے پر بیٹھی ہیں اور ٹی وی دیکھ رہی ہیں۔

وہ بھی کارٹون دیکھ رہی ہیں؟؟انہوں نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

نہیں وہ ڈرامہ دیکھ رہی ہیں۔

کھانا کھایا بیٹا؟؟؟؟؟ وہ بات کو طول دے رہے تھے۔۔

ابھی بنا ہی نہیں ہے پاپا تو کیسے کھائیں گے؟؟؟

کیا؟؟؟ ابھی نہیں بنا؟؟ کیوں؟؟ انہوں نے حیرانی سے ڈھیر سارے سوال ایک ساتھ ہی پوچھ لیے۔۔

ابھی نہیں بنا پاپا۔ میں کارٹون دیکھ رہا تھا ابھی تو اور ویسے بھی ہم نے شام کو چائے اور پکوڑے کھائے تھے۔

واہ جی۔ پکوڑے کھا لیے اور پاپا کو یاد بھی نہیں کیا؟؟ وہ چھیڑتے ہوئے بولے۔۔

ہاں جی۔ آج بارش ہو رہی ہے صبح سے تو ماما نے ڈھیر سارے پکوڑے بنا لیے اور ہم نے چائے کے ساتھ کھا لیے۔ بہت مزا آیا پاپا۔ اسکا موڈ خوشگوار تھا۔

سارے کھا لیے یا پاپا کیلیے بھی چھوڑے؟؟؟

سارے کھا لیے پاپا۔ میں نے اور نانو نے زیادہ کھائے اور ماما نے تھوڑے کھائے لیکن آپ آئینگے پاپا تو پھر بنا دینگے۔ بہت مزا آئے گا۔

وہ پکوڑوں کا بہت شوقین تھا۔ اور یہ شوق اسے شاہنواز سے ہی ملا تھا۔ وہ بھی ہر چیز سے زیادہ چائے اور گرم گرم پکوڑوں کا رسیا تھا۔ اور عائشہ اکثر ان باپ بیٹے کیلیے پکوڑے بناتی رہتی تھی اور اور پھر شاہنواز ڈیوٹی پر ہو کر اکثر عائشہ کے بنائے ہوئے چائے اور پکوڑوں کو یاد کر کے اپنے منہ کا ذائقہ بدلا کرتا تھا۔۔

ٹھیک ہے۔۔ جب میں آؤنگا تو خوب کھایا پیا کرینگے۔ پکوڑے بھی اور باقی سب کچھ بھی۔۔ وہ اسکے ساتھ بچہ بن کے بول رہا تھا۔

ٹھیک ہے پاپا آپ ماما سے بات کریں۔

کیوں ڈرامہ ختم ہو گیا؟؟

جی۔۔۔

اور فون اسنے عائشہ کو پکڑا دیا۔۔

ڈرامہ ختم ہو گیا؟؟؟؟ انہوں نے سلام دعا کے فوراً بعد پوچھا۔

میں کوئی ڈرامہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ ابھی تو ڈرامے کا ٹائم بھی نہیں ہے۔ یہ تو شہد بات کر رہا تھا تو میں نے اسکا کارٹون چینل بدل دیا۔۔ سنے بہت تفصیلی جواب دیا۔۔

کھانا کھایا آپ نے؟؟؟ عائشہ نے پوچھا۔
کب کا کھا چکا ہوں۔
وہ ہر بار فون پر اسکے کھانے کا ضرور پوچھتی۔اسے اسکے کھانے کی بہت فکر ہوتی تھی کیونکہ میجر شاہنواز بہت اچھے اور ڈٹ کر کھانے کا شوقین تھا۔۔
آپ کو چھٹی مل گئی ہے؟؟ عائشہ نے اشتیاق سے پوچھا۔
چھٹی تو مل گئی ہے لیکن اب انتظار ہے کہ کب وہ لوگ آ کر چارج سنبھالتے ہیں۔اسنے تفصیلی جواب دیا۔
چلیں خیر ہے آ جائیں گے پریشان نا ہوں۔عائشہ نے تسلی دی۔
نہیں یار پریشان نہیں ہوں لیکن بس شہر بہت یاد آتا ہے۔وہ اداس لہجے میں بولے۔
صرف شہر؟؟؟؟؟ عائشہ حیران ہوئی۔۔
ہاہاہا۔۔اب یہ کہونگا کہ تم تو کسی لمحے زہن سے نکلتی ہی نہیں ہو تو تم ایک بار پھر کہو گی کہ میں فلمی ڈائیلاگ بول رہا ہوں۔سو چھا بولنا ہی زیادہ بہتر ہے۔اچانک سے اسکا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔
وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک فون پر بات کرتے رہے۔کوئی خاص بات تو نہیں تھی لیکن بس ادھر ادھر کی۔آدھے گھنٹے بعد اس نے خدا حافظ کہہ کر فون کان سے ہٹایا۔۔
شاہنواز۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ فون رکھنے کے قریب ہی تھا کہ فون میں سے آواز آئی۔اسنے جھٹ سے فون دوبارہ کان سے لگایا۔
ہاں کیا ہوا؟؟ وہ گھبراہٹ میں بولا۔
کچھ نہیں۔بس اپنا بہت خیال رکھیے گا۔۔
میں رکھتا ہوں عائشہ اپنا بہت خیال رکھتا ہوں۔تم پریشان نا ہوا کرو میں بلکل ٹھیک ہوں تم بس اپنا اور شہر کا خیال رکھنا۔۔
میں رکھتی ہوں۔
اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

بیٹا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کو دوسرے مدرسے بھیج دیا جائے جہاں آپ کی تھوڑی بہت تربیت کی جا سکے۔وہ فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو قاری ثناءاللہ کے پاس بیٹھ گئے۔
دوسرے مدرسے؟؟؟ وہ حیران ہوئے۔

ہاں بیٹا ایک اور مدرسہ بھی ہے جو آپ جیسے مجاہدوں کیلیے ہے ۔بڑے مولانا صاحب بھی وہی رہتے ہیں ۔اور ہمارے کچھ اور بھی مجاہدین جو آپکو آگے بڑھنے کا رستہ اور طریقہ بتائینگے ۔۔

بات مکمل کرنے کے بعد وہ تھوڑی دیر کیلیے رکے اور انکے چہروں کی طرف دیکھتے رہے ۔شاید اپنی بات کا اثر دیکھ رہے تھے۔

یہ بڑے مولانا صاحب کا فیصلہ ہے بیٹے ۔انہوں نے ہم سے مشورہ مانگا اور ہم سب نے یہی صلاح دی کہ آپ لوگوں کو اب عملی کام کی طرف لے آنا چاہیے ۔صحیح اور غلط کی پہچان کرنے کی صلاحیت ہے اب آ چکی اور پھر جب آپ زہنی طور پر تیار بھی ہیں تو پھر دیر کس بات کی ۔سو ہم نے یہی فیصلہ کرلیا کہ اب آپ کو بھیج دیا جائے ۔انہوں نے کافی تفصیل بتائی ۔

وہ پانچوں خاموش رہے ۔قاری صاحب باری باری انکی طرف دیکھتے رہے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں قاری صاحب جب زندگی وقف کر ہی دی ہے تو پھر دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ویسے بھی زندگی کا کیا بھروسہ ۔خاموشی کے اس وقفے کو عمر فاروق نے توڑا ۔

اور جب یہ مولانا صاحب کا فیصلہ ہے تو ضرور ہمارے لیے بہترین ہی ہوگا ۔علی حیدر بولا ۔۔

نہیں بیٹا مولانا صاحب کے فیصلے نہیں ہیں ۔یہ تو اللہ کے فیصلے ہیں جو انکے ذریعے ہو رہے ہیں ۔ انکو اللہ نے بھیجا ہے اسی مقصد کیلیے ۔ہر انسان کیلیے اللہ نے فیصلے کیے ہوتے ہیں اور اللہ ہی بہترین فیصلے کرنے والا ہے ۔بس آپ کے لیے بھی اللہ نے ہی چنا ہے راستہ ۔یہ ہمارا راستہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا رستہ ہے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ۔اب اگر اللہ نے ہمیں منتخب کرلیا ہے اپنی دین کی خدمت کیلیے تو ہم دیر نہیں کریں گے ۔مجاہد اللہ کافی دیر بعد بولا ۔

تو ٹھیک ہے بیٹا ۔آپ سب اپنا اپنا سامان باندھو اور کل فجر کی نماز کے فوراً بعد آ جانا ۔ہم آپ کو دوسرے مدرسے منتقل کر دیںگے ۔ٹھیک ہے نا ؟؟ انہوں نے حسب عادت اپنی بات کے اختتام پر سوال کیا

جی ٹھیک ہے قاری صاحب ۔ہم تیار رہیں گے ۔عمر بولا اور سب نے اثبات میں سر ہلایا ۔ایک دھیمی سی مسکان انکے چہرے پر آئی ۔وہ کافی خوش لگ رہے تھے۔

وہ لوگ صبح کی اذان سے کافی دیر پہلے ہی جاگ گئے تھے ۔آج انہیں اس مدرسے کو خیر باد کہہ کر ایک نئی جگہ جانا تھا ۔سامان وہ رات کو ہی باندھ چکے تھے ۔سامان کچھ زیادہ نہیں تھا بس سب کے پاس

کپڑوں کے تین چار جوڑے ہی تھے جوانہوں نے گٹھڑی میں باندھ لیے تھے۔صبح کی پہلی کرن کے ساتھ انہیں یہاں سے نکل جانا تھا۔تھوڑی دیر بعد اذان ہوئی توانہوں نے وضوکیااور مسجد چلے گئے۔نماز سے فارغ ہوکر وہ فوراً مسجد سے نکل کر اپنے کمرے میں آئے۔اپنی اپنی گٹھڑی اٹھائی اور مسجد کی طرف چلے گئے۔کچھ لڑکے ابھی تک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ انکو چھوڑکر مسجد کے اس چھوٹے سے کمرے میں گئے جورات کومولوی صاحب نے انہیں بتایا تھا۔مولوی صاحب انکا ہی انتظار کر رہے تھے۔انکو ساتھ لے کر مدرسے کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھے۔وہ پانچوں بھی انکی تائید میں اسی طرف چلتے ہوئے مدرسے سے باہر نکلے۔

باہر نکل کر حیرانی کا ایک جھٹکاان سب کولگا۔باہر ایک گاڑی انکے انتظار میں کھڑی تھی جس میں مولوی بلال پہلے سے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔قاری صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے ان کوگاڑی میں بیٹھنے کااشارہ کیااور پھر خود بھی بیٹھ گئے انہوں نے مدرسے میں گزارے ہوئے عرصے میں مدرسے کے احاطے میں کبھی گاڑی نہیں دیکھی تھی۔حتیٰ کہ بڑے مولانا صاحب کوبھی انہوں نے کبھی گاڑی میں آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔اس لیے وہ سب حیران ہوئے۔ڈرائیور کی سیٹ پر ایک انجان شخص بیٹھا تھا۔اسکے پیچھے کی سیٹ پر مولوی بلال اور قاری صاحب اوراس سے پیچھے دوسیٹوں پر وہ پانچوں بیٹھ گئے۔اوروہ پانچوں منہ اندھیرے مدرسے کے احاطے سے نکل گئے۔جہاں انہوں نے تین سال گزارے تھے۔

گاڑی کافی آہستہ رفتار میں چلتی رہی اوروہ پانچوں کھڑکی سے باہر کے نظارے کرتے رہے۔ان میں سے کوئی بھی یہاں کے راستوں سے واقف نہیں تھا۔آخرتقریباًایک گھنٹے بعد کچھ گھروں کے سامنے گاڑی رکی اورڈرائیوردروازہ کھول کرباہر نکل گیا۔اسکے پیچھے قاری صاحب اورمولوی بلال بھی اتر گئےاوران سب کوبھی اترنے کااشارہ کیا۔وہ سب بھی ایک ایک کر کے اترے اورانکی تقلید میں سامنے بنے ہوئے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی۔

یہ جگہ پہلے والے مدرسے سے کافی مختلف تھی۔مجاہداللہ نے تجسس میں نظریں ادھرادھر گھمادی۔شایدوہ کسی مدرسے کوتلاش کررہاتھالیکن یہاں تواسطرح کا کوئی مدرسہ نہیں تھابلکہ یہ علاقہ پچھلے علاقے کے مقابلے میں کافی آبادتھا۔تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیس پچیس کچے پکے مکان بنے ہوئے تھے۔قاری صاحب کے پیچھے چلتے ہوئے وہ چارپانچ نسبتاًاچھے اورایک دوسرے سے جڑے ہوئے مکانوں کی طرف آئے۔ان سب کے دروازے الگ الگ تھےلیکن درمیان کی دیواریں جڑی ہوئی لگ رہی تھی۔

یہ تو مدرسہ نہیں لگ رہا مجاہد یہ تو چھوٹے چھوٹے گھر ہیں ۔حیدر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا ۔
ہاں مدرسہ تو مجھے بھی نہیں لگ رہا ۔اس نے بھی تائید کی ۔
قاری صاحب نے ان میں سے ایک گھر کا دروازہ زور سے بجایا تو تھوڑی دیر میں اندر کسی کے چلنے کی آواز آئی ۔قاری صاحب نے کھنکھار کر گلہ صاف کیا تو اندر سے دروازہ کھولا گیا ۔سلام کے علاوہ ان میں کوئی بات نہیں ہوئی اور وہ ان پانچوں کو لے کر اندر کمرے میں آ ئے ۔
گل ریز کھانا لے آؤ ۔۔۔انہوں نے ساتھ چلتے ہوئے نوجوان سے کہا ۔۔
جی اچھا ۔اس نے فرمانبر داری سے کہا اور کمرے سے نکل گیا ۔
کمرے میں خاموشی چھائی رہی ۔انکے ساتھ صرف قاری ثناء اللہ تھے ۔مولوی بلال اس گھر میں انکے ساتھ داخل نہیں ہوئے تھے ۔وہ گاڑی سے اترنے کے بعد اور اس گھر میں آنے تک دوبارہ ان کو دکھائی نہیں دیے ۔
تھوڑی دیر میں وہ نوجوان ایک طشتری میں کھانا اور روٹیاں لے کر آیا اور ساتھ میں قہوے کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں بھی ۔انہوں نے جی بھر کر کھانا کھایا اور پھر قہوہ بھی پی لیا ۔۔
تم لوگ کچھ دیر ادھر ہی آرام کر لو بچے ۔مولانا صاحب عبادت سے فارغ ہو نگے تو تم لوگوں کو بلا لیں گے ۔ابھی وہ عبادت میں مصروف ہیں ۔میں ذرا یہاں سب سے مل لیتا ہوں ۔۔۔اور کمرے سے نکل گئے ۔
وہ کمرہ کافی بڑا تھا اور مدرسے کے کمرے کے مقابلے میں کافی اچھا بھی تھا ۔ایسا لگتا تھا کہ دو کمروں کو ملا کر ایک کمرہ بنایا گیا تھا ۔ایک طرف دیوار کے ساتھ تین رضائیاں اور انکے اوپر چادر اور تکیہ پھیلا دیا گیا تھا ۔اور دوسری دیوار کے ساتھ دو رضائیاں بچھی ہوئی تھی ۔سب رضائیوں پر ایک ایک چادر اضافی بھی رکھی ہوئی تھی جو سوتے ہوئے اوڑھنے کیلیے تھی ۔صاف ظاہر تھا کہ یہ پانچ رضائیاں ان پانچوں کیلیے ہی تھی ۔۔وہ کچھ دیر تک دیوار کے سہارے وہی بیٹھے رہے لیکن جب یقین ہوگیا کہ مولانا صاحب اتنی جلدی نہیں بلائیں گے تو اپنے اپنے بستر پر چلے گئے ۔
مدرسے کے برعکس اس گھر میں گہری خاموشی تھی ۔اسلیے تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیند کی وادیوں میں پہنچ گئے ۔دوبارہ آنکھ تب کھلی جب وہ نوجوان گلریز ان کو جگانے آیا ۔
مولانا صاحب بلا رہے ہیں ۔۔
وہ سب آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے ۔ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے ۔بہت بے وقت سوئے تھے وہ ۔مدرسے کے تین سالوں میں ایک بار بھی کبھی ایسا نہیں ہوا تھا ۔

اپنے کمرے سے نکل کر گلریز کے پیچھے چلتے ہوئے دو تین کمروں کو چھوڑ کر وہ ایک تنگ سے کمرے میں آئے۔ کمرہ چھوٹا تھا لیکن بہت روشن اور پیارا تھا۔ کمرے کے وسط میں مولانا صاحب جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انکے ہاتھ میں تسبیح تھی اور آنکھیں بند کیے وہ کوئی ورد کیے جا رہے تھے۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو انہوں نے آنکھیں کھول دی۔ اپنی جگہ سے اٹھے۔ انکی ملکوتی مسکراہٹ انکے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔ کھڑے ہو کر انہوں نے بانہیں پھیلا دی اور سب سے گلے ملے۔ خوش لگ رہے تھے وہ۔۔

بیٹھ جاؤ بچے۔۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ اور خود بھی بیٹھ گئے۔

وہ سب انکے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئے۔

معاف کرنا بچے۔ میں شرمندہ ہوں آپ لوگوں کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنی بارعب آواز میں کہا۔

نہیں مولانا صاحب آپ اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ اور اللہ کی عبادت انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ اور ہم تو ویسے بھی اب یہی پر ہیں تو انتظار کیسا؟؟؟ مجاہد نے گویا سب کے دل کی بات کر دی تھی۔۔

ہاں بیٹے رب کو وقت دینا بھی تو بہت ضروری ہے نا ورنہ کل وہ پوچھے گا کہ لوگوں کو تو میرے رستے کی تعلیم دے رہے تھے اور خود یہ حال تھا کہ عبادت بھی نہیں کر سکے۔ وہ سوچتے ہوئے بولے۔

تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی اور پھر انہوں نے کنکھار کر گلا صاف کیا اور بولے۔۔

جانتے تو ہو نا بیٹے کہ آپ کو کس عظیم مقصد کیلیے یہاں لایا گیا ہے۔

جی۔۔۔ سر جھکائے سب نے کہا۔

بیٹا سمجھ لو کہ آپ کو وہاں لایا گیا ہے جہاں سے آپ کے مقصد کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہاں آپکو تربیت دی جائے گی۔ آپ کو طریقہ سکھایا جائے گا۔ آپ کو مشقیں بھی کروائی جائیں گی۔ اور وہ سب آپکو سکھایا جائے گا جو آپ کیلیے ضروری ہے۔ آپ کو اس دین کی خدمت کرنی ہے اور اسکے لیے ضروری ہے کہ آپ کو اس دین اور اللہ کے دشمنوں سے نمٹنے کا طریقہ آتا ہو۔ کیونکہ اگر آپ کو طریقہ نہیں آئے گا تو آپ جوش اور جذبہ رکھنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے رسول نے اپنے صحابہ اور مجاہدین کو خود تربیت دی خود بھی انکے ساتھ سیکھتے تھے۔ کیونکہ سیکھنا ضرور ہوتا ہے۔

انہوں نے ایک وقفہ لیا اور پھر گویا ہوئے۔۔

بیٹے کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کیلیے ضروری ہوتا ہے کہ آپکو سب سے پہلے اسکے طریقہ کار کا پتا ہو۔ نماز پڑھنا چاہو گے اور وضو کرنا نہیں آئے گا تو کیا ہوگا؟؟ ماتھا تو لگاؤ گے لیکن اگر اللہ

اکبر پڑھنے کا ہی پتا نہیں ہوگا تو رب اسے کیسے قبول کرے گا؟؟ بلکل اسی طرح اس دین کی خدمت کرنے کا جذبہ اگر ہوگا بھی لیکن خدمت کرنے کا طریقہ پتا نہیں ہوگا تو شہادت کی موت تو پا لو گے، جنت بھی مل جائے گی لیکن اس دین کو فائدہ کوئی نہیں ہوگا۔اور یہ یاد رکھنا بچے کہ ہمارا مقصد شہادت نہیں ہے ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔زندہ رہینگے تو کچھ کرسکیں گے۔شہادت ہماری منزل نہیں ہے۔ہماری منزل اس دین کی سربلندی ہے۔اب اس مقصد کے حصول میں اگر کہیں ایسے حالات آجائیں کہ موت کے سوا کوئی راستہ نا ہو تو بے بسی کی موت مرنے سے ہم اور ہمارے مجاہدین شہادت کو ترجیح دیتے ہیں۔

دیکھو نا بچے جب ہم اپنے رسول سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر یہ کیسے چاہ سکتے ہیں کہ قیامت میں وہی محبوب ہم سے اتنا دور رہے کہ ہمیں ان تک رسائی ہی نا ہو۔ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں نہ سہی لیکن اُس دنیا میں تو انکی قربت نصیب ہو۔اور جانتے ہو کہ یہ قربت کیسے ملے گی؟؟؟ کہ جب ہم وہ کام کرینگے جو انہیں پسند تھے۔اسی موت مرینگے جو انہوں نے اپنے لیے پسند کی۔اور انہوں نے اپنے لیے شہادت کی موت ہی مانگی ہے-----

وہ خاموشی سے انکی بات سنتے رہے۔آج بھی وہ اپنے مخصوص دلوں کو موہ لینے والے انداز میں بول رہے تھے۔مجاہد اللہ کو یاد آیا کہ مولوی شہاب نے اس سے کہا تھا کہ میں تمہیں بڑے مولانا صاحب کی خوبیاں نہیں بتا سکتا۔بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تم جب ان سے ملو گے تو خود ہی انہیں جان جاؤ گے۔وہ آج کے دور کے سب سے بڑے عاشق رسول ہیں اور انکی بات کو سچ تو وہ آج سے بہت عرصہ پہلے ہی مان چکا تھا۔وہ واقعی بہت بڑے عاشق تھے اور انکی خوبیاں واقعی الفاظ میں بیان کرنے کے قابل نہیں تھی۔وہ بولتے تو ایسا لگتا جیسے کوئی فرشتہ اللہ کا پیغام دے رہا ہے۔انکے سامنے سر جھکائے رکھنے کا ہی دل کرتا تھا۔انکا دھیما لہجہ، پیار بھرا انداز اور ہونٹوں کی ہلکی سی مسکان---

اور کوئی انکار کرتا بھی تو کیسے۔۔؟؟؟

اور پھر رحمت اللہ مولوی شہاب کی رہنمائی میں اس مدرسے میں آیا۔رحمتے سے رحمت اللہ اور رحمت اللہ سے مجاہد اللہ کا سفر وہ سترہ سال پر محیط تھا۔رشید کے ساتھ مارکٹائی کی عمر سے نکل کر وہ ثاقب کی دوستی میں آیا تھا اور اب وہاں سے بھی نکل کر علی حیدر، امیر حمزہ اور عمر فاروق کا ساتھی بن گیا۔وہ حافظِ قرآن بھی بن چکا تھا اور مدرسے میں رہتے ہوئے اس نے تفسیر اور ترجمہ بھی پڑھ لیا تھا۔ذہین تو وہ تھا ہی۔

ایک مدرسے سے دوسرے مدرسے جاتے ہوئے اسے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔مدرسے میں تو وہ آٹھ سال سے تھا۔تو چاہے ایک مدرسہ ہو یا دوسرا مدرسہ فرق کیا پڑتا تھا اسے۔اور پھر یہ تو وہ مدرسہ

تھا جس کے بارے میں اس نے بہت بار قاری شہاب سے سنا تھا۔فرق بس یہ تھا کہ پہلے مدرسہ گھر سے قریب تھا تو وہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد گھر کا ایک چکر لگا لیا کرتا تھا۔اور یہ مدرسہ تو اتنا دور تھا کہ گھر سے آتے ہوئے اسے آٹھ گھنٹے لگتے تھے۔

اس مدرسے میں آنے سے پہلے وہ اپنے گھر گیا ۔اپنی ماں جمیلہ اور باپ کو اپنے جانے کے بارے میں بتایا۔دونوں ہی اسکے فیصلے کے حق میں نہیں تھے۔

اماں میں عالم بن تو گیا ہوں لیکن اب اس علم کو استعمال بھی تو کرنا چاہیے نا ۔اس نے دلیل دی۔

رحمتے بس تم واپس آجاؤ ۔اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔

اماں دور کی بات نہیں ہے۔وہاں کم از کم میرے علم کو استعمال تو مل جائے گا۔میں دین کی تبلیغ کرونگا۔وہ مکمل طور پر جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

یہ یہاں بھی ہوسکتا ہے۔تم یہاں لوگوں کو اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کا درس دو ۔اسکے لیے اتنا دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر میں تمہیں مزید اب گھر سے باہر بھی نہیں رہنے دونگی۔وہ کسی طور مان نہیں رہی تھی۔

اماں اتنا عرصہ نہیں ہے۔مجھے جانا ہوگا۔میں مولوی صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں اور پھر میں خود بھی جانا چاہتا ہوں۔

لیکن تو جانا کیوں چاہتا ہے رحمتے جب کوئی بھی نہیں چاہتا تو؟؟؟وحید علی جو کافی دیر سے خاموشی سے سن رہا تھا بولا۔

بھائی جب مجھے اپنے علم کو بڑھانے اور پھر استعمال کرنے کا موقع مل رہا ہے تو آپ روک کیوں رہے ہیں۔؟؟؟

روک اس لیے رہے ہیں کہ ہم تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔۔جمیلہ بولی

اماں میں پہلے بھی تو مدرسے میں تھا نا۔تو اب تھوڑا سا عرصہ مزید برداشت کرلیں پھر میں واپس آجاؤنگا۔ہمیشہ کیلیے۔وہ ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

بیٹا تو اس بار گیا تو واپس نہیں آئے گا۔تو واپس کبھی بھی نہیں آئے گا۔جو اپنی مرضی سے اپنے پیاروں کو چھوڑ کر جاتے ہیں زندگی انہیں واپسی کا موقع نہیں دیتی بلکہ انہیں ناشکری کی سزا دیتی ہے۔تو بھی واپس نہیں آپائے گا۔وہ سامنے کسی ان دیکھے نقطے کو گھورتے ہوئے خود سے بولی۔وہ اسے دیکھتا رہ گیا

اماں میں آؤنگا۔۔میں ضرور آؤنگا ۔اسکے لہجے میں عزم تھا

بھیا چلیں نا کھیلتے ہیں۔ننھا نعمان التجائیہ لہجے میں بولا۔

اچھا ٹھیک ہے دو منٹ رکو۔وہ جو ہوم ورک کرنے میں مصروف تھا۔فوراً مان گیا۔

لیکن نومی کھیل ختم کرنے کے بعد تم بیٹھ کر پڑھو گے۔تمہارے ایگزامز بہت قریب ہیں اور تم بلکل نہیں پڑھتے۔فیصل نے نومی کے لحاظ سے ایک مشکل شرط رکھی۔

پڑھ لونگا نا بھیا۔میں فیل نہیں ہوتا آپ جانتے ہیں۔

ہاں لیکن پڑھو گے تو اچھے سے پاس ہو جاؤ گے۔

اچھا پڑھ لونگا نا بھیا۔ابھی آپ اٹھیں تو سہی۔۔وہ حد درجہ بیزاری سے بولا۔

اور وہ کتابیں سمیٹ کر اسکے ساتھ کھیلنے میں لگ گیا۔

اب ثنا لو بھی سکول جانے لگی تھی۔چھوٹی کلاس میں تھی لیکن وہ بھی فیصل کی طرح محنتی نا سہی لیکن کافی زہین تھی۔اس گھر میں سب کو نعمان کی پڑھائی کی فکر لگی رہتی تھی۔زہین نا سہی لیکن کند زہن وہ بھی نہیں تھا پر زہانت سامنے آنے کیلئے تو کتاب کو ہاتھ لگانا بھی ضروری ہوتا ہے جو وہ اپنی آخری کوشش تک نہیں لگاتا تھا اور جو کبھی کبھی کسی نے مجبور کر کے کتاب اٹھوا بھی لی تو اسے نیند کے جھٹکے شروع ہو جاتے۔کتاب اسکے لیے کتاب نہیں بلکہ نیند کی ایک گولی تھی جو وہ نگلتے ہی اونگھنا شروع ہو جاتا۔اسے کھیلنا پسند تھا،اسے کھانا پسند تھا،اسے گھومنا پھرنا پسند تھا،اسے سکول جانا بھی پسند تھا۔بارش ہوتی یا طوفان وہ سکول جاتا تھا لیکن پڑھنا اس کے لیے سوہان روح تھا۔وہ فیل تو نہیں ہوتا تھا لیکن فیل کے قریب سے گزر کر پاس ہوتا تھا۔اور اسکی ان حرکتوں کی وجہ سے ثنا لو کے علاوہ اس گھر کے تینوں مکین ہی بہت پریشان ہوتے تھے۔وہ اسے کوئی نا کوئی لالچ دے کر پڑھنے کیلئے بٹھانے کی کوشش کرتے۔ابھی بھی فیصل یہی کر رہا تھا۔

چھپن چھپائی میں ثنا لو بھی انکے ساتھ شامل ہو گئی۔وہ دونوں چھپ جاتے اور فیصل انہیں ڈھونڈتا رہتا۔یہ جان جانے کے باوجود بھی کہ وہ کہاں چھپے ہیں وہ قصداً ادھر اُدھر ڈھونڈتا رہتا۔مبادا کہیں جلدی پکڑنے پر نومی ناراض ہی نا ہو جائے۔

ڈیڑھ گھنٹہ کھیل کر فارغ ہوئے تو فیصل نے اسے پڑھنے کی یاددہانی کروائی۔حسب عادت وہ ٹال مٹول کرنے لگا لیکن فیصل اس وقت اسے چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھا سواسے بادل ناخواستہ بیٹھنا ہی پڑا اور شاہدہ نے دل میں ہی خدا کا شکر ادا کر دیا۔۔۔

ناشتے سے فارغ ہو کر نیچے تہہ خانے میں چلے جانا۔مولانا صاحب نے کہا ہے کہ آج سے آپ کی

تربیت شروع کردی جائے گی۔گلریز نے ناشتہ انکے سامنے رکھتے ہوئے کہااور جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گیا۔

وہ پانچوں بھی کوئی بات کیے بغیر ناشتہ کرنے لگ گئے ۔ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے برتن اپنی مخصوص جگہ پر رکھے اور وضو کر کے نیچے تہہ خانے میں چلے گئے۔

وہ تہہ خانہ ان کی امید سے زیادہ بڑا تھا۔بلا مبالغہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ تہہ خانہ اس ایک گھر جس میں وہ کل سے مقیم تھے کے نیچے نہیں تھا بلکہ آس پاس کے کئی گھروں کو ملا کر ان سب کے نیچے ایک مشترکہ تہہ خانہ ایسے بنایا گیا تھا کہ زمین کے اوپر گھر الگ الگ تھے لیکن انکے نیچے جو تہہ خانہ تھا وہ ایک ہی تھا اور بالکل پچھلے مدرسے کے طرز پر ایک طرف کو کمرے بنے تھے۔

سیڑھیوں سے اتر کر وہ حیران رہ گئے کیونکہ وہ جو سمجھ رہے تھے کہ صرف انہی کو تہہ خانے میں بلایا گیا ہے وہاں تو بہت سارے آدمی ٹولیوں کی شکل میں ادھر ادھر اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔انہوں نے نوٹ کیا کہ پچھلے مدرسے کے برعکس یہاں موجود کمرے بھی بند نہیں تھے۔ بلکہ کافی لوگ ان میں اندر اور باہر آ جا رہے تھے۔

آجاؤ ادھر۔۔۔سیڑھیوں سے اتر کر وہ حیران کھڑے تھے کہ ایک آدمی انکے پاس آ کر بولا۔

وہ اسکے پیچھے گئے ۔ان کو لے کر وہ ایک کمرے میں آیا۔

تم لوگوں کو سب سے پہلے نشانہ بازی کی تربیت دی جائے گی اور ہاں تم میں سے مجاہد اللہ کون ہے؟؟؟ انکی طرف مڑتے ہوئے وہ بولا

مجاہد میرا نام ہے مولوی صاحب۔۔۔وہ ادب سے ہوئے بولا

ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمہیں اللہ نے نشانے کی ایک خصوصی نعمت سے نوازا ہے اسلیے تمہیں نشانے میں ہی آگے جانے کی تربیت دی جائے اور باقی سب کو بھی شروع نشانے سے کروا کر مزید تربیت بھی دی جائے گی ۔آدمی نے تفصیلی جواب دیا

کمرے کے اندر ایک چھوٹی سی ٹرے میں کچھ پستول پڑے تھے ۔وہ سب اٹھا کر اس آدمی نے ان سب کے ہاتھوں میں ایک ایک پکڑا دیا۔

چلو آجاؤ اب ۔وہ سب پستول اٹھا کر اسکے پیچھے کمرے سے نکلے۔

وہ کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹے سے دروازے سے باہر نکلے ۔اب وہ تہہ خانے سے نکل آئے تھے۔سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر آئے تو خود کو ایک گھر میں پایا ۔یہ وہ گھر تو نہیں تھا جس میں وہ مقیم تھے لیکن کم وبیش اسی جیسا ہی تھا۔گھر کے ایک کونے میں مختلف قسم کی چھوٹی بڑی تصاویر لگی

ہوئی تھی۔

یہ پستول بھرے ہوئے ہیں اور تم لوگوں کو اس کونے میں کھڑے ہو کر سب سے پہلے دائیں طرف والی سب سے بڑی تصویر کا نشانہ لینا ہے۔ابھی تو نشانہ پکا نہیں ہوگا اسلیے بڑی تصویر بھی نشانے پر نہیں آئے گی لیکن جیسے جیسے وقت گزرے گا نشانہ پکا ہوتا جائے گا پھر ہم بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی تصویروں کی طرف جائینگے۔

وہ سب خاموشی سے انکی باتیں سنتے رہے۔

اچھا اب تم میں سے کوئی مجھے اپنی پستول دے دوتا کہ میں اسکے اجزا اور چلانے کا طریقہ بتا دوں۔انہوں نے حیدر کی پستول لے لی۔

طریقہ بتانے کے بعد انہوں نے نشانہ باندھ کر ایک گولی چلائی۔اور دوسرے ہی لمحے سامنے دیوار پر چپکی تصویر انکے نشانے کا حال بتا رہی تھی۔ان سب نے رشک بھری نگاہوں سے انکی طرف دیکھا۔

باری باری ان سب نے نشانہ باندھنے کی کوشش کی۔زندگی میں پہلی بار گولی چلانے والے کی جو حالت ہو سکتی تھی وہ ان سب کی بھی تھی۔نشانہ لگانا تو دور کی بات گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی انکی سانسیں اکھڑنے لگتی۔مجاہد اللہ کا نشانہ اچھا تھا لیکن غلیل سے کسی گاڑی کا نشانہ باندھ کر شیشہ توڑ دینا اور آج پستول سے نشانہ باندھنے میں زمین آسمان کا فرق تھا یہ آج اسے پتا چلا تھا۔

انجان آدمی ساتھ میں پڑے ہوئے پتھر پر بیٹھ کر انکی مشق کا نظارہ کرتا رہا۔وہ غلط نشانہ باندھتے رہے لیکن وہ غصہ نہیں ہوا بلکہ انکو شاباش دے کر انکی حوصلہ افزائی کرتا رہا اور ساتھ ساتھ میں طریقے بھی بتاتا رہا۔۔

اور پستول کی آخری گولی سامنے تصویر کے بیچ میں تو نہیں لیکن اسکے کونے میں جا کر لگی۔

واہ زبردست۔وہ شخص خوشی سے چلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔سب نے حیرانی سے اسکی طرف دیکھا۔

عبداللہ اور گولیاں لے کر آؤ۔وہ شخص ادھر سے ہی چیخا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی تھیلے میں کافی ساری گولیاں لے کر آیا۔یہ شخص بھی انجان ہی تھا۔ان سب سے پستول لے کر ان میں گولیاں بھر دی اور چلا گیا۔

تقریباً دو گھنٹے تک انکی یہ مشق چلتی رہی۔وہ شخص انہیں نشانہ باندھنے کے گر سمجھاتا رہا اور ان سے مشق کرواتا رہا۔تیسری بار گولیاں ختم ہونے کے ساتھ مشق بھی ختم کر دی گئی۔اسوقت تک مجاہد اللہ تصویر کے

بیچ میں تو نہیں لیکن مقرر کردہ نشان کے کچھ قریب ہی مار دیتا تھا جبکہ اسکے باقی دوست ابھی تصویر کے کونے کا نشانہ نہ ہی باندھ سکے تھے۔۔

چلو بچو اب آجاؤ۔اور وہ شخص دوبارہ تہہ خانے کی طرف بڑھا۔

وہ سب اسی کی تقلید میں اسکے پیچھے ہو لیے

نیچے تہہ خانے میں بہت سارے لوگ ابھی بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ایک طرف کو کچھ لوگ ورزشیں کر رہے تھے۔کچھ لوگ ایک ٹولی کی شکل میں بیٹھے تھے اور انکے سامنے کچھ کاغذات بکھرے ہوئے پڑے تھے۔قریب میں ہی کچھ لڑکے ایک مولوی صاحب کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھے۔گنے بغیر اندازے سے کہا جا سکتا تھا کہ کم و بیش سو کے قریب لوگ اس وقت اس تہہ خانے میں موجود تھے۔

تہہ خانے میں جا بجا چھوٹے چھوٹے دروازے بنے ہوئے تھے۔انہی میں سے ایک دروازے سے وہ باہر گئے تھے اور پھر واپس آئے۔اور یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں وہ کل سے رہ رہے تھے۔یہ باقی دروازے بھی گواہی دے رہے تھے کہ یہ بھی قریب میں بنے ہوئے گھروں میں ہی کھلتے ہیں۔

میرے پیچھے آؤ بچو۔وہ انکو لے کر ایک دروازے سے باہر آئے۔یہ کوئی گھر نہیں تھا بلکہ ایک کھلا میدان تھا جس میں دور دور تک کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ان سب کو وہاں چھوڑ کر وہ آدمی ایک بار پھر اندر گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اسکے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا۔جوان اور صحتمند لڑکا تھا۔

یہ فیض اللہ ہے۔آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارے گا اور آپ کو اس قابل بنائے گا کہ کئی دنوں تک پیدل چلنا آپکے لیے مشکل نہ رہے کیونکہ یہاں سے ہمیں آپ کی جسمانی مضبوطی کی اشد ضرورت ہے۔

یہ کہہ کر وہ واپس جانے کیلیے مڑے۔۔

مولوی صاحب۔۔۔حمزہ نے پکارا۔وہ واپس مڑے

آپکا نام کیا ہے مولوی صاحب؟؟؟

میرا نام قدرت ہے بیٹا۔اور میں پچھلے پندرہ سال سے یہیں پر ہوں۔آپ بھی جب تک یہاں ہیں مجھے دیکھتے رہیں گے۔یہ کہہ کر وہ مڑے اور دروازے سے اندر چلے گئے۔

فیض اللہ کو اس کام پر مامور کیا گیا تھا کہ جوان پانچوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ ایک گھنٹہ ہی بھاگ سکے۔ان کو اس قابل بنا دے کہ وہ کئی دن تک بلا تھکان چل سکیں۔اور ضرورت پڑنے پر بھاگ سکیں۔یہ انہیں فیض اللہ کی زبانی ہی پتا چلا۔

سب سے پہلے اس نے کھلے میدان میں کہیں کہیں نظر آتے چھوٹے بڑے پتھروں کی طرف

اشارے کرکر کے انکو حدود بتائی اور پھر طے کیا کہ ان حدود کے اندر پانچ چکریں کافی جائیں گی۔وہ جو اتنی بڑی جگہ کا ایک بھی چکر لگانے کو بہت بڑا کارنامہ سمجھتے تھے پانچ چکروں کا سن کر تو چکرا کر رہ گئے۔ایسا نہیں تھا کہ وہ چل نہیں سکتے تھے۔مجاہداللہ کی طرح وہ سب بھی کسی نا کسی مدرسے سے آئے تھے اور مولوی شہاب کے مدرسے میں وہ کھیل کود میں کافی حصہ لیتا تھا۔ایک دو گھنٹے تک وہ سب بغیر تھکے چل سکتے تھے لیکن یہ اتنا بڑا میدان تھا کہ ایک گھنٹے میں اسکے ایک ہی چکر سے زیادہ ان میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔انہوں نے پریشانی کے عالم میں اسکی طرف دیکھا۔

ارے بھئی پریشان مت ہو۔میں ایک ساتھ ہی پانچ چکروں کا نہیں کہہ رہا۔ہم بیچ میں آرام کرلیں گے۔یا پھر چلو پانچ کی بجائے چار چکر کر لیتے ہیں۔دو ابھی اور دو بعد میں۔لیکن چار چکر پورے کرنے ہیں ہمیں۔انکی پریشانی بھانپتے ہوئے وہ بولا۔

انہوں نے اپنی مشق شروع کردی۔فیض اللہ بھی انکے ساتھ ساتھ ہی چلتا رہا۔وہ کبھی تھوڑا سا دوڑ لیتے اور پھر تھک کر آہستہ چلنا شروع ہوجاتے۔فاصلہ بہت تھا۔پہلا چکر مکمل ہوا تو فیض نے انہیں تھوڑی دیر ستانے کو کہا اور خود بھی کھلی زمین پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ دوسرے چکر کیلیے اٹھے تو تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی انکی ہمت جواب دے گئی۔ایک فیض اللہ ہی تھا جو ہر حال میں چکر پورا کرنے کے موڈ میں تھا۔دوسرا چکر بہت مشکل سے تقریباً پہلے چکر سے دگنا وقت میں مکمل ہوا۔بیچ میں وہ ایک بار مزید ستانے کیلیے بیٹھ گئے۔ان میں سے کسی سے بھی چلا نہیں جا رہا تھا۔انہوں نے دل میں اللہ کا شکر کیا جب فیض نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

اب تم لوگ اس والے دروازے سے اپنے کمرے میں جاؤ اور تھوڑا آرام کرلو۔تھوڑی دیر میں کھانا بھی مل جائے گا۔کھانے کے بعد باجماعت نماز پڑھی جائے گی اور اسکے بعد آرام کا وقفہ ہوگا۔اس میں سو جانا۔عصر کی نماز سے پہلے تم لوگوں کو اٹھا دیا جائے گا اور نماز کے بعد دوبارہ یہیں پر آجانا۔اس نے تفصیلی طور پر ان کو سمجھایا۔

اور انہوں نے یہی کیا۔

عصر کی نماز پڑھ کر وہ دوبارا اسی میدان میں آئے تو فیض اللہ کو اپنا منتظر پایا۔

وہ کافی خوش مزاج بندہ تھا۔تھوڑی ہی دیر میں ان سے گھل مل گیا تھا۔

فیض اللہ یہ سب ہم کیوں کر رہے ہیں۔حیدر نے پوچھا۔

جب تک تم لوگ اس قابل نہیں ہوجاتے کہ بغیر تھکے اس سے زیادہ فاصلہ طے کرسکو۔جب تک تم

لوگوں کو ان فاصلوں کی عادت نا ہو جائے۔

تو ضرورت کیا ہے اس سب کی؟؟؟ مجاہد اللہ نے چلتے چلتے سوال کیا۔

دین کی خدمت کیلیے ایک سچے مجاہد کو بہت سی مشکلات سہنی پڑتی ہیں میرے دوست ۔یہ اتنا آسان نہیں ہے اس لیے تو کہتے ہیں کہ مومن کیلئے یہ دنیا دوزخ اور کافر کیلیے جنت ہے کیوں کہ سچا مومن دل سے دین کی خدمت کرتا ہے ۔اسے سنگلاخ چٹانوں پر چڑھنا پڑتا ہے ٹھنڈے پانی کے دریا عبور کرنے پڑتے ہیں اور ان سب کیلیے ضروری ہے کہ وہ جسمانی طور پر مضبوط ہو اور تم لوگوں سے یہ سب کروانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کل کو تمہارے سامنے ایسی کوئی مشکل آتی ہے تو تم ڈرنے اور پریشان ہونے کی بجائے مضبوطی سے اسکا سامنا کرو۔فیض اللہ نے کافی تفصیلی جواب دیا۔وہ مطمئن ہو گئے۔

شام کو وہ واپس اپنے کمرے میں آئے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر ایک ہڈی پکار پکار کر اپنی دگرگوں حالت کا اعلان کر رہی ہے ۔تھوڑی دیر انہوں نے آرام کیا اور پھر مغرب کی اذان کے ساتھ نماز پڑھنے گھروں کے قریب بنی مسجد میں چلے گئے ۔نماز کے بعد کھانے کا وقت ہوا اور تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز پڑھی اور اپنے دکھتے بدن کے ساتھ سو گئے۔

اور گھر سے واپس آنے کے تین دن بعد رحمت اللہ اپنا سامان سمیٹ کر اور رو مدرسہ چھوڑ کر مولوی شہاب کے ساتھ نئے مدرسے کی طرف روانہ ہو گئے ۔گاؤں سے گاڑی میں بیٹھ کر وہ مختلف گاڑیاں بدلتے ہوئے تقریباً آٹھ گھنٹے میں مدرسہ پہنچے ۔یہ مدرسہ بہت دور تھا۔اور پچھلے مدرسے کے برعکس اسکے آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں تھی ۔علاقہ ایسا تھا جہاں کہیں کہیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ایک ایک دو دو گھر بنے ہوئے تھے۔اسے یہ علاقہ بڑا پراسرار سا لگا۔

مولوی صاحب یہ کونسی جگہ ہے؟؟ وہ جو اپنی ستر اسالہ زندگی میں صرف قریب قریب کے دو گاؤں میں گیا تھا۔ایک جس میں اسکا گھر تھا اور ایک جسمیں مدرسہ تھا۔اب آٹھ گھنٹے کے سفر پر محیط دنیا کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔

شوال کہتے ہیں اس علاقے کو۔جواب مختصر تھا۔

لیکن ہم یہاں ہی کیوں آئے؟؟؟

ہم سب کو زندگی کے ہر موڑ پر کسی نا کسی ایسے انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے۔جو ہمیں صحی اور غلط کی تفریق سکھا دے ۔ہم جانتے ہیں بیٹا کہ ہمارا مذہب اور تعلیمات بذات خود ایک مکمل اور بہترین طریقہِ حیات ہے لیکن دیوار پر لکھی ہوئی تحریر تب تک قابلِ عمل نہیں سمجھی جاتی

جب تک اسکا کوئی قابلِ تقلید نمونہ نا ہو۔ بچہ اپنے ماں باپ سے سیکھتا ہے۔ بڑا ہوتا ہے تو استادوں سے سیکھتا ہے۔ اور اکثر اوقات ان سے نا سیکھنے والا دنیا اور دنیا والوں سے خود ہی سیکھ جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہر کسی کو ہر مقام پر ایک قابلِ تقلید نمونہ چاہئے ہوتا ہے اور وہ نمونہ اسکی نظر میں ایک بہترین انسان ہوتا ہے۔ میں بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔ ایک نمونہ لیکن میں نے اس دنیا کی طرح ایک امیر کبیر انسان کی تقلید کرنے کی خواہش نہیں کی۔ دولت کبھی میری کمزوری نہیں رہی۔ میں چاہتا تھا کہ ایک ایسے انسان کے پیچھے چلوں جو اچھا انسان ہو۔ جو ہمارے اس دین سے بے انتہا محبت کرتا ہو اور جو اسکی سربلندی کیلیے کچھ بھی کرے۔ جو سچا عاشق رسول ہو۔ میں ڈھونڈتا رہا ڈھونڈتا رہا لیکن مجھے ایسا کوئی نا ملا۔ جو ملتا پہلے کچھ عرصہ تو ایسے لگتا جیسے میری منزل مل گئی ہے لیکن کچھ عرصہ گزرنے پر پتا چلتا کہ میں جسے صحرا میں پانی سمجھ رہا تھا وہ تو سراب تھا اور حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ اسے چھوڑ دیتا کہ اسکے ساتھ رہ کر میں اسکی خدمت تو کرتا لیکن دین کی نہیں۔ بہت عرصہ بھٹکتا رہا۔ کبھی ایک کے پاس تو کبھی کسی دوسرے کے پاس۔ جب سچائی پتا چلتی چھوڑ دیتا۔ آخر بڑے مولانا صاحب یعنی مولانا عبدالرحمان سے ملا۔ ان سے ملنے سے پہلے میں ایک اچھے اور سچے انسان اور مسلمان کی تلاش سے اتنا مایوس ہو چکا تھا کہ ان پر بھی اعتبار نہیں کرسکا۔ کیونکہ وہ بہت ہی اچھے تھے لیکن مجھے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ گزرنے پر پتا چلے گا کہ وہ بھی گزرے ہوئے لوگوں کی طرح ہی ہیں لیکن میں غلط تھا بچے۔ اب کی بار میں غلط تھا۔ میں نے جتنا وقت انکے پاس گزارا انہیں سب سے بڑا عاشق رسول ہی پایا۔ وہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور اس دین سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اتنا عرصہ انکے پاس رہ کر میں نے انکے اندر کوئی خرابی نہیں دیکھی۔ انکا نفس انکا آقا نہیں ہے۔ وہ اپنے نفس کی نہیں بلکہ اللہ کی سنتے ہیں۔ دین کی طرف بلاتے ہیں لوگوں کو تو اپنا فائدہ نہیں دیکھتے۔ بدلے میں کسی سے کھانا نہیں مانگتے۔ دین کی خدمت کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ لوگوں کو علم دیتے ہیں۔ اور یہ سب بغیر کسی لالچ یا ریا کے کرتے ہیں۔ صرف اللہ کیلیے۔ اور اسکے رسول کی خوشی کیلیے۔ وہ آہستہ آہستہ بولتے ہوئے اپنی زندگی اور تلاش کی کہانی اسے سناتے جا رہے تھے۔ وہ بڑے غور سے انکی باتیں سن رہا تھا۔ کافی بولنے کے بعد وہ تھوڑا سا رکے۔ ایک لمبی سی سانس لی اور پھر دوبارہ گویا ہوئے۔

بیٹے میں نے تمھارے اندر وہی تلاش دیکھی ہے۔ میں جانتا تھا کہ جب تک تمہیں سچا انسان نہیں ملے گا تمہاری روح بھی شہاب الدین کی روح کی طرح ادھر ادھر تلاش میں بھٹکتی رہے گی۔ کچھ کرنا چاہے گی لیکن لوگ بھٹکائیں گے۔ جس کی تقلید کرو گے اسے ہی غلط پاؤ گے۔ رستہ مل بھی جائے تو اس پر چلنے کی ہمت نہیں ہوگی اور پھر مجھے تو مولانا عبدالرحمان مل گئے تھے۔ تمہیں مل بھی پاتے یا نہیں۔ تو کیا تم بھٹکتے

رہتے ۔جسم کی قید میں پڑی روح ایک بے زبان پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتی لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے بیٹے ۔ہر مسلمان کو حق ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے دین کی خدمت کرلے ۔چاہے وہ اچھائی کی تعلیم ہو یا برائی سے روکنا۔اسلیے میں تمہیں یہاں لے آیا۔میں تمہاری شکل میں ایک اور مولوی شہاب الدین نہیں بنانا چاہتا تھا۔اسلیے تمہیں یہاں لے آیا کہ جو مولانا صاحب مجھے بہت دیر بعد ملے تھے وہ تمہیں ابھی سے مل جائیں ۔تم میری طرح بھٹکنے سے بچ جاؤ۔

وہ ایک بار پھر رکے۔تھوڑی دیر تک چپ رہے ۔وہ کان لگائے انکی بات کا انتظار کر رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ بولے ۔

وہاں تمہیں اچھے لوگ ملیں گے ۔وہ لوگ جو واقعی دین کے ساتھ مخلص ہیں ۔جو اسکی سربلندی چاہتے ہیں ۔جو انسانوں کو دین کی آڑ میں اپنے مقاصد کیلیے استعمال نہیں کرتے ۔

مولوی صاحب پتا کیسے چلتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون غلط ہے؟؟؟ وہ اس داستان میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔

بیٹے یہ تو کسی کے ساتھ رہنے سے پتا چلتا ہے نا ۔جب تک آپ کسی انسان کے ساتھ نہیں رہتے تب تک آپ اسکی خصلت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے ۔ہر انسان کیلیے تھوڑے وقت کیلیے خود پر ایک اچھے انسان کا خول چڑھانا کوئی مشکل نہیں ہے لیکن اسکو مستقل رکھا نہیں جا سکتا۔جلد یا بدیر یہ ہٹ جاتا ہے ۔لیکن جو لوگ سچے ہوتے ہیں انکی اچھائی وقت کے ساتھ ختم نہیں ہوتی ۔ان پر تو اللہ نے ایک مستقل جلال کا پردہ رکھا ہوتا ہے ۔اور یہی جلال سچائی کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ کہہ کر انہوں نے گاڑی کی سیٹ سے سر لگا دیا۔تھک گئے تھے شاید ۔۔

اور پھر وہ مدرسے پہنچ گیا۔۔۔۔

چھوٹے مدرسے سے بڑے مدرسے کا سفر تین سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔یہ اس بے نام سفر کی ابتداء تھی جس پر وہ ابھی چل رہا تھا اور جو بلکل ہی بے منزل تھا۔

کتنا مشکل ہوتا ہے کسی انسان کیلیے یہ سوچنا اور مان لینا کہ جس سفر پر وہ بڑے جوش اور جذبے سے نکلا تھا اسکی منزل کوئی ہے ہی نہیں اور اگر کوئی ہو گی بھی تو بہت بھیانک ہو گی ۔۔۔۔

اور منزل کا بھیانک پن وہ کچھ دن سے دیکھتا آ رہا تھا جیسے جیسے اس پر حقیقتیں آشکار ہو رہی تھی ۔۔

اور وہ پانچ دن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان پانچ دنوں کے تصور سے وہ ڈر گیا۔اس نے زور سے سر جھٹک کر اس خیال کو دماغ سے نکال

دیا۔
اس خیال کو تو نکال لیا لیکن ماضی کے تصور سے نہیں نکل پایا۔

صبا میرے کپڑے بیگ میں رکھ دیے نا؟؟؟ ارسلان نہا کر نکلا تو پوچھا
ہاں وہ تو رات کو سیٹ کر دیے تھے۔۔میز پر ناشتہ رکھتے ہوئے وہ بولی۔
ارسل جلدی کریں نا۔اتنی سستی کیوں کر رہے ہیں دیر ہو رہی ہے۔وہ خفا ہوئی
ہاں بس میں تیار ہوں۔ناشتہ کرتا ہوں اور نکل جاتا ہوں۔وہ کرسی کھینچتے ہوئے بولا
تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہی صبا؟؟؟ وہ انڈے اور پراٹھے کا پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی
میں ابو،امی اور کامی کے ساتھ کرلونگی آپ کرلیں ابھی۔وہ کپ میں چائے ڈالتے ہوئے بولی۔
تو میرے ساتھ کرلو نا ابھی۔اس نے دوسری کرسی بھی میز کے قریب کر دی۔وہ بیٹھ گئی۔ارسل نے اپنے سامنے رکھی ہوئی چائے کی پیالی اسکی طرف کسکائی۔
میں بناتی ہوں اپنے لیے دو منٹ میں بن جائے گا۔۔
ارسل کی انڈے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر وہ جلدی سے اپنے لیے انڈا بنانے کیلیے اٹھ کھڑی ہوئی۔پراٹھے تو وہ پہلے ہی دو بنا چکی تھی۔اور چائے بھی زیادہ بنائی تھی۔
اچھا جاؤ بنا کے لاؤ۔۔
وہ گئی اور جلدی سے انڈہ فرائی کر کے لے آئی۔
یہ کیا ارسل آپ نے ابھی تک کھانا شروع ہی نہیں کیا؟؟ وہ حیران ہوئی۔
تم نے کہا کہ دو منٹ میں آرہی ہو تو میں اکیلے کیوں کرتا پھر؟؟ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔۔
گھورنا بند کریں ارسل اور ناشتہ کرلیں جلدی سے۔وہ نوالہ توڑتے ہوئے مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔وہ مصنوعی غصے سے بولی۔
غصے والی بیوی سے اللہ ہر شریف بندے کو بچائے۔بندہ دیکھ بھی نہیں سکتا اسکی طرف۔اسنے نوالہ منہ میں ڈالا اور چائے کے سپ لینے لگا۔
ہاں اللہ بچاتا ہے لیکن شریف بندے کو۔آپ کو اللہ کیوں بچاتا؟؟؟
میں شریف نہیں ہوں کیا؟؟
اس وقت تو مجھے نہیں پتا آپ جلدی کریں ناشتہ۔۔
اسے فکر تھی کہ وہ وقت پر دفتر نہیں پہنچ پائے گا لیکن ارسلان کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں تھی۔وہ تو ابھی بھی

اپنی ازلی موڈ کے ساتھ ہی ناشتہ کر رہا تھا۔

ارے بھئی کر تو رہا ہوں ۔ایک ساتھ سارا انڈہ اور پراٹھا نگل لوں کیا؟؟؟

ناشتہ کر کے اس نے جوتے پہنے ,ٹائی باندھی اور اوپر سویٹر پہن لیا۔کافی ٹھنڈ جو تھی ۔اس حلیے میں کافی اچھا لگ رہا تھا وہ۔صباء نے دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔گیٹ سے نکلنے سے پہلے صباء نے جو پہلے سے ہی آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی اسکے اوپر پھونکے۔

جادو کر رہی ہو کیا میرے اوپر؟؟؟

ہاں جادو کر رہی ہوں تاکہ آپ ٹھیک ٹھاک اور جلدی سے واپس آجائیں۔وہ اپنے مسکراتے لہجے میں بولی۔

اور وہ چلا گیا۔ایک ہفتے کیلیے ۔وہ کمرے میں آگئی۔ابھی اٹھنے میں اور باقی سب کے ناشتے میں کافی وقت تھا اور پھر باہر ٹھنڈ بھی تو تھی نا۔

بھاگنے دوڑنے کی مشق کرتے ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہونے کو تھا انکو نشانے کی اور روز صبح ناشتے کے بعد وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ نشانے کی مشق کرتے اور پھر فیض اللہ کے ساتھ اس کھلے میدان میں آجاتے ۔اب وہ دوپہر سے پہلے تین چکر لگا لیتے تھے اور اب انکو اتنی مشکل بھی نہیں ہوتی تھی۔

نشانہ باندھنے میں مجاہد اللہ تو پہلے ہی طاق تھا بس تھوڑی سی محنت کی ضرورت تھی لیکن اب تو اتنے دنوں کے بعد اسکے باقی دوست بھی پکا نشانہ لینے لگے تھے ۔نشانے کا فاصلہ بڑھاتے بڑھاتے مولوی قدرت اللہ سے کافی دور کر دیتا تو تب جا کر انکا نشانہ چوکتا ۔لیکن مجاہد کا نشانہ تو تب بھی نہیں چوکتا تھا ۔اسکا نشانہ تو تب ہی چوکتا تھا جب نشانہ اسے نظر ہی نا آئے ۔انکے نشانے کو پختہ کرنے کے بعد مولوی صاحب ایک دوربین والی بندوق لے آئے ۔دوسرے دن انکی تعداد دو ہو گئی۔اب وہ اس بندوق سے نشانہ لینے کی کوشش کرتے ۔پہلے پہلے تو انہیں بہت مشکل ہوئی لیکن تھوڑی سی محنت کے بعد انکو اس بندوق پر بھی دسترس حاصل ہو گیا۔اور نشانے کے معاملے میں ہمیشہ کی طرح ان سب سے آگے مجاہد ہی تھا۔نشانہ باندھنا اسکے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔

بیٹے تم لوگوں کی نشانے کی اور جسم کی مضبوطی کی تربیت مکمل ہو گئی ہے ۔اب اگلا کام شروع کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ کچھ آرام کر لو۔اگر گھر جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔۔

آج انکی تربیت مکمل ہونے پر بڑے مولانا صاحب خود ان سے ملنے آئے تھے ۔ویسے تو ہر جمعے کے دن انکا درس ہوتا تھا مسجد میں لیکن ان پانچوں سے وہ کبھی کبھی الگ سے بھی ملتے تھے اور انہیں اونچ نیچ

سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

گھر جانے کی بات پر وہ سب انتہائی خوش ہو گئے۔مجاہد کو کافی دنوں سے اماں کی یاد آرہی تھی۔پتہ نہیں وہ کیسی ہوں گی؟؟

حیدر بھی اپنے گھر کو بہت یاد کرتا تھا۔آخری بار ان کو اپنے گھر گئے ہوئے پانچ مہینے ہونے کو تھے اور اب تو وہ مدرسے کو چھوڑ کر یہاں بھی آگئے تھے۔

دوسرے ہی روز انہوں نے کپڑوں کے ایک دو جوڑے اٹھائے اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

رحمتے میں تیری شادی کر دینا چاہتی ہوں۔بس اب تو واپس نا جا۔ادھر ہی رہ لے۔دیکھ میں کسی کو بولوں گی کہ میرے حافظِ قرآن اور عالم بیٹے کو رشتہ دے دو تو دیکھنا کیسا اچھا رشتہ ملے گا۔وہ جب بھی آتا تھا جمیلہ چاہتی ہوتی کہ وہ واپس نا جائے۔

پچھلے تین سال میں وہ سات آٹھ دفعہ ہی گھر جا پایا تھا۔ایک تو مدرسے کے قوانین کافی سخت تھے کہ وہ اتنی جلدی نہیں آسکتا تھا اور دوسرا وہ علاقہ گھر سے اتنا دور تھا کہ اتنا سفر کرنا مشکل ہی ہو جاتا۔پہلے عرصے میں تو وہ تین،چار مہینے بعد آجاتا تھا لیکن پھر یہ عرصہ بڑھ گیا۔اور اب کی بار تو وہ تقریباً چھ مہینے بعد جا رہا تھا۔یہی حال اسکے باقی دوستوں کا بھی تھا۔ان سات آٹھ چکروں میں ایک وحید علی کی شادی کیلئے بھی تھا۔جب وہ گھر سے چلا جاتا تو انکے پاس اس سے رابطہ کرنے کا کوئی زریعہ نا رہتا۔اسلیے جمیلہ نے اسے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ پورے تین مہینے بعد وحید کی شادی کی تاریخ وہ رکھ آئی ہے اسلیے تین مہینے بعد وہ آجائے۔اور وہ پورے تین مہینے بعد گھر پہنچا تو گھر میں تیسری بار شادی کا سماں تھا۔اسوقت وہ تقریباً انیس سال کا تھا۔

اب وہ بیس سال کا ایک جوان تھا لیکن اپنی صحت اور جسامت سے پچیس سال سے کم نہیں لگتا تھا۔اپنے بڑے بھائی اصغر سے قدر زیادہ ہو گیا تھا اسکا اور فضل اللہ سے ملنے لگا تھا۔

اماں یہ کیا کر رہی ہو؟؟؟پاگل ہو گیا؟؟؟میری شادی کیسے کرو گی اور میں شادی کرنا بھی نہیں چاہتا۔وہ حواس باختہ ہو کر بولا۔

کیوں تیری شادی نہیں ہو سکتی کیا؟؟فضل اللہ نے گھور کر اسکی طرف دیکھا

ابا ہو سکتی ہے لیکن ابھی تو اصغر رہتا ہے۔اسی کی کرو نا۔

لیکن اصغر سے پہلے ہم تیری کرنا چاہتے ہیں اور ویسے بھی تیری اور اسکی عمر میں بہت زیادہ فرق نہیں

ہے اور پھر اسے پہلے تیری شادی ہونے پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے ۔جمیلہ نے اپنے ترکش کے سارے تیر پھینکے

لیکن اماں میں ابھی شادی نہیں کرسکتا۔ابا آپ ہی سمجھائیں نا اماں کو۔۔اس نے پر امید نظروں سے فضل کی طرف دیکھا۔

رحمتے تیری توجہ گھر کی طرف کرنے کا اس سے بہترین طریقہ کوئی نہیں ہے کہ تیری شادی کردی جائے ۔شادی ہوگی تو زمہ داری پڑے گی اور تیرا دھیان بھی گھر میں لگ جائے گا۔فضل نے بھی مدد سے انکار کرتے ہوئے جمیلہ کی طرفداری کی ۔

ابا میں کوئی غلط کام تو نہیں کرر ہا ہوں ۔دین کی تبلیغ ہی کرر ہا ہوں جو میرا کام ہے ۔آپ ہی کی خواہش تھی کہ میں دین کی خدمت کروں ۔۔وہ اٹک گیا تھا

ہاں تو ہم نے یہ نہیں چاہا تھا کہ تم اتنا دور چلے جاؤ کہ مہینوں مہینوں تمہارا پتا ہی نا چلے ۔یہ کیسی خدمت ہے دین کی ۔ہمیں بھی تو سمجھاؤ۔۔فضل اللہ بولا۔

ابا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ رُک گیا۔اسے یاد آیا کہ اسے سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ مدرسے کے معاملات اور وہاں ہونے والی کسی بھی چیز کے بارے میں گھر والوں سمیت کسی کو بھی علم نہیں ہونا چاہیے ۔کیوں کہ اس سے پھر معاملات خراب ہوتے ہیں۔۔

ہاں تم؟؟؟؟؟؟جمیلہ نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا

کچھ نہیں اماں آپ سمجھ ہی نہیں پارہے میری بات کو۔میں کہہ رہا ہوں کہ میں ابھی شادی نہیں کرسکتا اور میں کوئی غلط کام نہیں کرر ہا ہوں ۔کچھ عرصے بعد میں واپس آجاؤنگا تو تب کردینا میری شادی لیکن ابھی نہیں کرسکتا۔اس نے بات کو گھمادیا۔یہ تو کسی طور نہیں ہوسکتا تھا کہ بڑے مولانا صاحب نے انکو تاکید کی ہو اور وہ اسکو نا مانیں ۔۔

اور وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔وہ اسکا گھر پر تیسرا دن تھا ۔اسے اپنے ماں باپ کی باتیں سمجھ تو آرہی تھی لیکن وہ فی الحال شادی بلکل کرنا نہیں چاہتا تھا ۔اسے یقین تھا کہ اسکی ماں نے صرف اسکے زیادہ دن گھر سے دور رہنے کی وجہ سے ایسا کہا ہے اور وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ وہ جلدی گھر آیا کرے اور اس نے پکا ارادہ کربھی لیا تھا کہ آئندہ وہ دو یا تین مہینے بعد گھر آیا کرے گا۔وہ بڑے مولانا صاحب سے بات کرلے گا۔اس لیے صبح ہونے تک رات والی بات کو وہ بھول بھی گیا۔۔

لیکن بھولتا کیسے؟؟؟اس بات کے تیسرے دن ہی جب وہ اپنے دوستوں سے مل کر واپس گھر

آیا تو جمیلہ کو نیم کے درخت کے سائے میں چار پائی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔وہ کافی خوش لگ رہی تھی۔وہ بھی اسکے پاس جا کر بیٹھ گیا۔۔۔

کیا ہوا اماں؟؟ خوش لگ رہی ہو۔اس نے چھیڑا

تو خوش نا ہوں کیا؟؟ لڑکی دیکھ لی ہے میں نے تیرے لیے۔وہ خوشی سے بولی

کیا؟؟؟؟؟؟؟ وہ چیختے ہوئے اٹھا۔۔

یہ کیا کہہ رہی ہو اماں؟؟؟ میں نے کہا تھا کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔وہ شدید غصے میں تھا۔

لیکن کیوں رحمتے؟؟؟؟ جبکہ کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔وہ اداس ہو کر بولی

اماں تجھے محلے کی عورتوں نے کہا کہ اسکی شادی کر دو یہ گھر رہنے لگ جائے گا اور آپ شروع ہو گئی شادی کروانے جب کہ میں نے کہا کہ مجھے نہیں کرنی ابھی۔۔وہ سخت ناراض تھا

لیکن تم انکار کیوں کر رہے ہو؟؟؟ وہ بیچاری ابھی بھی اسکے اتنے غصے کی وجہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

اماں میں نے کہا نا کہ بس نہیں کرنی تو نہیں کرنی۔آپ زبردستی کیوں کر رہی ہیں؟؟؟؟ وہ دانت کیا

جمیلہ ہونقوں کی طرح اسکا منہ دیکھ رہی تھی۔

اماں میں کہہ رہا ہوں کہ ابھی نہیں کر سکتا شادی۔جب تیار ہو جاؤنگا تو آپ کو بتا دونگا۔

اس بار وہ ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔جمیلا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔اور وہ اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔

دن کا کھانا گھر میں موجود چار خواتین اور رحمت اللہ نے بہت خاموشی سے کھایا۔فضل اللہ ایک دوست کی عیادت اور ایک جاننے والے کی تعزیت کیلیے گھر سے نکلا تھا اور دن کے کھانے میں شریک نہیں ہو سکا۔

اب عمر کے اس حصے میں فضل اللہ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔اب وہ یا تو گھر پر ہی ہوتا اور یا کسی کے دکھ یا خوشی میں شریک ہو جاتا۔اسکے چاروں بیٹے اب کام کرتے تھے اور سب کی آمدنی ملا کر گزارا اچھا ہو جاتا تھا۔اب گھر میں اتنی تنگی نہیں رہی تھی۔شام کا کھانا سب نے ایک ساتھ ہی کھایا۔

کیا بات ہے رحمتے؟؟؟ تمھیں شادی سے اتنا مسئلہ کیوں ہے؟؟ فضل کو زینت کی زبانی دن کی ساری بات پتہ چل گئی تھی۔

ابا ابھی شادی نہیں کر سکتا میں۔سمجھ کیوں نہیں آتی آپکو میری بات۔۔وہ پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا۔۔۔۔۔

لیکن بیٹا۔۔۔فضل نے کچھ کہنا چاہا

ابا آپ سب کو اتنا ہی شوق ہے تو اصغر کی کروا دیں نا ۔۔
لیکن ہم تمہاری پہلے کرنا چاہتے ہیں اور ۔۔ظفر پہلی بار گفتگو میں شامل ہوا
بھائی آپ لوگ چھوڑ نہیں سکتے اس بات کو؟؟ وہ نہیں مان رہا تھا
نہیں ہم نہیں چھوڑ سکتے ۔ہم چھوڑ ینگے تب جب تو مانے گا ۔۔جمیلہ اٹل لہجے میں بولی ۔
اور وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر کمرے میں آ گیا ۔پتا نہیں سب کو کیا ہو گیا ہے ۔پاگل ہو گئے ہیں کیا سب؟؟ اس نے تلخی سے سوچا۔
اس سب کا حل یہی ہے کہ میں کل صبح ہی یہاں سے چلا جاؤں ۔اسے جان چھڑانے کا ایک آخری حل سوجھا اور یہی سوچتے ہوئے اس نے اپنے کپڑے تھیلے میں ڈال دیے ۔صبح فجر کی نماز پڑھ کر سب سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے واپس آئے اور اپنا اپنے کمرں میں بستروں میں دبکے تو وہ اصغر کو کمرے میں سوتا چھوڑ کر اپنا تھیلا اٹھائے باہر نکلا ۔۔
اماں میں جا رہا ہوں ۔۔۔کنویں کی طرف سے آتی جمیلہ سے بولا
کدھر جا رہا ہے تو؟؟؟ پاگل ہے کیا؟؟ ابھی تو چھٹیاں رہتی ہیں تیری ۔۔۔
جلدی آؤنگا اماں ۔اللہ حافظ ۔۔اور تیز تیز قدم اٹھاتا گھر سے نکل گیا ۔جمیلہ پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا ۔شادی کے معاملے کو وہ یہیں پر دبا دینا چاہتا تھا ۔
نو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اپنی تربیت گاہ میں پہنچا تو خاموشی نے اسکا استقبال کیا ۔اس گھر میں مقیم لوگ شاید سو رہے تھے ۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا اور بستر پر دراز ہو گیا ۔
اسکی آنکھ دوبارہ گلریز کی آواز سے کھلی جو اسے عصر کی نماز کیلیے اٹھانے آیا تھا ۔
وضو کر کے وہ مسجد میں نماز پڑھنے گیا ۔
بڑے مولانا صاحب تمہیں بلا رہے ہیں ۔نماز پڑھ کر آیا تو تھوڑی دیر بعد گلریز نے اطلاع دی ۔وہ ملحقہ گھر میں بڑے مولانا صاحب کے پاس چلا گیا ۔
واپس جلدی کیوں آئے ہو بچے؟؟؟ بیٹھنے کے بعد انہوں نے پوچھا
کچھ ایسی خاص وجہ نہیں ہے مولانا صاحب ۔بس گھر والے شادی کرنے کیلیے مجبور کر رہے تھے ۔میں یہاں چلا آیا ۔
تو تم شادی نہیں کرنا چاہتے کیا؟؟؟ انہوں نے پوچھا
اسے جیسے سو واٹ کا کرنٹ لگ گیا ۔وہ تو سب کچھ جانتے تھے پھر ایسا سوال کیوں کیا؟؟

آپ تو سب کچھ جانتے ہیں ۔ میں شادی کیسے کرسکتا ہوں؟؟ وہ آہستہ سے بولا
شادی کیوں نہیں کر سکتے ؟؟ انہوں نے پھر اسے حیران کیا
مولانا صاحب آپ تو خود کہتے ہیں کہ تربیت مکمل ہونے کے بعد مجھے جہاد کیلیے بھیجا جائے گا ۔اور ابھی تربیت ختم بھی ہونے والی ہے اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مجاہدین کی زندگی اور موت کا کوئی پتا نہیں چلتا ۔تو ایسے میں میں شادی کیسے کرسکتا ہو؟؟؟
ہاں یہ سب میں کہتا ہوں لیکن تم نے غور نہیں کیا میری بات پر بیٹے ۔ میں نے اگر کہا ہے کہ مجاہد کی زندگی اور موت کا کوئی پتا نہیں ہے تو اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمارا کوئی مجاہد شادی ہی نا کرے ۔اگر زندگی کا پتا نہیں چلتا تو موت کا بھی نہیں چلتا اور زندگی اور موت کا تو اس دنیا میں کسی کا بھی پتا نہیں چلتا ۔لوگ اچھے خاصے ہشاش بشاش ہوتے ہیں اور اچانک سے ملک الموت آکر روح قبض کرتا ہے ۔کبھی کوئی حادثہ ہوجاتا ہے ۔تو اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ کوئی شادی ہی نا کرے ۔
لیکن مولانا صاحب ہم لوگوں کی زندگی تو ہر وقت خطرے میں ہے پھر کیوں کسی کو اپنے ساتھ جوڑلوں ۔ کہ کل کو وہ بھی مجھے بد دعا دیتی رہے ۔۔
بیٹے تمہاری یا میری زندگی کو ہمارے پیغمبر کی زندگی سے زیادہ خطرہ تو نہیں ہے نا ۔انکی زندگی زیادہ خطرے میں تھی ۔طائف والے انکے دشمن یہودی انکے دشمن ،کافر انکی جان کے در پے ۔۔کون انکا دشمن نہیں تھا ۔انکی زندگی بہت خطرے میں تھی لیکن انہوں نے پھر بھی نکاح کیا اور ایک نہیں کئی کیے کیوں کہ یہ بھی اللہ کا ایک دیا ہوا فرض ہے ہم مسلمانوں پر ۔نکاح ایک فرض ہے جسے پورا کرنا ہے ۔اور رہی بات زندگی برباد کرنے کی تو ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹے ۔تمہاری بیوی فخر کرے گی کہ وہ ایک مجاہد کی بیوی بنے گی جو صرف اپنا نہیں بلکہ اسکے لیے بھی جنت کے حصول کا زریعہ بنے گا ۔وہ تمہیں بد دعا کبھی نہیں دے گی ۔کیا پیغمبر ﷺ کی بیویوں نے انہیں بد دعا دی؟؟ نہیں نا کیوں کہ وہ انکے لیے رحمت کا زریعہ تھے ۔
تو میں کیا کروں؟؟ وہ جیسے راستہ مانگ رہا تھا ۔اپنی غلطی پر نادم تھا
تم نے اپنی ماں اور باپ کو ناراض کیا ہے ۔تم کل صبح ہی صبح دوبارہ روانہ ہوجاؤ اور جاکر اپنے ماں باپ سے معافی مانگو اور شادی کیلیے ہاں کردو ۔وہ بھی خوش ہوجائیں گے اور اللہ بھی ۔
مولانا صاحب وہ چاہتے ہیں کہ شادی کرلوں تاکہ وہی انکے پاس رہا کروں ۔یہاں کا سب کچھ چھوڑ دوں ۔وہ دل کی بات زبان پر لے آیا ۔
یہ جو دین ہے نا بیٹے یہ اپنے عاشقوں کو خود بلاتا ہے ۔تم کچھ بھی کرلو یہ دین اور اسکی خدمت سے تم دور نہیں ہوسکتے ۔اور سب سے بڑی خدمت جہاد ہے ۔اسلیے تم اس بات پر پریشان نا ہو کہ تم

مجبور ہو کر گھر بیٹھ جاؤ گے۔ گھر وہ بیٹھتے ہیں جنہیں اللہ کی محبت کا چسکا نہیں پڑا ہوتا۔ تم کبھی بھی دور نہیں ہو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔

وہ خاموش رہا۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ ٹھیک ہی کہ رہے تھے۔

اور دوسری صبح اس نے دوبارہ وہی کپڑوں کا تھیلا اٹھا کر گھر کی راہ لی۔ مولانا صاحب نے اسے ان دو دنوں کی مزید چھٹی دے دی تھی جو سفر میں ضائع ہو گئے تھے۔

اماں شادی کر دیں میری۔ وہ آہستہ سے بولا

کیا؟؟؟؟ جمیلہ کا منہ مارے خوشی کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

تو واقعی سچ کہہ رہا ہے رحمتے ؟؟؟ شادی کے نام پر اسکے اس شدید ردعمل کے بعد اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔ وہ کل غصے میں نکلنے کے بعد آج واپس آیا تھا اور شرمندہ تھا۔

ہاں اماں میں کچھ نہیں کہونگا۔ کر دیں آپ جہاں بھی چاہتی ہیں۔ وہ نظریں نیچی کیے زمین کو ہی گھور رہا تھا۔

میں آج ہی تیرے ابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ اپنا ادریس چاچا ہے نا تیرا۔ جو تیرے ابا کا جگری یار ہے اسکی بیٹی عالیہ بہت پسند ہے مجھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ شاید اس خیال سے کہ اب اسکا بیٹا اسکے پاس رہے گا یا پھر اگر پاس نا بھی رہے تو جلدی جلدی ضرور آیا کرے گا۔

ٹھیک ہے لیکن اماں میری چھٹی تھوڑی سی ہے اب۔ دو تین دن۔ پھر میں چلا جاؤ نگا۔

تو بیٹا تو اپنا پتا چھوڑ جانا۔ جب رشتے کی کوئی بات بنے گی تو تیرا ابا چھٹی بھیج دے گا۔ پھر تو آ جانا۔ اس نے ایسا حل بتا دیا جو بظاہر تو بہت آسان تھا لیکن حقیقت میں بہت مشکل تھا۔ اور خاص طور پر اس کے لیے۔ انہیں سختی سے یہ تاکید بھی کی گئی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے اپنے ٹھکانے اور مدرسے کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ اور وہ ان ہدایات کا پابند تھا۔

ٹھیک ہے اماں۔ اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ جمیلہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

رات کو جمیلہ نے فضل اور باقی چاروں بیٹوں سے بھی بات کی۔ وہ سب تو پہلے ہی سے یہی چاہتے تھے۔ سو بہت خوش ہو گئے۔۔

جمیلہ تو زینت یا طاہرہ کو لے کر کل ادریس کے گھر جا اور بات کر لے۔ وہ منع نہیں کریں گی۔ فضل نے تجویز دی۔

اور دوسرے دن ہی جمیلہ زینت کو لے کر ادریس اور فہمیدہ کے گھر چلی گئی۔ عالیہ کا رشتہ اپنے بیٹے

رحمت اللہ کیلیے مانگنے۔۔

ادریس کو فوت ہوئے تقریباً دو سال ہونے کو تھے۔اپنے پیچھے اسنے ایک بیوہ تین بیٹیاں اور تین بیٹے چھوڑے تھے۔بیٹیاں بڑی تھی۔اسکے بعد اللہ نے تین بیٹے دیے تھے جو ابھی کافی چھوٹے تھے۔بڑا بیٹا لاری اڈے پر ریڑھی لگاتا تھا اور فہیمہ خود گاؤں کے واحد سکول میں صفائی وغیرہ کرتی تھی۔گھر کا گزارہ کافی مشکل سے چلتا تھا۔اور اوپر سے تین جوان ہوتی بیٹیوں کا بوجھ الگ۔فہیمہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

فہیمہ نے سوچنے کیلیے کچھ وقت مانگا تھا لیکن جمیلہ جانتی تھی کہ وہ انکار کبھی بھی نہیں کرے گی۔رحمت اللہ کا رشتہ اسکے صحن میں بہار کا جھونکا ہی تو تھا۔

اور چوتھے روز رحمت اللہ واپس چلا گیا۔اپنے مدرسے اور ٹھکانے کا پتا تو نہیں بتایا لیکن ایک مہینے بعد آنے کا وعدہ کر کے ہی گیا۔

اسکے باقی دوست بھی آ چکے تھے۔اب انکی تربیت کا دوسرا دور شروع ہوا تھا۔

مولانا صاحب نے کہا ہے کہ تم لوگ ناشتے کے بعد میرے یہاں سے تیسرے گھر میں چلے جانا۔وہاں شکیل نامی ایک شخص ملے گا۔وہ تم لوگوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔مولانا صاحب نے اسے تم سب کے بارے میں بتادیا ہے۔گل ریز نے صبح ناشتہ دیتے ہوئے اطلاع دی۔

وہ ناشتے سے فارغ ہوئے تو ہدایات کے مطابق اس گھر سے دائیں طرف تین گھر چھوڑ کر چوتھے گھر میں چلے گئے۔وہاں واقعی ایک شخص انکا انتظار کر رہا تھا۔لیکن اپنی پچھلی دس سال کی زندگی میں مدرسوں میں دیکھے ہوئے لوگوں کے برعکس نا ہی اس شخص کی داڑھی تھی اور نا ہی سر کے بال لمبے تھے۔وہ ایک کرسی پر بیٹھا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔صاف ظاہر تھا کہ وہ انہی کا انتظار کر رہا تھا۔

السلام وعلیکم۔۔۔وہ انکے پاس گئے تو انکے سلام کرنے سے پہلے ہی اس نے پر جوش لہجے میں خود ہی سلام کر دیا۔

بیٹھو بیٹھو۔۔اس نے انکو بیٹھنے کا کہا اور اس کمرے سے ملحقہ کچن میں چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو ایک ٹرے میں چائے کے چھ کپ تھے۔وہ میز پر رکھے تو دوبارہ جا کر کھانے کے کچھ لوازمات لے کر آیا۔

مجاہد اللہ نے یہاں پہلی بار چائے دیکھی تھی ورنہ یہ لوگ سبز چائے ہی بناتے تھے۔مدرسے میں تھا تو بھی سبز چائے اور یہاں بھی سبز چائے ہوتی تھی۔بیچ میں جب وہ گھر جاتا تھا تو دودھ والی چائے

پیتا تھا۔لیکن آج پہلی بار یہاں دیکھ رہا تھا۔اور اب تو اتنی عادت ہو گئی تھی کہ دودھ والی چائے مزا بھی نہیں دیتی تھی۔

چائے لے لو بھئی۔۔ٹھنڈی ہو رہی ہے۔وہ بسکٹ وغیرہ میز پر رکھتے ہوئے بولا اور وہ خود بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرا نام شکیل ہے۔ڈاکٹر شکیل احمد۔پیشے کے لحاظ سے تو میں ڈاکٹر ہوں لیکن چھیر پھاڑ نہیں کرتا۔صرف لوگوں کی ذہنی بیماریوں کا علاج کرتا ہوں۔شہروں میں ایسے لوگوں کو سائیکاٹرسٹ کہتے ہیں۔سو میں ایک سائیکاٹرسٹ ہوں۔۔وہ ساتھ میں چائے کے ہلکے ہلکے سپ بھی لے رہے تھے۔

تم لوگ مجھے اپنے اپنے نام بتاؤ۔۔

امیر حمزہ۔۔۔۔۔۔

عمر فاروق۔۔۔۔

سیف اللہ۔۔۔

مجاہد اللہ۔۔۔۔

علی حیدر۔۔۔۔۔

سب نے اپنے نام بتا دیے۔وہ مسکراتے ہوئے سنتے رہے۔

اگر تم لوگ میرے حلیے کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو اور یہ سوچ رہے ہو کہ میں یہاں رہنے والوں جیسا نہیں لگتا تو بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔میں اس لیے انکے جیسا نہیں دکھتا کہ میں یہاں رہتا نہیں ہوں۔میں شہر میں رہتا ہوں لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ میری سوچ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔بس فرق یہ ہے کہ اگر وہاں پر میں داڑھی رکھ لوں اور بال لمبے کر لوں تو لوگ دور بھاگنا شروع ہو جاتے ہیں۔اسلیے انکے جیسے حلیے میں رہنا پڑتا ہے۔اب خود سوچو کہ جہاں دین اور سنت پر عمل کرنے سے لوگ دور بھاگتے ہیں وہاں کے لوگوں کی ذہنی حالت کیا ہو گی۔

آپ یہاں کیوں آئے ہیں اور ہمیں مولانا صاحب نے آپکے پاس کیوں بھیجا ہے؟؟ حیدر نے سوال کیا۔

میں اسلیے یہاں آیا ہوں کہ میں یہاں آتا رہتا ہوں اور مجھے اسکے پیسے ملتے ہیں اور آپکو اسلیے بھیجا ہے کہ میں اس بار آپ ہی کیلیے آیا ہوں۔

وہ کافی دوستانہ مزاج کے بندے تھے۔کچھ ہی دیر میں وہ انکے ساتھ ایسے مل گئے جیسے وہ پرانے دوست ہوں۔کافی دیر تک وہ باتیں کرتے رہے۔سب اپنے اپنے گاؤں کی باتیں کرتے بچپن میں

کھو گئے۔ پھر ہنستے۔ مدرسے کی باتیں ہوتی رہی۔تقریباً دو گھنٹے بعد وہ اٹھ گئے اور اپنے گھر واپس آ گئے کیونکہ گلریز ان کو بلانے آیا تھا۔

ڈاکٹر شکیل کو چھوڑ کر جانے کا ان میں سے کسی کا بھی دل نہیں کر رہا تھا۔وہ تھے ہی اتنے اچھے۔ کتنے عرصے بعد وہ سب ایسے دل کھول کر اور منہ پھاڑ کر ہنسے تھے۔اور یہ سب انہیں بہت اچھا لگا تھا۔

وہ واپس آئے تو استادجی صحن میں بیٹھے انکا انتظار کر رہے تھے۔

ڈاکٹر صاحب اچھے لگے؟؟؟انہوں نے پوچھا

جی استادجی وہ بہت اچھے ہیں۔انکے ساتھ بہت مزا آیا۔

چلو اچھا ہے اب آ جاؤ میرے ساتھ۔۔وہ لوگ پھر سے اس تہہ خانے کی طرف چلے گئے۔

وہاں سے استادجی نے ایک اور طرح کا بندوق اٹھایا اور انہیں لے کر اس دوسرے گھر میں آ گئے جہاں وہ نشانے کی مشق کیا کرتے تھے۔

اسکو ماسٹر گن کہتے ہیں۔۔۔وہ اس بندوق کے بارے میں بتانے لگے۔

اگر تم لوگ کسی چیز پر سوچتے سوچتے تھک جاؤ اور یہ فیصلہ نا ہو پائے کہ وہ ٹھیک ہے یا غلط؟ یا جب کوئی کام کرنے لگو اور کچھ سمجھ نا آئے یا پھر کوئی کام بلکل ٹھیک لگے لیکن دل مطمئن نا ہو رہا ہو، یا ضمیر کی خلش باقی ہو تو ایک خاموش سی جگہ میں بیٹھ جایا کرو۔جہاں بلکل خاموشی ہو۔کوئی انسان آپکے آس پاس نا ہو اور پھر اس خاموشی میں آنکھیں بند کر کے خود سے وہ سوال پوچھ لیا کرو۔یقین کرو جواب خود ہی مل جائے گا۔یہ جو دل ہوتا ہے نا اس میں اللہ کا مسکن ہے تو دل سے پوچھنا مطلب اللہ سے ہی پوچھ لینا ہے۔لیکن ایک بات یاد رکھنا۔دل کبھی کھل کر اقرار نہیں کرتا۔اسکے پاس کرنے کو صرف دو کام ہوتے ہیں۔یا تو یہ انکار کرتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔تو اگر کوئی کام ٹھیک نہیں ہے یا ہمارے دل کو پسند نہیں ہے تو سوال پوچھنے پر صاف انکار آئے گا۔اور اگر کوئی کام اسے پسند ہے تو پوچھنے پر یہ کچھ نہیں کہیگا۔صرف خاموش ہی رہے گا۔پھر ہم سوچتے ہیں کہ آیا یہ ٹھیک ہے یا غلط۔لیکن یاد رکھو کہ جس چیز میں اندر سے خاموشی کی آواز آئے۔بلکل گہری خاموشی تو سمجھ جاؤ کہ تم کسی غلط رستے پر نہیں ہو۔اور اندر کی خاموشی ہی اس بات کا اقرار ہے کہ آپ ٹھیک کر رہے ہیں۔آپ لوگ خود تجربہ کر لیں اس چیز کا۔یقین جانیئے اس خاموش جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی سکون کی ایک بہت بڑی لہر آپکے سراپے میں سرایت کر جائے گی اور آپ ایک ان ہوا سکون محسوس کرینگے۔کیونکہ آپ نے خود کو اللہ کی مرضی کے سپرد کیا ہوگا۔

انہیں ڈاکٹر شکیل کے پاس آتے ہوئے آج آخری دن تھا۔اور انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک ہفتہ رہ

کر چلے جائینگے ۔اور کل وہ جانے والے تھے ۔ڈاکٹر شکیل کی شخصیت سے وہ کافی متاثر تھے ۔انکی باتیں دلوں کو چھوتی تھی ۔زہنوں کی پیچیدہ گھتیاں سلجھانے میں وہ بہت ماہر تھے۔جانے وہ کیسے جان لیتے تھے کہ انکے زہنوں میں کن سوچوں کا بسیرا ہے لیکن جب بھی وہ ان سے مل کر آتے تھے واقعی سکون کی ایک لہر بدن میں پھیلی ہوتی تھی ۔

کافی دیر تک باتیں کر کے وہ واپس آئے تو انہیں اپنی گھتیوں کو سلجھانے کا طریقہ مل گیا تھا ۔اب وہ بہت پر سکون تھے۔اس ایک ہفتے کے دوران انہوں نے ڈاکٹر شکیل سے ان سب باتوں پر بھی بحث کی جن کے بارے میں وہ کبھی کبھی پریشان رہتے تھے۔جیسا کہ مجاہد اللہ کا سب سے پہلا استاد قاری ادریس جو اسے ہمیشہ ایسی کسی بھی چیز سے منع کرتا تھا جس سے کسی کو نقصان پہنچے ۔چاہے سامنے والا بندہ کافر ہی کیوں نا ہو۔یا پھر اسکی ماں جمیلہ جو اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنے کی ترکیبیں سوچا کرتی تھی ۔تو اسکا حق ضروری تھا کہ دین کا؟؟ وہ بھی تو ماں ہے ۔اور ماں کیوں روئے؟؟؟

یا پھر علی حیدر کا معذور باپ جو چاہتا تھا کہ وہ اسکے پاس آکر اسکی کچھ خدمت کرلے لیکن اسکے گھر میں تو دوسرے بھائی ہیں اور گھر کا خرچہ وغیرہ بھی تو کافی اچھے سے چل رہا ہے پھر وہ صرف باپ کے ساتھ رہنے کیلیے اتنے عظیم مقصد کو کیوں چھوڑے۔۔۔۔

اور کل وہ چلے جائیں گے۔لیکن انہیں ایک سوچنے اور فیصلہ کرنے کی قوت دے کر۔فیصلے کیا تھے یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا لیکن یہ تو طے تھا کہ ڈاکٹر شکیل کے آنے سے انکے سوچنے کا زاویہ تو نہیں لیکن سوچنے کا انداز کافی حد تک بدل گیا تھا ۔

اور زندگی کا ڈگر بدلنے کیلیے سوچ کا انداز نہیں زاویہ بدلنا ضروری ہوتا ہے ورنہ تو ہر انداز سے سوچ کر ایک ہی فیصلے پر پہنچا جاتا ہے ۔

اور پنچھی نہیں جانتا ہوتا کہ شکاری کس طرح سے اسے پھنسا رہا ہے ۔دراصل شکاری کا دانہ ہی تو اس کی اصل چال ہوتی ہے ۔

اپنے وعدے کے مطابق ایک مہینے بعد وہ گھر آیا۔تو جمیلہ نے اسکی شادی کی بات پکی کردی تھی ۔اس بار وہ آیا بھی صرف تین دنوں کیلیے تھا۔جمیلہ بہت خوش تھی ۔عالیہ کیلیے کچھ کپڑے اور معمولی سا زیور بھی بننے کیلیے دیا گیا ۔اب گھر میں اتنی تنگی نہیں رہی تھی ۔مغرب کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد وہ اور فضل قاری ادریس کے پاس بیٹھ گئے ۔قاری ادریس اب جوانی کی عمر سے نکل کر ادھیڑ عمری میں داخل ہوگئے تھے ۔جب رحمت علی انکے پاس پڑھتا تھا تب تو وہ تیس بتیس سال کے جوان تھے لیکن اب

پنتالیس چھیالیس سال کے درمیانی عمر کے آدمی تھے۔

رحمت بیٹے میں اکثر تمہارے والد سے تمہارے بارے میں پوچھتا رہتا ہوں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ کا مدرسہ کدھر ہے تو انکو نہیں پتہ ہوتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ وہاں کیا کر رہے ہو جبکہ ابھی اپکی تعلیم بھی ختم ہو چکی ہے تو نہیں آپکے وہاں رہنے کی وجہ کا نہیں پتا۔ بیٹے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کوئی آپکی معصومیت سے فائدہ اُٹھا کر آپکو غلط راستے پر نا ڈال دے۔ وہ اپنے مخصوص میانہ روانداز میں بولتے رہے۔

قاری صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ہم بس تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ ہمارا کوئی غلط راستہ ہے ہی نہیں تو اس راستے پر جاؤنگا کیسے۔وہ پراعتماد تھا۔

بیٹے تم کہاں رہتے ہو آج کل؟؟

میں مدرسے میں رہتا ہوں۔۔مختصر جواب

کونسے مدرسے میں اور کہاں واقع ہے یہ مدرسہ؟؟وہ پتا پوچھ رہے تھے

یہ میں نہیں بتا سکتا قاری صاحب۔مدرسے کا قانون ہے کہ کسی کو نا بتایا جائے۔اس نے مدرسے میں کئی بار سنی ہوئی بات دہرائی۔۔

کیوں؟؟؟وہ حیران ہوئے

قاری صاحب ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس میں کھلم کھلا تبلیغ کا کام کرنا اتنا آسان نہیں ہے ۔جس معاشرے میں داڑھی والے کو مزاق کا نشانہ بنایا جائے اور تبلیغ کرنے والے کو گولی سے اڑا دیا جائے۔اور ناچ گانے اور بے حیائی کو اچھا کہا جائے اس میں ہم تبلیغ کا کام کھلم کھلا کیسے کر سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد دین کی سربلندی ہے۔شہادت کا حصول تو نہیں۔کہ ہم کام کریں اور کوئی گولی سے اڑا دے۔۔۔اسکا جواب بہت تفصیلی تھا۔

قاری صاحب منہ کھولے اسے دیکھتے جا رہے تھے۔اگر وہ ہندو ہوتے اور جنموں پر یقین کرتے تو آج ضرور مان جاتے کہ رحمت اللہ کی شکل میں ایک اور ہارون نے جنم لیا ہے

رحمت اللہ ایک سچی کہانی سنو گے؟؟بلکل تم جیسے ہی ایک لڑکے کی کہانی ہے۔

سنائیں قاری صاحب۔۔

میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں۔ہارون نام تھا اسکا۔وہ بھی بلکل تمہاری طرح جذباتی تھا۔کسی بھی طرح سے دین کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ایک بہت بڑا عالم بننا چاہتا تھا۔شہادت بھی چاہتا تھا۔اور یہی حصول علم کا شوق اسے ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں اسے لگا کہ اسکی منزل اسے مل گئی ہے۔اسکے ماں باپ

اسکے استاد دور جانے کے ارادے کے خلاف تھے لیکن وہ نہیں مانا ۔اسکی منزل اسے مل ہی گئی ۔اسے مختلف قسم کی تربیت دی گئی۔مختلف اسلحہ چلانے کی ۔یہ آج سے بیس سال پہلے کی بات ہے ۔وہ خوش تھا کیونکہ اسے لگ رہا تھا کہ اسکا اللہ اس سے خوش ہے ۔تربیت دے کر اسے ایک غیر قانونی طریقے سے سرحد پار بھیجا گیا ۔وہاں اسے روسیوں سے لڑنے کا کہا گیا۔وہ لڑتا رہا لیکن کچھ عرصے بعد اسے کہا گیا کہ وہ جا کے ایک بازار میں دھماکہ کردے ۔وہ حکم کے مطابق وہاں گیا لیکن جیسے ہی اس نے دھماکے کا ارادہ کیا اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ قریب میں ہی ایک ٹولی سی بنا کر ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھ رہے تھے ۔اسکے اندر سے اسکے ماں باپ کی تربیت جاگی ۔وہ کچھ بھی کرسکتا لیکن ایک مسلمان کا قتل کیسے کرسکتا تھا۔اس نے خود کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اندر کا مسلمان اسے دوسرے مسلمان نمازی کے قتل کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں دھماکہ کیے بغیر اپنے سردار اور ساتھیوں کے پاس گیا تو کوئی بھی اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔وہ انکی نظر میں ایک غدار ہوگا اور غدار کی سزا وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن وہ دھماکہ نہیں کرسکتا تھا ۔وہ وہاں سے بھاگا۔آبادی سے باہر آکر اس نے اس مواد کو ضائع کیا اور بھاگ گیا لیکن بھاگتا تو کہاں۔تھوڑی ہی دیر میں اسکے ساتھیوں کو دھماکہ نا ہونے اور اسکے بھاگنے کی خبر ملنی تھی اور اسکے بعد وہ اسکی تلاش شروع کردیتے ۔ اور اگر وہ انکے ہاتھ لگ جاتا تو اسکی بوٹی کا بھی پتا نا چلتا۔وہ بھاگتا رہا۔ بھاگتا رہا۔بغیر کوئی سمت جانے ،بغیر راستے بغیر منزل اور بغیر مسافت کے پتے کے لیکن وہ چلتا رہا۔مسلسل تین دن چلنے کے بعد اسے کہیں چھوٹا سا ٹھکانہ مل گیا ۔ایک دو دن اسنے وہاں ایک بوڑھے شخص کے ساتھ گزارے اور پھر منزل کا پتا کر کے وہ دوبارہ روانہ ہوا۔مزید چار دن بعد وہ سرحد پر پہنچا تو اسے گرفتار کرلیا گیا ۔وہ کیسے ثابت کرتا کہ وہ پاکستانی ہے ۔وہ کچھ عرصہ جیل میں رہا۔اس نے اپنے علاقے کا اور پتا بتا کر گھر سے کسی کو بلانے کی درخواست کی لیکن گھر سے کوئی نا آیا ۔آخر کافی وقت بعد اسکے باپ کا ایک دوست اسکے پاس آیا اور اسکی شناخت کر کے اسکی ضمانت کردی۔وہ انکے ساتھ اپنے گھر آیا ۔لیکن یہ کیا؟؟؟؟اسکا گھر کہاں تھا؟؟ جبار چچا کے گھر کے سامنے ہی تو اسکا گھر تھا لیکن اب تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔بس جگہ جگہ سے زمین کالی تھی جیسے جل گئی ہو۔

تمہارا گھر جل گیا ہے بیٹا۔۔پیچھے کھڑے جبار چچا نے کہا۔

اسنے پیچھے مڑ کر جبار چچا کی طرف دیکھا ۔وہ رو رہے تھے۔لیکن وہ رو کیوں رہے تھے۔

تو چچا گھر والے کہاں ہیں ۔اسے اپنے ماں باپ ،بیوی،دو جوان بہنوں اور ایک چھوٹے بھائی کی فکر ہوئی۔۔

تو چل بیٹا میرے ساتھ بتاتا ہوں ۔جبار چچا بولے ۔
لیکن چچا بتا تو دیں نا کہ وہ سب کہاں ہیں ۔مجھے پتا تو دے دیں انکا۔۔وہ فکر مند تھا
تو چل بیٹا میرے ساتھ بتاتا ہوں سب تجھے ۔بس تو چل نا ۔وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھر لے آئے ۔
چچا اب بتا بھی دیں انکا پتا کہ وہ سب کہاں رہتے ہیں اب ۔گھر جل جانے کے بعد وہ کہاں چلے گئے
۔
وہ اب اللہ کے پاس رہتے ہیں بیٹا ۔
کیا؟؟؟؟؟؟؟وہ زور سے چیخا۔
ہاں بیٹا ۔صرف گھر نہیں جلا تھا۔گھر کے مکین بھی جل گئے تھے ۔گھر کو چاروں طرف سے آگ نے ایسا گھیرا تھا کہ باوجودکوششوں کے کسی ایک بھی انسان کو زندہ نہیں بچایا جا سکا۔محلے داروں نے بہت کوشش کی ۔کئی ایک تو جان کی پرواہ کرتے ہوئے آگ میں بھی کودے لیکن بے فائدہ رہا سب کچھ اور دوسرے دن گھر کے ملبے سے چھ لاشیں اس حالت میں ملی کہ کسی کی شناخت نہیں ہو پا رہی تھی ۔گھر کی راکھ میں سے لاشیں بہت مشکل سے الگ کی گئی ۔غسل کیسے دیا جاتا؟ وہ بچارے تو ویسے بھی شہادت کی موت مرے تھے ۔بے گناہ تھے سارے ۔
یہ کب ہوا چچا؟؟؟اسکی حالت دیوانوں کی سی ہو رہی تھی ۔
رمضان کی نویں رات کو۔۔جبار چچا نے بتایا
کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔اس کی نسیں پھٹ رہی تھی ۔
یہ ٹھیک وہی تاریخ تھی جس شام وہ بازار میں دھماکہ کرنے کی بجائے بھاگ گیا تھا۔اسکے بعد وہ بھٹکتا رہا۔اورکافی عرصہ جیل میں بھی رہا۔
تو اسکا مطلب تھا کہ اسکے بھاگنے کا بدلہ انہوں نے اسکے خاندان سے لیا تھا ۔
اسکی کچھ عجیب دیوانوں سی حالت ہوگئی تھی ۔بس ایک جگہ بیٹھے بیٹھے گھنٹوں ایک ہی نقطے کو گھورتا رہتا۔نیند تو اسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی ۔لیکن جب کبھی بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتا تو ایک جھٹکے سے ڈراونے خواب کی وجہ سے جاگ جاتا ۔کافی عرصہ وہ اسی حالت میں رہا۔وہ جان نہیں پا رہا تھا کہ اسکی غداری کی سزا اسکے خاندان سے کیوں لی گئی ۔وہ سارے تو بے گناہ تھے ۔وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کس اور کس کے جرم کی پاداش میں جل رہے ہیں ۔
پھر کیا کیا اس نے قاری صاحب؟؟؟اب وہ دلچسپی سے سن رہا تھا

بس پھر ایک دن اس نے جبار چچا کو صرف اتنا بتا دیا کہ وہ یہ علاقہ چھوڑ کر جا رہا ہے ۔کوئی جائداد وغیرہ اسکی تھی نہیں ۔بس صرف ایک خاندان تھا جو کہ اب نہیں تھا اور اسی رات وہ جبار چچا کا گھر چھوڑ کر کسی ایسی منزل پر چلا گیا جہاں اسکا پتا کسی کو بھی نا چلتا ۔اس نے اپنا نام بھی بدل دیا ۔اور اسنے سچی معنوں میں دین کی خدمت کا کام شروع کر دیا ۔آج اسے کوئی بھی ہارون کے نام سے نہیں جانتا ۔

آپ اسے جانتے ہیں قاری صاحب؟؟؟

سوال تھا یا آگ کا گولہ جس سے قاری صاحب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ۔کافی دیر وہ چپ رہے جیسے اپنی ہمتیں مجتمع کر رہے ہوں یہ بتانے کیلیے کہ وہ اسے جانتے ہیں ۔

مجھے لگ رہا ہے کہ آپ اسے جانتے ہیں ۔اس نے دوبارہ وہی سوال کیا

جانتا ہوں بیٹا اور صرف میں ہی تو جانتا ہوں اسکے بارے میں ۔آخر بڑی مشکل سے وہ یہی کہہ سکے ۔

تو مجھے بتا دیں کہ وہ کہاں رہتا ہے ۔میں ملنا چاہتا ہوں اس سے ۔۔

تم ملنا کیوں چاہتے ہو بیٹے؟؟؟انہوں نے دھیمی سی آواز میں پوچھا

تا کہ ان سے مل کر تسلی کر لوں کہ آیا یہ کہانی سچ ہے بھی کہ نہیں ۔ہوسکتا ہے قاری صاحب کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور اسکی اصل کہانی ایسی نا ہو یا پھر کچھ تھوڑے بہت ردو بدل کے ساتھ کچھ وجہیں مختلف ہوں ۔اگر آپ اسے ابھی تک جانتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ اتنی دور نہیں رہتا ہوگا کیوں کہ کسی نے آپ کو کبھی کہیں دور جاتے نہیں دیکھا ۔آپ بس مجھے بتا دیں کہ وہ کہاں رہتا ہے ۔۔۔

اور اگر میں نا بتاؤں تو؟؟؟ جانے کیا امید تھی انہیں

تو پھر میں اس ساری کہانی کو سچ نہیں سمجھونگا ۔قاری صاحب آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنا راستہ ترک کر لوں اور آپ مجھے ایسی کہانی سنا رہے ہیں جس کا کسی سے تعلق نہیں ہے ۔ایسی کہانیوں پر زندگی تو ترک نہیں ہوتی نا قاری صاحب ۔

اور اگر اس سے مل لو گے اور تسلی ہو جائے گی تو واپس آجاؤ گے اس راستے سے؟؟

وعدہ نہیں قاری صاحب لیکن سوچ لونگا ۔لیکن یہ سوچ بھی میں ہارون سے ملنے کے بعد ہی سکتا ہوں ۔

تو پھر مل لو ہارون سے ۔۔۔۔۔

کہاں ملوں؟ آپ پتا بتا دیں تو ہی ملونگا نا ۔

یہ جو تمہارے سامنے قاری ادریس بیٹھا ہے یہی ہارون ہے بیٹا ۔آواز ایسی تھی جیسے گہری کھائی میں سے آرہی ہو ۔

کیا؟؟؟؟؟؟وہ تقریباً چیخا۔

ہاں بیٹا یہی سچ ہے اور میں حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ جو میں نے کہا وہ لفظ بہ لفظ سچ تھا۔کوئی جھوٹ نہیں بولا میں نے۔اب تم نے خود ہی سوچنا ہے اور خود ہی فیصلہ بھی کرنا ہے۔بیس سال کے جوان مرد میں عقل کی کمی نہیں ہوتی۔اپنی یہ کہانی میں نے پچھلے بیس سال سے کسی کو نہیں سنائی۔جبار چچا کے گھر سے نکل کر میں ایک گاؤں میں گیا اور وہاں امام بن گیا۔پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے بھی نکل کر یہاں آ گیا اور اب کتنے عرصے سے یہاں ہوں۔بیٹے جب سے تم نے مدرسے جانے کی ضد کی تھی میں اسی دن سے تمہارے اس فیصلے کے خلاف تھا۔میں نہیں جانتا تھا کہ تم جہاں جا رہے ہو وہاں کیا ہوتا ہے لیکن میں تمہارے اندر ایک دوسرے ہارون کو دیکھ چکا تھا۔اس لیے بہت بار فضل کو بھی روکنے کی کوشش کی۔لیکن وہ کہتا تھا کہ وہ تمھاری کچھ حرکتوں سے اتنا پریشان ہے کہ تمہیں بھیجنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔یا پھر شاید اسے امید تھی کہ وہاں تربیت ہو جائے گی۔یہ کہانی آج سے بیس سال پہلے دفن ہوئی تھی لیکن آج پھر زندہ ہو گئی۔صرف اس لیے کہ تمہیں ہارون بننے سے بچا لوں۔اب تم جاؤ اور اپنی زندگی کا فیصلہ خود ہی کر لو۔خوب سوچ سمجھ کر۔اور مجھے یقین ہے کہ تمہارا فیصلہ سمجھداری کا ہوگا۔۔۔۔

وہ آہستہ سے اُٹھ گئے اور مسجد کے اندر اس کمرے میں چلے گئے جہاں وہ رہتے تھے۔۔

قاری صاحب میں ہارون بن گیا ہوں۔بلکہ ہارون سے بھی بری حالت میں آ گیا ہوں۔ہارون کو تو اللہ نے دوسرا موقع دیا کہ وہ اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کر لے۔مجھے تو یہ موقع بھی نہیں دے رہا۔

آپ نے کہا کہ فیصلہ کر لو اور میں نے فیصلہ کر لیا۔اپنی زندگی کا ایک اور غلط فیصلہ۔لیکن میں کیا کرتا۔اس وقت تک میں دلدل میں اتنا دھنس چکا تھا کہ نکلنے کا رستہ نہیں تھا میرے پاس۔

میں بہت گناہگار ہوں قاری صاحب۔۔۔بہت گناہگار۔۔۔ہارون سے بھی زیادہ۔۔پھر اللہ مجھے ہدایت کیوں دیتا؟؟؟

اور دو آنسو آہستہ سے اسکے گالوں پر بہہ نکلے۔وہ تصور میں قاری ادریس سے مخاطب تھا جو اسے اس رستے پر چلنے سے روکنے کی بے انتہا کوشش کرتے تھے جس پر چلنے پر اب وہ پچھتا رہا تھا۔

یہاں کیا کر رہے ہو مجاہد؟؟؟عمر اسے ڈھونڈتا ہوا آیا

کچھ نہیں یار بس ایسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

تمہیں آخر ہوا کیا ہے یار؟؟تم اتنے پریشان اور بیزار کیوں رہنے لگے ہو؟کچھ بتاؤ تو۔وہ سب اسکی

فکر کرتے تھے۔

کچھ نہیں یار۔بس یہ زندگی کبھی کبھی ایک بوجھ بننے لگتی ہے۔اور جب زندگی خود ہی بوجھ ہو تو انسان بیزار تو ہو جاتا ہے۔وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا یار؟تم مجھے الجھا رہے ہو۔۔وہ اور الجھ گیا

تو میں تمہیں الجھن سے نکال نہیں سکتا عمر۔۔جو خود الجھنوں کو سلجھا نہیں پا رہا وہ تمہیں کیا نکالے الجھن سے۔تمہارے لیے اچھا یہ ہے کہ میری فکر نا کرو۔

میں سمجھ نہیں پا رہا۔۔وہ اسکی باتیں بلکل نہیں سمجھ پا رہا تھا اور وہ غلط بھی نہیں تھا۔پچھلے ایک ہفتے سے کوئی بھی تو اسکی باتیں نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

تم سمجھو گے بھی نہیں اور کبھی سمجھنے کی کوشش بھی مت کرنا۔یہ التجا ہے میری تم سے اور دعا بھی کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کبھی نا سمجھے ورنہ بلکل میرے جیسے ہو جاؤ گے اور پھر زندگی تمہیں بھی بوجھ بننے لگے گی۔بس میری بات مان لو کہ مجھے میرے حال پر رہنے دو ورنہ پچھتاوے تمہارا بھی مقدر ہونگے۔وہ ایک نقطے کو گھورتے ہوئے بولا

تم پچھتا رہے ہو؟؟؟عمر نے حیرانگی سے پوچھا کیونکہ جہاں تک وہ مجاہد کو جانتا تھا وہ کبھی نہیں پچھتایا تھا۔

ہاں۔۔۔۔جواب بہت مختصر تھا

لیکن کیوں؟؟میرا مطلب ہے کس بات پر اور کس فیصلے پر؟؟؟

کاش کہ میں کسی ایک بات پر اور کسی ایک فیصلے پر پچھتاتا تو تمہیں بتا بھی دیتا لیکن میری زندگی تو پوری کی پوری ہی پچھتاوہ ہے۔ایک ایک لمحے کا پچھتاوہ۔اور میں اب تمہیں ایک ایک لمحے کا تو نہیں بتا سکتا نا یار اور جب گزرا ہوا ہر لمحہ پچھتاوا ہو تو گزرتا ہوا ہر لمحہ اذیت بن جاتا ہے۔۔وہ تلخی سے مسکرایا

تم کبھی بھی ایسا نہیں بولے مجاہد۔۔۔۔عمر کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔بہت الجھ گیا تھا وہ بھی۔۔

یہ بھی ٹھیک کہا تم نے کہ میں کبھی بھی ایسا نہیں بولا۔لیکن ایک بات تو طے ہے کہ اب میں کبھی بھی ویسا نہیں بول پاؤنگا۔۔

لیکن ایسا کیا ہوا ہے یار؟؟؟وہ چیخا

عمر یار کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی زبان بلکل بند ہوتی ہے۔ایک قفل ہوتا ہے جو ہونٹوں کو بند کیے رکھتا ہے۔ہماری لاکھ خواہش کے باوجود بھی ہم اس قفل کو توڑ نہیں پاتے۔اور میں اپنی عمر کی اس

جگہ پر آ کر سمجھ گیا ہوں کہ ہونٹوں کا قفل اور بے بسی کی رسیوں کو توڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے ۔ایسے جیسے آپ ننگے پاؤں خاردار تار پر چل رہے ہوں۔بہت بڑی قربانی مانگتا ہے یہ سب۔اتنی بڑی کہ مجھ میں ہمت نہیں ہے وہ قربانی دینے کی۔۔۔وہ انجان لہجے میں بولا۔ایسا لہجہ جو عمر کیلیے تو بلکل انجانا تھا۔وہ ہونقوں کی طرح اسکی طرف دیکھے جا رہا تھا

میں نے کہا تھا تمہیں عمر کہ تم میرے پاس اپنی الجھن سلجھانے کیلیے بیٹھو گے تو مزید الجھ جاؤ گے لیکن سلجھا نہیں پاؤ گے اپنی الجھن۔۔وہ پھر تلخی سے مسکرایا۔۔

نا میں سمجھ پا رہا ہوں اور نا تم بتا رہے ہو کہ ایسی کیا الجھن ہے تمہیں۔لیکن میں دعا کرونگا کہ تمہاری الجھن جلد سے جلد ختم ہو جائے۔۔۔وہ اٹھتے ہوئے بولا

تو پھر جلد سے جلد میری موت کی دعا کرلو۔۔۔وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے بولا

عمر مزید کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔۔۔

اور عمر کی آمد اور اس سے باتوں کے ساتھ وہ اپنی ماضی سے نکل آیا تھا۔اپنے بچپن سے اب تک کی زندگی کو وہ آج ایک بار پھر بسر کر چکا تھا۔اور اس زندگی میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو اسے خوشی دیتا۔ہر لمحے پر اور زندگی کے ہر فیصلے پر پچھتا رہا تھا وہ۔

کاش مجھے کوئی سچائی بتانا چلتی اور کسی دن میں بھی جنت کی امید اور خواہش میں اپنی موت کو شہادت سمجھ کر گلے لگا لیتا۔۔اس نے تلخی سے سوچا اور پھر ظہر کی نماز کی تیاری کیلیے اٹھ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

مجاہد بیٹا مجھے بہت افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا اگرچہ میرا بہت دل تھا کہ تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر مجبور نا کیا جائے لیکن کچھ بھی کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔بس یوں سمجھ لو کہ جو بندہ خود اتنا مجبور ہو وہ کسی اور کی مجبوری سمجھ تو سکتا ہے لیکن اسے ختم نہیں کر سکتا۔۔وہ بہت افسردہ تھے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے شکیل بھائی۔آپ کا کوئی قصور نہیں ہے اور مجھے آپ سے تو کیا اپنی قسمت سے بھی کوئی گلہ نہیں ہے۔گلہ تو تب ہوتا جب کچھ میری مرضی کے بغیر ہوا ہو۔یہ سب تو میری مرضی سے ہوا میں نے خود منتخب کیا تھا۔مجھے تو روکا گیا،سمجھایا گیا،ڈرایا گیا۔وہ ایک شخص تھا جس نے کیا کچھ نہیں کیا مجھے یہاں آنے سے روکنے کیلیے۔ابا سے کہتا رہا کہ کچھ بھی کرلو لیکن اسے جانے مت دو۔میں اسے پڑھایا کرونگا اور ابا مان گیا تھا لیکن میں نہیں مانا۔اور ایک اماں تھی جس نے میرا نام اس امید پر رحمت رکھا تھا کہ میں اپنے نام کی لاج رکھونگا۔مجھے عالم بنانا چاہتی تھی کہ اللہ میرے ساتھ انہیں بھی بخش دے

گا لیکن مجھے دیکھیں میں وہ بن گیا ہوں کہ جسکے خواب میں آ کر بھی وہ کہتیں ہیں کہ رحمت تو میرا ایسا نہیں ہے ۔آپ یقین کریں شکیل بھائی کہ وہ ڈر گئی ہے ۔وہ ڈر گئی ہے کہ اللہ میرے ساتھ اسے بھی دوزخ میں ڈالے گا جب روزِ حشر اعلان ہوگا کہ جمیلہ بی بی کا ظالم اور قاتل بیٹا رحمت اللہ سامنے آجائے اور وہ اپنے گناہوں کے انبار سمیت آجائے گا اور اسے کوئی معافی ملنے کی بھی کوئی امید نہیں ہوگی تو ماں کا دکھ اور شرم سے کیا حال ہوگا ۔سو وہ دعا کر رہی ہے کہ اللہ مجھے روزِ قیامت اسکے نام سے نا بلائے ۔اب آپ بتائیں شکیل بھائی جسکی ماں بھی اسکے نام سے بھاگ رہی ہو اور ڈر رہی ہو وہ شخص میرے ہی جیسے حالات کا مستحق ہے نا؟؟؟؟

میں نے کس کس کو دکھ نہیں دیا شکیل بھائی ۔اماں نے شادی کروا دی کہ میں اس رستے پر چلنے سے رک جاؤنگا لیکن میں نے کیا کیا؟؟ میں اس معصوم لڑکی کو غازی کی بیوی یا شہید کی بیوہ بنانے کے شوق میں اسے دو مہینے بعد چھوڑ کر چلا گیا ۔وہ بھی روکتی رہی ۔وہ بیمار تھی کہہ رہی تھی رحمت اللہ رک جاؤ لیکن میں نہیں رکا ۔پھر دوبارا گیا تھا تو وہ میرے بیٹے کو جنم دے چکی تھی ۔میں صرف پندرہ دن رکا ۔میرا بیٹا صرف ایک مہینے کا ہو گیا تھا ۔میں نے واپسی کیلیے سامان باندھا تو وہ رونے لگ گئی ۔کہہ رہی تھی کہ اب تو رک جاؤ رحمت ۔اولاد تو بہت بڑے بڑوں کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے تمہاری کیوں نہیں بن رہی ۔اور اماں نے تو مجھے روکنا چھوڑ دیا تھا ۔اور پھر میں آ گیا یہ بتا کر کہ میں تبلیغ کا کام کر رہا ہوں ۔میں دین کی خدمت کر رہا ہوں ۔کسی قیمت پر نہیں رک سکتا اور پھر میں نے دین کی خدمت کے نام پر کیا کیا؟؟ ڈھیر سارے انسانوں کی جانیں لیتا رہا ۔اتنے سارے بچوں کو یتیم کر کے جانے کس جرم کی سزا دی میں نے ۔شکیل بھائی کہتے ہیں کہ اگر کسی کی دعا قبول نا بھی ہو رہی ہو تو ماں کی پھر بھی ہو جاتی ہے تو دیکھ لیں مجھے کتنی ماؤں کی بد دعائیں لگی ہیں جن کی گودیں میں نے اجاڑ دی ہیں ۔میں نے کتنے باپوں سے انکا جوان بازو چھینا ہے جب شہر کے اس بھرے بازار میں میں نے اندھا دھند فائرنگ کی تھی ۔ کتنے بچوں کو یتیم کیا جب افغانستان میں میں نے بس میں بم رکھ کر دھماکہ کیا ۔کتنی سہاگنوں کو میں بیوہ کر چکا ہوں ۔تو وہ بد دعائیں بھی تو لگی ہیں نا مجھے ۔بد دعاؤں کا ایک بہت بھیانک سایہ ہے میرے پیچھے بھائی ۔اس میں آپ کا یا کسی کا کوئی قصور نہیں ہے ۔

مجاہد وہ لوگ تمہیں سب کچھ بتا چکے ہیں ۔تم میں سے جس جس نے جب جب جو جو کیا ہے وہ سب تم لوگوں کو بتا دیا گیا ہے لیکن بس ایک ہی بات ایسی ہے جو تمہیں نہیں بتائی گئی ۔لیکن میں نہیں بتا سکتا تمہیں ۔اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں جس سے ہماری باتیں سنی جا سکتی ہیں ۔اور میں نہیں جانتا کہ تم سے میری ملاقات دوبارہ ہو بھی پائے گی یا نہیں لیکن میں دعا کرونگا کہ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش

رکھے اور اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔

کیا مطلب ہے اس بات کا شکیل بھائی؟؟؟ ہماری ملاقات دوبارہ کیوں نہیں ہوگی؟؟ وہ ٹھٹکا۔

کیوں کہ کل تم لوگ چلے جاؤ گے اور اسکے بعد میں بھی نکل جاؤنگا۔ پھر کچھ دنوں بعد مجھے اپنے بچوں کے پاس جانا ہے وہاں ایک دو مہینے تو لگ جائیں گے اور جب تم واپس آؤ گے تو تم کتنا عرصہ یہاں پناہ میں رہو گے یہ میں نہیں جانتا۔

ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔۔وہ جانے لگا

مجاہد۔۔۔۔انہوں نے آہستہ سے کہا

مجھے معاف کرنا میں چاہتے ہوئے بھی کچھ باتیں تمہیں بتا نہیں سکا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ تمہیں وقت کے ساتھ پتا چل جائیں گی۔کوئی وقت آئے گا جب تمہیں میری خاموشی کا مطلب پتا چل جائے گا۔

ٹھیک ہے شکیل بھائی اگر آپ بتا نہیں سکتے تو میرا خیال ہے کہ ایسی باتوں سے میں پھر مزید پریشان ہو رہا ہوں۔آپ بس دعا کریں کہ میں کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نا ہوں۔مجھے ایسا مقصد دیا گیا ہے جس کو پورا نہیں ہونا چاہئے۔ایسا کوئی معجزہ کر دے اللہ کہ میں کوئی مزید ظلم نا کر پاؤں۔۔

اور اسکے بعد وہ وہاں نہیں رکا۔کل صبح انہیں روانہ ہونا تھا۔

صبح فجر کی نماز کے بعد وہ پانچوں مزید چار افراد جن میں مولوی بلال بھی شامل تھے کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھ کر نکل گئے۔منزل کا ان پانچوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔انہیں بس اتنا بتایا گیا تھا کہ انہیں منزل کی فکر نہیں کرنی منزل پر انہیں پہنچانے کی زمہ داری کسی اور کی ہے۔انہیں بس منزل پر پہنچ کر اپنا فرض نبھانا ہے اور اسکے بعد انہیں بحفاظت وہاں سے نکالنے اور واپس اپنی جگہ پہنچانے کا بندوبست بھی ہو چکا ہے۔

سفر بلکل خاموشی سے طے ہوتا رہا۔کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔کبھی کبھی وہ چاروں آپس میں کوئی بات کر لیتے لیکن مجاہد تو بلکل ہی الگ تھلگ کھڑکی سے سر لگائے سوچوں کی بلند پرواز پر تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں سے واپس جا کر اپنے بیٹے کو بہت پیار کرے گا۔عالیہ سے بھی معافی مانگے گا۔اور اماں؟؟ وہ تو ماں ہے معاف کر ہی دینگی اور کتنی خوش ہوگی وہ جب میں انکے پاس ہی رہنے لگونگا تو۔۔۔۔۔۔

بند آنکھوں کے ساتھ ایک مسکراہٹ اسکے چہرے پر دوڑ گئی۔

اسکا سفر کبھی بند آنکھوں سے تو کبھی کھلی آنکھوں سے طے ہوتا رہا۔اسے باقیوں کی طرح باہر دیکھنے

کی بھی کوئی جستجو نہیں تھی ۔بس کسی طرح یہ کام جلدی سے ہوجائے اوروہ جلدی سے یہاں سے نکل جائے ۔اور یہاں سے نکلنے اور اپنوں کے پاس جانے کا خیال اسکے چہرے کی مسکراہٹ کا سبب تھا۔

اس ٹھنڈے موسم میں سورج آسمان کی بلندیوں پر اپنی کوشش سے زمین والوں کیلیے ٹھنڈ کوختم کرنے کی سعی کر رہا تھا لیکن کچھ زیادہ کامیاب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔کیوں کہ آسمان پر تھوڑے تھوڑے بادل تھے جن میں سے سورج کو کبھی کبھار ہی اپنی کرنیں بکھیرنے کا موقع مل رہا تھا اور مجاہد کھڑکی کی پٹ سے سر لگائے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا۔اس نے کچھ جانے بغیر اس کام کی ہامی بھری تھی صرف اس لیے کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھ جڑے دس لوگوں کی قربانی نہیں دے سکتا تھا۔۔

انسان کتنا خودغرض ہے ۔اپنے پیاروں میں سے کسی ایک کی بھی قربانی نہیں دے سکتا اور کسی اور کے بہت ساروں کا درد بھی محسوس نہیں کرسکتا ۔اور پھر جب بات اپنے اور کسی اور کے پیاروں میں انتخاب کی آتی ہے تو پھر تو خودغرضی کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے ۔یہی انسان کی حقیقت ہے ۔۔۔اس نے اپنا احتساب کیا۔ضمیر کی عدالت اسکی بھی تھی لیکن جانے آج تک کسی جج کی آمد کیوں نہیں ہوئی تھی اس میں۔

اب جب میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تو مجھے کوئی کرنے نہیں دے رہا۔میں تو اب بھی انکار کرنا چاہتا ہوں لیکن یہاں میں انکار کرونگا وہاں میرے گھر کو بارود سے اڑا دیا جائے گا۔اور پھر میں ہی خودغرض تو نہیں ہوں ۔ہر بندہ ہی خودغرض ہے ۔شکیل بھائی بھی تو ایسے ہی کر رہے ہیں ۔میں تو پھر بھی نکل جاؤنگا وہ تو نکل بھی نہیں سکتے ۔اسکے بعد میں سہی معنوں میں دین سکھاؤنگا لوگوں کو۔لوگوں کے بچوں کو اچھی تعلیم دیا کرونگا اور مولوی شہاب جیسے مولویوں کو تو اگر جان سے مارنا پڑا تو بھی دریغ نہیں کرونگا کہ ان جیسوں کا مارنا ہی بہتر ہے ۔اس نے خود ہی خود کو صفائی دی۔گاڑی کے چلتے چلتے جانے کب اسکی آنکھ لگ گئی۔

نیند میں وہ مولانا صاحب کے اسی کمرے کے باہر کھڑا تھا اور ابھی اس ساری صورتحال پر سخت حیران ہو رہا تھا جو اس نے کمرے کے اندر دیکھی تھی ۔۔اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ۔وہ لوگ جانے کون تھے لیکن پیسے یہاں چھوڑ کر خوش ہوکر چلے گئے تھے۔۔

قاری صاحب نے پیسے لے لیے؟؟؟وہ ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ ابھی تک سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آکر اسے جکڑ لیا۔وہ اپنے آپ کو چھڑاتا رہا لیکن دو بندوں کی گرفت زیادہ مضبوط تھی ۔اسے کمرے کے اندر لایا گیا۔

کیا ہوا مجاہد؟؟تم یہاں کیا کرر ہے تھے؟؟؟مولانا صاحب نے پوچھا
مولانا صاحب یہ آپ کیا کرر ہے ہیں؟آپ نے پیسے لیے ہیں؟اور معاہدہ کرلیا دھماکہ کرنے کا؟؟؟
وہ آنکھیں پھاڑے انکی طرف دیکھتا رہا۔
ایسی کوئی بات نہیں ہے مجاہد۔۔۔تمھیں غلط فہمی ہورہی ہے۔۔
مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور خود سنا ہے۔۔اور یہ جو بھی آپکے سامنے پیسے پڑے ہیں یہ وہی تو ہیں۔۔اس نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔
میں جانتا تھا کہ تم دیکھ رہے ہو اور مجھے ان لڑکوں نے بتایا تھا اس وقت جب تم آدھی چیزیں دیکھ چکے تھے۔پھر ا تو میں نے پردہ بند کروایا اور ساتھ ہی اس وقت تمھیں پکڑوایا کیوں کہ آدھی چیزیں جان کر تم جانے کیا سوچتے اور سمجھنے لگتے۔سو میں سمجھاتا ہوں اب تمھیں۔۔
مجھے کچھ مت سمجھائیں مولانا صاحب۔۔سب سمجھ گیا ہوں میں۔میں سوچتا تھا کہ یہاں اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے اور اتنا اسلحہ بھی لیکن اب پتا چلا کہ کہاں سے آتا ہے۔کتنے پیسے لیے تھے ہمیں افغانستان میں ایک سال جہاد لڑوانے کیا اور کتنے پیسے لیے آپ نے شہر کے ان دو دھماکوں کے جو میں نے کروائے۔۔۔۔وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔
مولانا صاحب کے چہرے کا رنگ سرخ ہوگا۔۔
ایسا کچھ نہیں ہے مجاہد۔۔میں سمجھاتا۔۔۔۔۔
سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔۔اسنے انکی بات کاٹی۔۔میں سب کو بتاؤنگا کہ آپ کیا کرر ہے ہیں اور کتنے پیسے لیتے ہیں ہم سے دھماکے اور قتل کروانے پر۔۔۔
تم ایسا کچھ نہیں کرو گے مجاہد۔۔وہ تیز آواز میں اسے ڈانٹتے ہوئے بولے۔۔
میں ایسا ضرور کرونگا۔۔اور وہ واپس جانے کیلیے مڑا۔لیکن اس سے پہلے کے وہ دروازے سے نکلتا چار مضبوط ہاتھوں نے اسے ایک بار پھر جکڑ لیا۔
میں کہہ رہا ہوں تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔مولانا صاحب آج پہلی بار غصے میں بولے۔
میں ضرور کرونگا۔اور میں آج سے آپ کے ہر کام اور ہر حکم سے انکار کرتا ہوں۔۔۔
اور پھر اسے وہاں نہیں رہنے دیا گیا۔اسکی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور اسے اٹھالیا گیا باوجود اسکی مزاحمت کے۔اور جب اسے آزادی ملی اور اسنے اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔وہ کافی دیر تک اندھیرے میں آنکھیں جھپکاتا رہا لیکن اندھیرا اتنا گھپ تھا کہ وہ ناکام رہا۔
یہ واقعہ آدھی رات کو ہوا تھا اور اب اس گھپ اندھیرے میں اتنی دیر گزر گئی تھی کہ اسے یقین تھا کہ

باہر دن کی روشنی پھیل گئی ہوگی ۔لیکن وہ جہاں تھا وہاں ابھی تک ویسا ہی اندھیرا تھا۔اسنے اپنی ٹانگ پر کسی چیز کا رینگنا محسوس کیا اوجلدی سے اسے ہاتھ سے ہٹا دیا ۔۔

کافی دیر گزری اوراب اسے بھوک اور پیاس بھی محسوس ہوئی لیکن اسکے اندر انگارے بھر گئے تھے۔اگر مولانا صاحب غلط نہیں تھےتو اسکے ساتھ ایسا سلوک کیوں ۔۔اسنے تلخی سے سوچا

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص ٹارچ ہاتھ میں لیے اندر آیا ۔اس ٹارچ کی روشنی میں اسنے کمرے میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو اندھیرے سے ادھر ادھر بھاگتے دیکھا ۔

کہو جوان کیا حال ہے؟؟ آنے والے نے روشنی اسکی آنکھوں میں پھینکی۔

مجھے یہاں کیوں بند کیا ہے؟؟؟

ایک تو یہ کہ تم کسی کو بتاؤ گے نہیں اوردوسرا یہ کہ تم اگلے مشن پر جاؤ گے ۔۔۔۔۔اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ایسے کہا جیسے یہ سب کرنا اسکے لیے معمول ہو ۔۔

میں یہ دونوں باتیں نہیں مانونگا ۔۔۔وہ ایک بار پھر غصہ ہوا

توٹھیک ہے ۔میں چلتا ہوں ۔۔اور وہ اٹھ کر چلا گیا اور اسے دوبارہ کمرے میں بند کر گیا۔

اسے بھوک بھی لگ رہی تھی ۔وہ اٹھا اور اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا دروازے کے پاس آ کر اسے خوب بجایا لیکن کوئی نہیں آیا ۔اسنے آوازیں بھی دی لیکن کچھ نہیں ہوا ۔۔وہ دوبارہ وہی بیٹھ گیا ۔

کبھی وہ جاگ جاتا اور کبھی بھوک کے ساتھ ہی اسکی آنکھ لگ جاتی لیکن اسکے جسم پر رینگنے والے کیڑوں سے وہ جاگ جاتا ۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ قبر میں ہے ۔وہاں بلکل قبر جیسا اندھیرا تھا ۔اور کیڑے بھی شاید قبر جیسے ہی تھے۔

اسی طرح بہت وقت گزرا اور اسکا اندازہ تھا کہ دوسرا دن بھی نکل آیا ہوگا تو اسنے وہی بیٹھے بیٹھے نماز کی نیت باندھی اور نماز پڑھ کر اللہ سے جانے کتنی دیر باتیں کرتا رہا۔

اور پھر کافی دیر بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ٹارچ والا بندہ پھر اندر آیا ۔۔

مجھے کھانے کو کچھ لا کے دو اور پانی بھی ۔۔۔اس نے جلدی سے کہا۔

جو دو باتیں میں نے کل بتائیں تھیں ان پر غور کرنے پر کس نتیجے پر پہنچے؟؟؟ وہ روشنی اسکی آنکھوں میں مارتے ہوئے بولا ۔

مجھے کھانا لا کے دو ۔۔

کھانا تو تب ملے گا جب شرائط مانو گے ۔۔۔۔

کیا؟؟؟؟؟ وہ بہت حیران ہوا

یہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ جب تم ضد چھوڑ دو تو تمہیں کھانا دیا جائے گا۔۔

میں یہاں مر جاؤنگا لیکن انکا ایک کام بھی نہیں کرونگا ۔۔وہ غصے میں بولا ۔۔

ٹھیک ہے ۔۔اور وہ چلا گیا ۔بھوک اور پیاس ایک بار پھر اس پر حملہ آور ہوئے ۔ پیاس سے اسکے حلق میں کانٹے اگ رہے تھے۔

وہ بغیر کسی حرکت کے وہیں زمین پر پڑا رہا۔اب اس نے جسم سے کیڑوں کو ہٹانا چھوڑ دیا تھا ۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ بھوک اور پیاس سے اسی کمرے میں مر جائے گا۔۔۔

تیسرے دن وہ شخص آیا تو وہ زمین پر اوندھا پڑا تھا ۔وہ واپس گیا اور پانی لایا ۔۔پانی اسکے چہرے پر ڈالا تو وہ اپنے حواسوں میں آیا ۔لیکن وہ نڈھال تھا۔اس شخص نے اسے تھوڑا سا پانی پلایا ۔۔۔

تمہیں مرنے بھی نہیں دیا جائے گا۔اگر سوچ رہے ہو کہ مر جاؤ گے تو موت اتنی آسان نہیں ہے ۔۔۔وہ اس شخص کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا ۔لیکن کچھ بھی بولنے کی ہمت نہیں تھی ۔

مر جاؤنگا لیکن نہیں مانونگا تمہاری بات ۔۔اس نے سوچا ۔

مان جاؤ انکی باتیں ۔۔۔اس شخص نے مشورہ دیا ۔وہ صرف نفی میں سر ہلا سکا ۔لیکن اس میں اب شدت نہیں رہی تھی ۔

وہ شخص اٹھ کر جانے لگا ۔دفعتاً کاونٹر رچ کی روشنی کمرے میں ادھر ادھر ڈالنے لگا ۔۔

بہت کیڑے ہیں یہاں جوان ۔اور کچھ ڈسنے والے کیڑے بھی پائے جاتے ہیں یہاں ۔کمرے کے کونے میں کیڑوں کو روشنی سے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دیکھ کر وہ شخص بولا ۔

وہ زمین پر پڑا بے بس نظروں سے اسکی طرف دیکھتا رہا۔

تمہیں ڈس بھی سکتے ہیں جوان ۔خیال رکھنا ۔وہ جانے کیلیے مڑا۔

جب تک میں انہیں کچھ نہیں کہتا کیڑے مجھے بے وجہ نہیں کاٹیں گے ۔۔بے وجہ تو بس انسان ڈستے ہیں اور انسانوں کا ڈسا تو پانی تک نہیں مانگ پاتا ۔۔مجاہد ایسے بولا جیسے آواز پاتال میں سے آئی ہو۔

اور اس شخص نے اسکی طرف مڑ کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی ۔بہت گہری بات کر گیا تھا وہ ۔وہ شخص بغیر کچھ کہے وہاں سے نکل گیا۔

بھوک اور پیاس انسان کو کتنا بے بس کر دیتی ہے ۔اسنے سوچا تھا کہ مر جاؤنگا لیکن وہ باتیں نہیں مانونگا ۔تب وہ نہیں جانتا تھا کہ مر جائے تو اچھا ہوگا لیکن اگر مر بھی نا پائے تو کیا کرے گا ۔اور وہ بالکل اسی حالت میں تھا ۔مر بھی نہیں پا رہا تھا ۔مرنا اور جینا پھر بھی آسان ہوتا ہے ۔مشکل ترین تو وہ ہوتا ہے جب آپ موت اور زندگی کے بیچ اٹک جائیں ۔مرنا چاہیں تو مر نا پائیں اور جینا چاہیں تو جی نا پائیں ۔۔

اور اس سے اگلے دن جب وہ شخص آیا تو اس نے روٹی کے عوض اسکی بات مان لی ۔ ہاں صرف روٹی کے عوض ۔ ۔

روٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسنے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول لیں ۔ اسے خواب بہت ڈرانے لگے تھے آج کل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بادل اور سورج کی اسی آنکھ مچولی میں دوپہر سے تھوڑا پہلے وہ شہر پہنچ گئے ۔ پچھلے اتنے عرصے سے وہاں مدرسے میں رہتے ہوئے اور پھر افغانستان کی پہاڑیوں میں کافی عرصہ گزارنے کے بعد انکے لیے انسانوں کا یہ بے ہنگم ہجوم کافی انجان تھا ۔ وہ کافی دلچسپی سے باہر کا نظارہ کرتے رہے اور تھوڑی دیر بعد انکی گاڑی مختلف موڑ مڑنے کے بعد ایک گھر کے سامنے رک گئی ۔ آگے بیٹھا ہوا شخص اتر گیا اور انہیں بھی اترنے کا اشارہ کیا ۔

ایک ایک کر کے وہ پانچوں بھی نکل آئے اور اس شخص کے اور مولوی بلال کے پیچھے چلتے ہوئے اس گھر کے اندر داخل ہوئے ۔ انہیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا اور تھوڑی دیر بعد انہوں نے ساتھ والے غسل خانے میں وضو کر کے آٹھ بندوں کی جماعت بنا کر نماز پڑھی ۔ نماز کے بعد کھانے کیلیے دسترخوان بچھایا گیا ۔ ایک تو انہیں بھوک بھی بہت لگی تھی اور دوسرا یہ کہ کھانے میں بھی کافی اہتمام کیا گیا تھا اسلیے سب نے کافی پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کیلیے لیٹ گئے ۔

انہیں آئے ہوئے آج تیسرا دن تھا اور اتنے دنوں سے وہ اس کمرے سے باہر ہی نہیں نکلے تھے ۔ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ باہر کوئی بھی انہیں دیکھ لے ۔ یہ کس کا گھر تھا؟ انہیں بنا بنایا کھانا کون دیتا تھا یہ وہ نہیں جانتے تھے ۔ بس انہیں صرف اتنا کام دیا گیا تھا کہ ان سب کو پہلے دن ہی ایک ایک نقشہ دیا گیا تھا جس میں سب کی الگ الگ جگہ مختص کی گئی تھی ۔ پانچ وہ دوست تھے اور ساتھ میں ایک جعفر تھا ۔ انکو تین دنوں سے بس ایک ہی کام دیا گا تھا کہ انہیں اس نقشے کو یاد کرنا تھا اور اسکے مطابق اپنا کردار نبھانا تھا اور پچھلے تین دنوں سے وہ یہ کام کر رہے تھے ۔ آج اس کام کا آخری دن تھا ۔ کل انہیں کوئی اور کام کرنا تھا اور پرسوں کا دن اس سارے منصوبے کا آخری دن تھا یعنی کہ انہیں منصوبے کو عملی جامہ پہنانا تھا ۔

ان تین دنوں میں وہ بہت کم سویا تھا ۔ وہ لیٹ جاتا تھا لیکن پھر ایک انجان ڈر کی وجہ سے اُٹھ جاتا تھا ۔ اس ڈر کی وجہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا ۔ اس سے پہلے بھی وہ بار ہا ایسے کام کر چکا تھا ۔ اسے حکم دیا گیا شہر میں دھماکہ کرنے کا ۔ اس نے بہادری دکھائی ۔ بازار میں فائرنگ کا حکم ملا تو وجہ پوچھے بغیر حکم بجا

لایا۔ افغانستان کی پہاڑیوں میں غاروں اور سرنگوں کے بیچ میں زندگی اور موت کے بیچ لڑتے ہوئے وہ نہیں ڈرتا تھا اور اصل میں وہ اپنی تنظیم کے بڑوں کو پسند ہی اپنی دلیری پر تھا کہ جب وہ گولی چلاتا تھا تو سامنے سے آنے والی گولی سے ڈرتا نہیں تھا۔

زندگی تو موت کی امانت ہے۔ جب چاہے آ کر لے لے اپنی امانت ۔ اس میں ڈرنا کیا؟؟ اسے اپنی بات یاد آئی جب کسی نے اس کی دلیری کی تعریف کی تھی اور جواب میں ہنستے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

مجاہد موت سے کیسے ڈر سکتا ہے مولانا صاحب؟؟ اور آپ نے ہی تو میرا نام مجاہد رکھا ہے ۔ اور ایک بار جب مولانا صاحب نے اسکی تعریف کی تھی تو اس نے جواب یہی دیا تھا۔

اور آج وہ ڈر رہا تھا۔ مجاہد اللہ ڈر رہا تھا آج۔ موت سے نہیں بلکہ نیند تک سے ڈر رہا تھا ۔ اتنا ڈر رہا تھا کہ بستر پر لیٹے ہوئے آنکھیں بند کرنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں ایک بار پھر ڈراؤنے خواب کے ساتھ نا جاگ جائے۔۔۔۔

یہ زندگی بھی کیسی عجیب چیز ہے ۔ کیسے ایکدم سے حالات پلٹا کھا جاتے ہیں پتا ہی نہیں چلتا۔ اور اسکی زندگی اور حالات دونوں ہی نے تو پلٹا کھایا تھا۔

ابا۔۔۔۔۔ مجھے بچا لو۔۔۔۔ ابا۔۔۔۔۔۔۔

اس نے دیکھا تو عبداللہ اسی ویران میدان میں بھاگ رہا تھا۔ اسکے پیچھے ایک شخص تھا جسکے ہاتھ میں ایک لمبی چھری تھی اور وہ عبداللہ کے پیچھے ہی بھاگ رہا تھا۔ رحمت اپنے بیٹے کو بچانے کیلئے اس طرف دوڑا لیکن اسکا ان دونوں سے فاصلہ بہت زیادہ تھا بہ نسبت ان دونوں کے بیچ کے فاصلے کے۔ وہ انتہائی تیزی سے اپنے بیٹے کو بچانے کیلیے دوڑا۔ وہ شخص بہت خوفناک لگ رہا تھا اور جس انداز میں وہ چھری اٹھائے عبداللہ کے پیچھے بھاگ رہا تھا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔

ابا۔۔۔۔ ابا۔۔۔۔ مجھے بچا لو۔۔۔

عبداللہ دوبارہ چیخا۔ وہ اپنی قوت سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بھاگ رہا تھا۔ رحمت گولی کی رفتار سے بھاگ کر پہنچا لیکن جیسے ہی اس نے چھلانگ لگا کر اس شخص کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی اسکا ہاتھ اُٹھا اور چھرا اپنے دستے تک عبداللہ کی پیٹھ میں گھس گیا۔

ابا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے ایک آخری چیخ لگائی

عبداللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ اُٹھ گیا۔سراسیمگی کی حالت میں اس نے اپنے اردگرد دیکھا لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔سب سو رہے تھے۔اسکی پیشانی اس سردی میں بھی پسینے کی بوندیں برسا رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد اسکی حالت کچھ بہتر ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ تو خواب تھا۔لیکن جو بھی تھا بھا تو بہت ڈراؤنا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میں نہیں کرونگا یہ کام ابھی اور اسی وقت بھاگ جاؤنگا یہاں سے۔ایک لمحے کو اس نے سوچا۔

کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ تمہارے علاوہ گیارہ افراد کی زندگی بھی تمہارے ساتھ جڑی ہے۔مولانا صاحب کی آواز آئی

لیکن میں جان بوجھ کر بے گناہوں کی جان نہیں لونگا۔اور مزاحمت پھر جاگ گئی۔

کتنوں کی پہلے ہی لے چکے ہو رحمت اللہ۔۔اب نہیں لوگے تو کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔تم نہیں لوگے تو یہ باقی سب لے لینگے لیکن اسکے ساتھ ان گیارہ افراد کی بھی جو تمہارا راستہ تک رہے ہیں۔۔۔یہ آواز اسکے اندر کی تھی۔

اللہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔

وہ تو اب بھی نہیں کرے گا۔۔۔پھر اندر سے کوئی بولا

لیکن آج تک میں نے انجانے میں سب کیا۔دھوکے میں آ گیا تھا میں۔۔

نہیں رحمت دھوکہ تمہیں دیا نہیں گیا بلکہ تم نے خود کھایا۔آنکھ بند کر کے کھایا۔اسمیں قصور کسی اور کا نہیں تمہارا اپنا ہے۔آواز اب بھی اسکی اپنی ہی تھی

لیکن اب میں نہیں لے سکتا کسی کی جان۔رات کے اس پہر اسکی ذہنی کشمکش عروج پر تھی۔

تو پھر اپنے بیٹے کی لے لو۔اس بار آواز مولانا صاحب کی تھی۔

اور اسکی مزاحمت بیٹھ گئی۔یہی ایک ہی تو کاری وار تھا جس سے مولانا صاحب بہت سوں کو مجبور کر رہے تھے اور کر چکے تھے۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو چونکہ رحمت کی کچھ ذاتی مجبوریاں ہیں تو اسے ہماری طرف سے اجازت ہوگی کہ وہ اپنے گھر ہمیشہ کیلیے لوٹ جائے۔لیکن اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ دل لگا کر اس منصوبے کو کامیاب بنائے۔

اسے یاد آیا جب اس دن مولانا صاحب نے جمعے کی باجماعت نماز کے بعد اعلان کیا تھا۔چونکہ انکے درمیان یہ طے پایا تھا کہ مولانا صاحب سب کے سامنے اس بات کا اقرار کرینگے تا کہ بعد میں مکرنے کی صورت میں انہیں اپنے شاگردوں کے باغی ہونے کا ڈر لگا رہے۔سو انہوں نے وہی کیا تھا۔

اور پھر دل اور دماغ کی جنگ میں پتا نہیں جیت کس کی ہوئی لیکن فیصلہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کام سے

پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔وہ کسی صورت اپنے عبداللہ کی قربانی نہیں دے سکتا تھا۔اور پھر بات صرف عبداللہ کی بھی نہیں تھی۔اماں ،ابا،عالیہ اورباقی سارے ۔کیسے میں ان سب کی موت کا باعث بن سکتا ہوں ۔اور پھر اس کام کے بعد میں سب چھوڑ کر چلا جاؤ نگا۔۔۔

اس نے زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

احسان مجھے کل زاہدہ کے پاس جانا ہے۔

کیوں خیر یت ہے؟؟؟

ہاں خیر یت ہے لیکن وہ دو تین دن پہلے کہہ رہی تھی کہ وہ تھوڑی سی بیمار ہوگئی تھی تو اسلیے ملنے جانا چاہتی ہو۔۔

توٹھیک ہے چلی جاؤنا۔میں نے پہلے تمہیں کب روکا ہے جواب روکونگا۔۔وہ خوش باشی سے بولا۔

زاہدہ اسکی چھوٹی بہن تھیں جو اسی شہر میں لیکن اس سے کافی دور رہتی تھی اسلیے وہ ایک دوسرے کے گھر بہت زیادہ نہیں جاتی تھیں لیکن اب جب اس نے ایک دودن پہلے بتا بھی دیا تھا کہ اسکو دوتین دن بخار رہا ہے تو بہن ہونے کے ناطے اس سے رہانہیں جارہا تھااور دوسری بات یہ کہ پچھلے ایک دودنوں سے اسکا اپنا دل بہت تنگ ہورہا تھا اور اسے کچھ نامعلوم قسم کی گھبراہٹ ہورہی تھی۔۔

لیکن کیسے جاؤں گی میں؟؟؟پہلے توآپ لے کر جاتے تھے۔۔۔وہ توے پر روٹی ڈالتے ہوئے بولی۔۔

اب تمہارا بیٹا جوان ہوگیا ہے اسے ساتھ لے کر چلی جاؤ۔۔

اورنعمان اورثنا لو؟؟؟اسکا ایک اور مسئلہ ابھرا۔۔

وہ دونوں مدرسے جائینگے اور پھر ٹیوشن پر توانکی واپسی تک میں کوشش کرکے آجاؤنگا۔انہوں نے مسئلے کا حل چٹکی میں نکال لیاتھا۔

ابا میں بھی جاؤنگا۔۔۔نعمان بولا

میں بھی جاؤنگی۔۔۔چھوٹی ثنا لو چیخی

تم دونوں ٹیوشن پڑھنے نہیں جاؤ گے کیا؟اور سبق پڑھنے؟؟فیصل نے ان دونوں کوڈانٹا

امی میں کل سکول سے آجاؤنگا تو چلے جائیں گے۔وہ کولر سے جگ میں پانی بھرتے ہوئے بولا۔

نومی یہ رکھ آؤجاکر۔شاہدہ نے روٹی کی چنگیر اسے دیتے ہوئے کہا

نہیں لے کر جاؤنگا۔نعمان غصے میں بولا

کیوں؟؟؟؟؟احسان کو حیرانگی ہوئی ۔۔

امی مجھے دے دیں میں رکھ آتا ہوں۔۔فیصل انکے ہاتھ سے چنگیر لیتے ہوئے بولا

نعمان ابھی بھی غصے میں تھا۔وہ اپنی ماں کے ساتھ شہروز کے گھر جانا چاہتا تھا۔وہ اسکا دوست بھی تھا لیکن کوئی اسے بھیجنے پر تیار نہیں تھا کیونکہ سکول میں نعمان اور ثنا کی حالت دیکھتے ہوئے احسان نے ان دونوں کو ٹیوشن سنٹر میں داخل کروا دیا تھا۔فیصل کوشش کرتا تھا کہ وہ دونوں اسکے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں اور کچھ تھوڑا بہت اس سے بھی سیکھیں لیکن وہ دونوں ہی اسکے قابو میں نہیں آتے تھے۔وہ بیٹھتے تک نہیں تھے تو پڑھنا تو دور کی بات ۔سو احسان کو مجبوراً ان دونوں کو سنٹر میں داخل کروانا پڑا۔حالانکہ ایک ٹیکسی میں اسکے لیے ٹیوشن سنٹر کا خرچہ ایک اضافی بوجھ ثابت ہو رہا تھا لیکن مجبور تھا۔نعمان تو بمشکل پاس ہوا تھا اور ثنا کو پھر تھوڑے گزارے لائق تھی۔اور رہا فیصل تو وہ تو پڑھائی میں اتنا اچھا تھا کہ اسے کبھی ٹیوشن رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔وہ اپنے شوق سے پڑھتا تھا اور چھوٹے دونوں مجبوری میں پڑھتے تھے۔

فیصل کل سکول سے چھٹی کرلو تو ہم صبح چلے جائیں گے اور رات کی واپسی تک واپس بھی آجائیں گے ۔شاہدہ کا دل نہیں کر رہا تھا انہیں اکیلا چھوڑنے کو چاہے وہ کچھ لمحے ہی کیوں نا ہو۔اسکا دل پتا نہیں کیوں ڈر رہا تھا۔

امی میں رک جاتا لیکن کل ہمارا ٹیسٹ ہے۔۔وہ سالن میں چمچ ہلاتے ہوئے بولا۔

بڑی بیٹی کی غیر موجودگی کے باوجود شاہدہ کو کبھی اپنے کام کے لیے بیٹی کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ فیصل بیک وقت اسکے لیے بیٹا بھی تھا اور بیٹی بھی اور ساتھ میں اسکا دوست بھی تھا۔ضرورت پڑنے پر وہ اپنی ماں کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر لگا بھی لیا کرتا تھا اور گھر کا سودا سلف لانا تو کب سے اسکی ہی زمہ داری ٹھہر گئی تھی۔۔

احسان پتا نہیں کتنے دنوں سے میرا دل کچھ عجیب انداز میں گھبرا رہا ہے۔مجھے خود بھی بلکل سمجھ نہیں آتی ،ایک لمحے میں ایسے جیسے ڈوبنے لگتا ہے اور چند ہی لمحوں میں بلکل ٹھیک ہوتا ہے۔۔شاہدہ اپنی کیفیت سنا رہی تھی جو اسکے ساتھ پچھلے کچھ دنوں سے ہو رہا تھا

امی آپ گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا گئی ہیں۔دیکھنا کل خالہ سے مل کر آئیں گے تو آپ بلکل ہشاش بشاش ہو جائیں گی۔۔فیصل نے ہنستے ہوئے جواب دیا

ایسا کچھ بھی نہیں ہے تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو ،پہلے ایسی کیفیت کبھی نہیں ہوئی میری۔۔وہ اپنی بات پر تھی

وہ اس لیے امی کہ پہلے کبھی آپ ایک مہینہ دور بھی تو نہیں رہیں نا خالہ اور ماموں لوگوں سے۔۔۔وہ

اب بھی ہنس رہا تھا اور ساتھ میں احسان بھی اسکے ساتھ شامل ہو گیا۔۔

ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔۔۔

ہاں بس آپ باپ بیٹا اڑاؤ میرا مذاق تم لوگوں سے تو بات کرنی ہی نہیں چاہیے۔۔وہ ماتھے پر بل لاتے ہوئے بولی۔۔

تو تمہارے دل کو کیا کریں ہم؟؟؟اسکو نکال کر سمجھا دیں کہ بھائی خوش رہا کرو اور زیادہ فضول حرکتیں مت کرو ورنہ مار پڑے گی ایسے۔۔قہقہہ لگاتے ہوئے احسان نے باقاعدہ ہاتھ سے مارنے کا اشارہ کیا۔۔

شاہدہ چپ ہو گئی۔وہ باپ بیٹا ہر بات میں ہی ہنسی کا کوئی نا کوئی پہلو نکال ہی لیتے تھے اور اسکی پریشانی کو کوئی نہیں سمجھے گا۔۔وہ جتنا اپنی ماں سے محبت کرتا تھا اتنی ہی اپنے باپ سے بھی۔اگر وہ ماں کے ساتھ سالن میں چمچ ہلاتا تھا اور پیار ٹماٹر کاٹتا تھا تو اپنے باپ کے چٹکلوں پر بھی خوب دل کھول کر ہنستا تھا۔اگر کبھی اپنی ماں کیلیے جھاڑو لگاتا تھا تو اکثر باپ کے ساتھ گاڑی بھی دھوتا تھا۔اور اسکے علاوہ وہ خود سے سات سال چھوٹے نعمان اور شاکلہ سے بھی بہت محبت کرتا تھا۔کبھی کبھی تو نعمان کا ہوم ورک بھی کر دیا کرتا تھا جب اس نے نہیں کیا ہوتا تھا اور استاد سے ڈر رہا ہوتا تھا تو۔۔

وہ تینوں ہی احسان اور شاہدہ کی چھوٹی سی دنیا تھے اور وہ اپنی چھوٹی دنیا میں بہت خوش تھے۔۔۔۔

تم سب کو یاد ہے نا اپنا اپنا کام؟؟؟؟انہوں نے سوال کیا

جی یاد ہے۔۔

شاباش میرے بچے! تم لوگ وہ کام کرنے جا رہے ہو جو اللہ کا پسندیدہ کام ہے جو اسکے رسول ﷺ نے سرانجام دیا ہے اور جسکو کرنے کی شدید خواہش ہر صحابی کے دل میں تھی۔مولوی بلال سامنے چٹائی پر بیٹھے تھے۔

اسکے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ایسی مسکراہٹ جسکی کوئی وجہ نہیں تھی۔

اور رسول اور صحابہ نے کب کسی بے گناہ کو مارا ہے؟؟انہوں نے تو دوران جنگ بھی اعلان کر دیا کہ کوئی کسی بے گناہ،کسی بچے،کسی بوڑھے اور کسی خاتون کی جان نا لے اور ہم کل ایسے ہی سب کی جان لینے جا رہے ہیں۔یہ کیسے اللہ کا پسندیدہ کام ہے؟؟؟؟

وہاں موجود سب کے اچانک بدلتے تاثرات سے صاف پتا چل رہا تھا کہ کوئی بھی اس سے ایسی بات کی امید نہیں کر رہا تھا نیز کسی کو اسکی بات پسند بھی نہیں آئی تھی۔

یہ کیسی باتیں کرر ہے ہو بچے؟؟؟؟ ہم ایسا کچھ نہیں کرر ہے جو غلط ہو۔ہم پر حملے کر کے ہمارے بچوں کو مارا جاتا ہے،گھروں کے اندر کام کرتی ہماری خواتین پر بمباری کردی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ وہاں دہشتگرد تھے۔ہمارے مدرسوں پر ایسے بم پھینک دیئے جاتے ہیں کہ وہاں پڑھنے والے معصوموں کو ایک کے بعد دوسری سانس نہیں آتی اورتم کہہ رہے ہو کہ ہم ظلم کرر ہے ہیں۔ایسا نہیں ہے بچے۔اگر ہمارے بچوں کی لاشیں ہم اٹھار ہے ہیں تو ہمارا حق بنتا ہے کہ انکے ہاتھوں میں بھی انکے بچوں کی لاشیں تھما دیں،اگر انہیں ہماری چاردیواری کی عزت کا خیال نہیں تو ہم پر بھی انکی خواتین کی عزت فرض نہیں اور یہ سب ہم اس لیے نہیں کرر ہے کہ ہمیں کوئی ذاتی فائدہ ہے بلکہ اس سے یہ ہوگا کہ جب انہیں انکے کیے کا ویسا ہی جواب ملے گا تو وہ آئندہ احتیاط کرینگے۔ہم صرف اپنا بدلہ لے رہے ہیں۔ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور ٹانگ کے بدلے ٹانگ کا تصور تو ہمارا مذہب ہمیں دیتا ہے۔پھر ہم چپ رہ کر ان ظالموں کو اور شہہ کیوں دیں کہ کل کو وہ پھر ہمارے ساتھ وہی سب کریں۔

انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر سب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

سب کی نظروں میں انکی بات کی تائید عیاں تھی۔کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ رحمت اللہ نے وہ بات کیوں کی تھی۔

وہ خاموش ہوگیا۔جتنی بات وہ کرسکتا تھا اس نے کی تھی اوراس سے آگے اسکی پرواز نہیں تھی۔وہ کچھ کہتا بھی تو کوئی اسکی کسی بات کا یقین نا کرتا اور کرتا بھی تو کیوں؟کل تک وہ خود بھی اس سب کو بلکل بجا سمجھ رہا تھا اورآج کچھ دنوں میں ہی جبکہ اسکی کایا پلٹ گئی تو وہ خلاف ہوگیا۔

وہ سارا دن وہ لوگ مختلف حوالوں سے منصوبے کا جائزہ لیتے رہے اوربار بار ان سب سے اپنے اپنے کام کے حوالے سے پوچھتے رہے۔ہر نماز کے بعد وہ اللہ سے معافی مانگتا رہا۔معافی قبول ہوئی یا نہیں یہ تو وہ نہیں جانتا تھا لیکن ہر بار جائے نماز پر چند آنسو بہا دینے کے بعد اسکا دل کچھ ہلکا ضرور ہوجاتا۔

یہ آنسو بھی کیا چیز ہوتے ہیں۔کہنے کو تو بے رنگ نمکین پانی کے قطرے ہوتے ہیں لیکن انکی طاقت کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو پھوٹ پھوٹ کررونا چاہتا ہو اورایسا کوئی گوشہ اسے میسر نا ہو یا پھر اسے ان چند قطروں کے گرانے کی اجازت نا ہو۔

وہ عشاء کی نماز کیلیے مصلے پر بیٹھا ہوا یہی سوچ رہا تھا۔پتا نہیں کیوں دل تھا کہ پھوٹ پھوٹ کررونے کو کرر ہا تھا اورحالات تھے کہ اسکی اجازت بلکل نہیں دے رہے تھے سو صبح سے ایک غبار تھا جو اسکے اندر جمع تھا اوروقتاً فوقتاً اس نے اس کو نکالنے کی کوشش بھی کی تھی چند قطروں کی صورت لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ آج ایک دریا اسکے اندر جمع ہورہا ہے جس کو آنسو کے چند قطروں سے کوئی فرق نہیں

پڑ رہا تھا۔

نمکین پانی کے چند قطرے ایک بار پھر اسکے گالوں کو بھگوتے ہوئے جائے نماز پر گر گئے۔

پاپا کل میں سکول نہیں جاؤنگا۔۔۔۔

کیوں؟؟؟

کیونکہ کل آپ اتنے دنوں بعد آئیں گے تو مجھے آپ سے ملنا ہے۔۔وہ بہت خوش تھا

لیکن میرے آنے تک تو آپ واپس آجاؤ گے بیٹا۔

لیکن پاپا میں کل نہیں جاؤنگا۔اس نے اعلان کیا

مما سے پوچھا ہے؟؟؟

ان سے پوچھا ہے وہ بھی کہہ رہی ہیں کل آپ دیر سے آئیں گے اس لیے میں سکول چلا جاؤں اور وہ کہہ رہی ہیں کہ میں آپ کے آنے کے اگلے دن چھٹی کرلوں۔۔

وہ تو بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔ایسا کرتے ہیں کہ کل آپ چلے جاؤ اور اگلے دن چھٹی کرلینا۔پھر ہم خوب مزہ کرینگے۔ٹھیک ہے نا؟؟

لیکن آپ لوگ مجھے پھر بھی چھٹی کرنے نہیں دینگے۔میں جانتا ہوں ماما مجھے بھیج دینگی اور آپ بھی انہی کی سائیڈ لینگے۔۔وہ ناراض ہو رہا تھا

نہیں ایسا نہیں ہوگا۔آپ بے شک چھٹی کرلینا اور ماما کی فکر نا کرو ان سے پرمیشن پاپا لے لینگے۔ٹھیک ہے؟؟؟

ٹھیک ہے پاپا لیکن میں پرسوں سکول نہیں جاؤنگا۔اس نے ایک بار پھر یاددہانی کروائی۔

ارے پاپا کی جان۔۔بلکل مت جانا بیٹا۔

شاہنواز کل ایک مہینے کی چھٹی پر آرہا تھا اور اس وقت کا وہ تینوں ہی بڑی شدت سے انتظار کرتے تھے۔ اور شہر چاہتا تھا کہ وہ کل سکول نا جائے تاکہ اپنی ماما اور نانو کے ساتھ وہ بھی اپنے پاپا کا استقبال کرسکے لیکن عائشہ ایسا بلکل نہیں چاہتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ شاہنواز شہر سے اس ایک مہینے کے دوران چار پانچ چھٹیاں کرواہی لے گا۔جب وہ یہاں ہوتا تھا تو ایک لمحے کیلیے بھی ان تینوں کی جدائی اسے گوارہ نا ہوتی۔بس اسکا دل کرتا کہ اسکی کل کائنات یعنی ماں شہر اور عائشہ کسی بھی لمحے اسکی آنکھوں سے اوجھل نا ہوں۔شاید وہ ان سے دوری کی پیاس بجھاتا تھا۔اسکا بس چلتا تو جس وقت اسے آنا ہوتا اسی مہینے میں شہر کے سکول کی چھٹیاں کروادیتا۔

آپ پھر اسے چھٹیوں کی آس دے رہے ہیں۔۔

عاشی کچھ نہیں ہوتا تم بس ایسے ہی وہم پالتی ہو۔چھٹی کر بھی لے گا تو کچھ نہیں ہوگا۔۔

اس بار تو جلدی نہیں جائیں گے نا؟؟عائشہ نے پوچھا

اورفون کے دوسری طرف شاہنواز کو ایک بار پھر احساس ہوا کہ اسوقت کا کوئی اس سے بھی بڑھ کر انتظار کرتا ہے۔

نہیں بلکل نہیں۔۔

میجر صاحب آپ کا بیٹا بہت خوش ہے۔۔اسکی آواز سے خوشی جھلک رہی تھی۔

اور میرے بیٹے کی ماما خوش نہیں ہے کیا؟؟؟

اسکا نہیں پتا۔وہ مسکرا رہی تھی۔

چلو میں انشاءاللہ کل خود آکر معلوم کرتا ہوں کہ وہ خوش ہے کہ نہیں۔

کب روانہ ہونگے؟؟؟

صبح چار بجے۔۔۔

اور پہنچیں گے کب؟؟؟

دس گیارا بجے۔۔۔

ٹھیک ہے۔۔۔

ویسے یہ بات میں ایک دودن پہلے انہی الفاظ میں اور یہی ٹائمنگ بتا چکا ہوں تمہیں عاشی۔۔۔

میں بھول گئی تھی۔

بھول گئی تھی یا دوبارہ سن کر خوش ہو رہی ہو۔۔۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔

واقعی؟؟؟؟وہ اب چھیڑ رہا تھا

مجھے نہیں پتا۔اللہ حافظ

اور اس نے فون بند کرنے کیلئے کان سے ہٹایا۔

اچھا سنو۔۔۔۔۔کریڈل میں سے آواز آئی

جی۔۔۔اس نے دوبار کان سے لگایا۔

میں بہت خوش ہوں کہ ایک مہینہ میں اپنی مکمل دنیا میں گزارونگا۔۔

وہ خاموش رہی۔

اللہ حافظ عاشی ۔۔۔

اللہ حافظ ۔۔۔

روز کی طرح فجر کی اذان سے پہلے اسکی آنکھ نہیں کھل سکی۔اسے کسی نے کندھے سے جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔اور وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔اسکے اردگرد سوئے ہوئے اسکے سب دوستوں کا بھی یہی حال تھا۔وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔وہ جسے نیند پچھلے کئی دنوں سے ڈرا رہی تھی آج اس پر اتنی مہربان کیسے ہو گئی تھی کہ وہ ساری رات سوتا رہا تھا اور وہ کوئی ڈراونا خواب دیکھتے ہوئے اٹھ نہیں بیٹھا۔

پریشان نا ہو تم لوگوں کی چائے میں رات کو ہم نے تھوڑی سی نیند کی دوا ملا دی تھی تا کہ پرسکون ہو کر سو جاؤ اور صبح اٹھو تو اپنے آپ کو بہتر محسوس کرو۔مولوی بلال نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

لیکن کیوں؟؟؟ وہ سب حیران ہوئے

بتا چکا ہوں کہ اسلیے تا کہ تم لوگ آرام سے سو جاؤ۔اور ابھی سوال جواب کا وقت نہیں ہے جلدی سے اٹھو اور نماز پڑھ کر اپنی کامیابی کیلیے نفل بھی پڑھ لو اور دعا بھی مانگ لو۔

اور ان سب نے اٹھ کر باری باری وضو کیا اور با جماعت نماز پڑھی۔نماز کے بعد کامیابی کی دعا بھی مانگی گئی۔

ان آٹھ بندوں کی مختصر سی جماعت میں وہ ایک واحد شخص تھا جو اس وقت کامیابی کی نہیں بلکہ کسی معجزے کی دعا کر رہا تھا۔وہ یہ چاہ رہا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے بس کسی طرح یہ منصوبہ ناکام ہو جائے۔

لیکن ہر دعا اگر قبول ہوتی تو کسی کسی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری کیوں رہتی؟؟؟؟؟

اور پھر ناشتہ کر کے انہوں نے پہلے سے تیار شدہ سامان اٹھایا اور گھر کے باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئے۔انہیں کوئی کام نہیں کرنا تھا۔انہیں طے شدہ جگہ پہنچانے کی زمہ داری کسی اور کی تھی اور انہیں واپس وہاں سے نکالنے اور بحفاظت پہنچانے کی زمہ داری بھی انکی نہیں تھی۔انہیں تو بس اپنا اپنا کام کرنا تھا جو انہیں بتایا گیا تھا۔گاڑی میں وہ چھ لڑکے تھے اور آج ڈرائیونگ ایک انجان شخص کر رہا تھا جسکو انہوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔

گاڑی میں بلکل موت کی سی خاموشی تھی اور ایسے لگ رہا تھا کہ کسی ویران قبرستان سے گزر رہے ہیں۔اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔شاید اسی طرح کچھ لمحے سکون کے مل جائیں۔

اور کتنا مشکل ہوتا ہے کہ جب آپکو معلوم ہو کہ آپ ایسا کام کرنے جا رہے ہوں جو آپ کی بھی نظر میں بدترین ہو لیکن آپ پھر بھی اسکو کرنے پر مجبور ہوں ۔جب کبھی آپ کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر کوئی آپ سے وہ سب کام کروائے جو آپ کسی صورت کرنا نہیں چاہتے ۔کتنا مشکل ہوتا ہے خود سے لڑتے رہنا اور گناہ پر اپنے ضمیر کو وضاحتیں دیتے رہنا اور جب آپ جانتے بھی ہوں کہ آپکی ساری تاویلیں ایک ظلم لفظ کے سامنے بے وقعت ہوں ۔کتنا کٹھن ہوتا ہے کہ جن میں آپکو اپنے پیارے دکھتے ہوں انہیں کو بے دردی سے تکلیف دی جائے ۔

ابا مجھے بچا لو ۔۔ابا ۔۔۔۔۔

ذہن کے پردے پر اچانک سے عبداللہ کا چہرہ نمودار ہوا ۔کوئی بھیانک سا شخص اسے لٹائے اسکی گردن پر چھرا رکھے ہوئے تھا اور وہ ہراساں زدہ نظروں اور ڈبڈبائی آوازمیں باپ کو مدد کیلیے بلا رہا تھا ۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولی ۔وہاں کوئی بھی نہیں تھا ۔وہ کوئی خواب بھی نہیں تھا بس اسے ایک لمحے کو بلکل سچ لگا ۔

اب کی بار اس نے اپنے دائیں طرف کے شیشے سے سر لگا دیا ۔لیکن آنکھیں کھلی رکھیں ۔

کھڑکی سے باہر کی دنیا میں لوگ اور زندگی بہت رواں دواں تھی ۔افراتفری تھی لیکن اسکے اندر قبر کی سی خاموشی تھی ۔شاید اپنے آپ سے چھپ رہا تھا وہ اور کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے آپ اور اپنی حقیقتوں سے چھپنا ۔۔

گاڑی مختلف راستوں پر چلتی رہی اور وہ کھڑکی سے سر لگائے باہر لوگوں کو دیکھ رہا تھا ۔اس نے ایک بار بھی اپنے دوستوں کی طرف نہیں دیکھا ۔شاید وہ بھی اسی کی طرح ذہنی کشمکش کا شکار تھے لیکن کسی میں دوسرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی ۔

لیکن وہ کیوں پشیمان ہونگے ۔وہ تو کوئی سچائی نہیں جانتے بلکہ وہ تو خوش ہو رہے ہیں کہ انہیں جنت میں جانے کا ایک اور موقع مل رہا ہے لیکن جانتے نہیں ہیں کہ میری طرح جنت نہیں بلکہ جہنم میں اپنے لیے ایک اور ٹھکانہ بنا رہے ہیں ۔

گاڑی اچانک سے رک گئی ۔اس نے گاڑی کے اندر سے دیکھا تو ارد گرد کوئی نہیں تھا ۔بلکہ وہ ایک چھوٹا سا خالی میدان تھا ۔وہ شخص مجھے اترا اور اسکے پیچھے ایک ایک کر کے وہ سب بھی نکل آئے ۔یہ جگہ انکے لیے انجان نہیں تھی ۔تصویروں کے ذریعے یہ جگہ انہیں کئی بار دکھائی اور یاد کروائی گئی تھی ۔اور اس سے آگے کے راستے بھی ان سب کو ازبر تھے ۔

یہاں سے تم لوگ بلکل اسی طرح اور اسی رستے سے جاؤ گے جو تم لوگوں کو سمجھایا گیا ہے ۔میں یہی

رہوں گا اور یہیں پر انتظار کروں گا تم لوگوں کا۔ اپنا کام کرتے ہوئے یہ بلکل مت سوچنا کہ اسکے بعد کیا ہوگا۔ یقین رکھو کہ جس بات کا جس سے وعدہ کیا گیا ہے بلکل ویسا ہی ہوگا لیکن بس شرط یہ ہے کہ سب اپنا کام ایمانداری سے کریں۔ بس اب اپنی اپنی چیزیں نکالو اور اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ بولتے ہوئے اس شخص نے کن انکھیوں سے مجاہد اللہ کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اسکے سارے معاملے سے وہ شخص بھی باخبر ہے۔

ان سب نے گاڑی کی ڈگی میں سے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور باہر آ کر کھولا۔ ان سب کے تمتماتے چہروں میں سے ایک وہی چہرہ تھا جس پر جنت پانے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔

اپنے اپنے سامان میں سے ان سب نے وردیاں نکالی جو انہیں اس کام کیلیے دی گئی تھیں۔ گاڑی کے اندر جا کر لباس تبدیل کیا اور کچھ ہتھیار لباس کے اندر چھپائے اور کچھ لباس میں اڑس لیے۔ کچھ ہتھیار اسکے علاوہ بھی تھے جو چمڑے کے ایک بیگ میں تھے۔ کل رات ہی ہدایات کے مطابق ان سب نے اپنی اپنی داڑھی منڈائی تھی سو وردی پہن کر وہ ہر لحاظ سے فوجی ہی لگ رہے تھے۔

سب نے مل کر 'اللہ اکبر' کا ایک نعرہ بلند کیا اور اس شخص کو وہیں چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

وہ پیدل اس عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ رستے انہیں سب معلوم تھے۔ تصویروں اور نقشوں کو یاد کر کر کے منزل تک پہنچنا انہیں خوب اچھی طرح سکھایا گیا تھا۔ عمر جعفر اور سیف اللہ عمارت کے پیچھے کی طرف سے گھوم کر بڑے گیٹ کی طرف گئے لیکن ابھی کسی کی نظروں میں نا آنے کیلیے تھوڑی دور کھڑے تھے۔ مجاہد، حیدر اور امیر حمزہ پیچھے کی طرف ہی رہ گئے۔ تھوڑی دیر وہاں رہ کر دور ہی دور سے وہ مختلف زاویوں سے دیواروں کا اندازہ لیتے رہے۔ مناسب جگہ اور اپنے دوستوں کا اشارہ پا کر مجاہد نے اپنے لباس میں چھپائی ہوئی دوربین والی بندوق نکالی اور لمبی دیوار کے ایک کونے میں لگے ہوئے کیمرے کا نشانہ لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کیمرہ زمین پر تھا۔ حیدر جو پہلے ہی سلاخوں کو کاٹنے والی بڑی قینچی تھامے کھڑا تھا فوراً سے بھاگا اور دیوار پر لگی ہوئی باڑ کو کاٹنے لگا۔ اسکے بلکل پیچھے حمزہ ایک مضبوط رسی جس کا ایک سرا پہلے سے ایک گانٹھ کی صورت بندھا ہوا تھا لے کر اسی سمت بھاگا۔ مجاہد نے اپنی بندوق دوبارا اپنے لباس میں چھپائی اور اسلحے سے بھرا بیگ اٹھا کر انکے پیچھے بھاگا۔ حیدر نے چند ہی لمحوں میں اس باڑ کو اسطرح سے کاٹ لیا کہ بیچ میں انکے دیوار پھاندنے کا کافی کھلا رستہ بن گیا تھا۔ حمزہ نے کوئی بھی دیر کیے بغیر رسی ایسے پھینکی کہ وہ جا کر باڑ کیلیے لگائے گئے سلاخ میں پھنس گئی اور چند ثانیوں کے بعد ہی وہ

تینوں اسی سے چڑھ کر دیوار پھاند چکے تھے۔ اپنا اپنا اسلحہ سنبھالتے وہ تینوں اپنے مقررہ اہداف کی طرف بھاگے اور اس بیگ کو وہی چھوڑ دیا۔ اس بیگ میں ان تین بندوں کا اسلحہ تھا جو گیٹ سے ہو کر آرہے تھے ۔کچھ اسلحہ تو انکا اپنے پاس موجود تھا لیکن باقی اس بیگ میں پڑا ہوا تھا۔

فوجی وردی میں ملبوس اور کندھوں اور سینے پر تمغے سجائے وہ تینوں بڑے بارعب انداز میں سکول کے گیٹ پر پہنچے۔ وہ چونکہ کسی فوجی گاڑی سے نہیں اترے تھے اسلیے گیٹ پر کھڑے چوکیدار کے شک کے امکان کو زائل کرنے کیلیے وہ بڑے خراماں خراماں چلتے رہے اور ادھر ادھر دیکھتے رہے ایسے جیسے وہ معمول کی ڈیوٹی پر نکلے ہوں اور چلتے چلتے ادھر بھی آ نکلے ہوں۔ چوکیدار نے انکی طرف دیکھا اور انکے حلیے کو دیکھ کر زمین پر ایک سیلوٹ مار کر دروازہ کھول کر انہیں خوش آمدید کہا۔ وہ تینوں دل ہی دل میں بہت ہنسے لیکن چہرے پر صرف مسکراہٹ ہی آنے دی۔

سب سے آگے عمر اسکے بعد جعفر اور اسکے بعد سیف اللہ یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے ۔وہ آگے جا ہی رہے تھے کہ اچانک گولی کی سی تیزی سے سیف ایک طرف اور عمر دوسری طرف مڑا۔ گیٹ کے دونوں طرف بیٹھے چوکیدار چونکہ اس اچانک حملے کیلیے بالکل تیار نا تھے سو بغیر کسی مذاحمت کے انکی گولیوں کا نشانہ بن گئے ۔یہ ان تینوں کا پہلا ہدف تھا جو کہ انہوں نے بخوبی سرانجام دے دیا تھا۔

اس سارے مرحلے کے دوران انہوں نے اپنے ساتھیوں کو عمارت کی دیوار پھلانگتے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً وہی بھاگے اور چند سیکنڈ کے دوران ہی وہ اپنے اپنے ہتھیار اٹھا کر اپنے مقررہ اہداف پر پہنچ گئے تھے

۔

کسی ایک بے گناہ کی جان لینا اور پوری انسانیت کی جان لینا ایک برابر ہیں رحمت۔ کہیں دور سے قاری ادریس کی آواز آئی ۔اس کمرے کی طرف اسکے بڑھتے قدم رک گئے ۔وہ اس عمارت کی بجلی کی تار کاٹ چکا تھا اور اب اپنے اگلے ہدف پر جا رہا تھا جو بچوں سے بھرا ہوا ایک کمرہ تھا۔

مجاہد یاد رکھو کہ تم نے کوئی بھی ناپسندیدہ حرکت کی تو اسکا خمیازہ صرف تمہیں نہیں بلکہ تمہارے پورے خاندان کو بھگتنا پڑے گا۔ مولانا صاحب کی آواز آئی۔

تم ایسا کچھ مت کرنا رحمت ۔اگر خاندان کی قربانی دینی پڑ رہی ہے تو دے دو لیکن بے قصور جانیں مت لو۔ قاری ادریس ایک بار پھر بولے تھے۔

تو ٹھیک ہے تم نہیں کرو گے تو یہ کام کوئی اور کر لے گا لیکن اپنے لمحات گن لو اور اپنے ساتھ اپنے

گیارہ پیاروں کے بھی۔ایک قہقہے کے ساتھ مولانا صاحب کی آواز ابھری تھی۔

بیٹا تم انکی باتوں میں مت آؤ۔یہ تمہیں بھی قاری ادریس بنانا چاہتے ہیں۔آگے مت بڑھو۔۔

یہی تو کہہ رہا ہوں کہ خود کو قاری ادریس بننے سے بچالو۔ورنہ تم بھی ساری زندگی ویسے ہی رہو گے جیسے وہ رہے ہیں۔آگے بڑھو اس سے پہلے کہ دیر ہوجائے اور عبداللہ۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔عبداللہ نہیں۔۔عبداللہ کو کچھ مت کہنا۔۔میں کرتا ہوں۔۔۔سب کرتا ہوں۔۔وہ خود سے بولتا رہا۔

قاری ادریس ایک بار پھر ہار گئے تھے جیسے وہ ہمیشہ ہارتے تھےاور مولانا صاحب ایک بار پھر جیت گئے تھے جیسے وہ ہمیشہ جیتتے تھے بس فرق اتنا تھا کہ پہلے دل مولانا صاحب کا مصدق تھا اور اب آخرکار قاری ادریس کی صداقت پر ایمان لے ہی آیا تھا لیکن اب شاید دیر ہوگئی تھی۔

کتنا عجیب ہے کہ اتنا عرصہ انسان حق اور باطل کے بیچ میں فرق ہی نا کر پائے اور جب اسے سمجھ آجائے تو تب تک اسکی واپسی کے سارے رستے مسدود ہوں۔اسنے حسرت سے سوچا۔

کہیں سے اسے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔وہ سمجھ گیا کہ یہ اسکے ساتھیوں کی طرف سے ہی کیا گیا ہے یہ بتانے کیلیے کہ ان سب کا وقت شروع ہوگیا ہے اور انہیں جلد سے جلد اپنا کام مکمل کر کے یہاں سے نکلنا بھی ہے۔اور وہ جانتا تھا کہ اس کام میں اگر اس نے اب چند لمحوں کی بھی تاخیر کردی تو اس پر قیامت ڈھانے والے حشر برپا کرنے میں چند لمحے دیر نہیں کرینگے۔وہ جلدی سے اس کمرے کی طرف بھاگا۔

ٹھاہ ٹھاہ ٹھاہ۔۔۔۔

مسلسل فائرنگ شروع ہوچکی تھی اور ایسی کہ ایک لمحے کو بھی نہیں رک رہی تھی۔وہ ایک کمرے میں داخل ہوچکا تھا جہاں بچے باہر سے مسلسل فائرنگ کی آواز سن کر بہت سہم گئے تھے۔اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور وہیں کھڑا ہوگیا۔

زندگی میں آج یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ اسے فائرنگ کرنا تھا یا کسی کی جان لینی تھی یا پھر پہلی بار اسکے ہاتھ میں ہتھیار تھا۔وہ تو بہت عرصے سے کھلونے کی طرح ہتھیاروں سے کھیلتا آرہا تھا لیکن آج اسکی زندگی کا مشکل ترین کام تھا۔اسے فوجی وردی میں ملبوس اور سینے پر فوجی تمغے سجائے ہاتھ میں اسلحہ لیے دیکھ کر بچے سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے کہ وہ آخر ہے کون اور کیا کرنے آیا ہے؟؟

تو اپنی پندرہ روپے کی گولی سے ان کے ماں باپ کی دس سال کی محنت کو بے قصور ختم نہیں کرسکتا

رحمتے ۔۔۔جمیلہ کی آواز آئی ۔اس نے چونک کر پیچھے دیکھا لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔

باہر سے اب بھی مسلسل فائرنگ کی آواز آ رہی تھی۔اسکا مطلب یہی تھا کہ اسکے ساتھی اپنا کام کر رہے تھے۔جو ہچکچاہٹ کا شکار تھا وہ صرف وہی تھا۔اور وہ جانتا تھا کہ ان سب کے کپڑوں اور جوتوں سے منسلک چھوٹے چھوٹے کیمروں سے چند لمحوں میں ہی مرکز میں بیٹھے منصوبہ سازوں کو پتا چل جائے گا۔پتا چل جائیگا کہ صرف مجاہد اللہ ہی اپنا کام نہیں کر رہا۔

ہاتھ اوپر کرلو۔اس نے اعلان کیا۔

کسی نے ہاتھ اوپر نہیں کیے۔سارے بچے اب بھی حیران ہو رہے تھے۔اس بڑے کمرے میں اتنے سارے بچوں کے سامنے ایک نوجوان عورت کھڑی تھی جو شاید صورتحال کو سمجھ چکی تھی اسلیے بھاگ کر بچوں کے سامنے کھڑی ہوگئی۔بلکل ویسے جیسے کبھی جمیلہ اسکے سامنے کھڑی ہوتی تھی جب کبھی فضل اسکی شرارتوں پر غصے میں اسے مارنے لگتا اگر چہ وہ اسے بچا نہیں پاتی تھی۔

میں کہہ رہا ہوں کہ ہاتھ اوپر کرلو اور جلدی سے کلمہ پڑھ لو۔وہ چیخا۔ان سب نے ہاتھ اوپر کر لیے ۔اس نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کی۔

تم اپنے ایک عبداللہ کی خاطر اتنے عبداللہ کیسے مار سکتے ہو رحمت؟؟یہ آواز عالیہ کی تھی

آنسو اسکی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ گئے۔

سامنے بچوں کی ڈھال بننے کی کوشش کرنے والی ایک عورت ہوکر معصوموں کو بچانے کیلیے کھڑی تھی اور وہ ایک مرد ہوکر معصوموں کو مٹانے آیا تھا۔۔کتنا فرق تھا

وہ سب حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔وہ مارنے بھی آیا تھا اور رو بھی رہا تھا۔بندوق بھی سیدھی کی اور آنسو بھی بہا رہا تھا۔کچھ عجیب ہی منظر تھا۔کلاشنکوف کا ٹریگر دب نہیں رہا تھا اس سے۔

تمہارا وقت بہت کم ہے مجاہد۔بس یوں سمجھ لو کہ ختم ہونے والا ہے ۔کانوں میں ایک بار پھر مولانا صاحب کی آواز گونجی ۔۔

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔۔اور اسنے آنکھیں زور سے بھینچ کر ٹریگر دبا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے آنکھیں کھولی تو اس کمرے میں اسے خون کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔لیکن اب اسکی آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکل رہے تھے۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ دیکھ لیتا اور پھر سے رک جاتا وہ اس کمرے سے بھاگا۔۔۔

اب اسکا اگلا ہدف اوپر چھت پر جانا تھا۔وہ بھاگ کر سیڑھیوں تک پہنچا اور ایک جست میں کئی کئی

سیڑھیاں پھلانگتا کچھ ہی لمحوں میں چھت پر جا پہنچا۔اپنا ایک کام وہ کر چکا تھا۔اب اسکا دوسرا کام یہ تھا کہ چھت پر سے وہ اپنے ساتھیوں کا بچاؤ کرے۔وہ اچھا نشانہ باز تھا اس لیے اسے یہ کام دیا گیا تھا۔

چھت پر جا کر اس نے اپنی دوربین والی بندوق نکالی اور دور دور تک دوربین سے جائزہ لیا۔کچھ دور اسے ایک فوجی گاڑی بڑی تیز رفتاری سے سکول کی جانب آتی دکھائی دی۔

مطلب یہ کہ انہیں خبر ہوگئی ہے۔اس نے سوچا

وہ بھاگ کر چھت کے کونے میں گیا اور اس گاڑی کو اپنے دوربین کے حصار میں لیے مسلسل اسکی حرکت دیکھتا رہا۔وہ کافی قریب پہنچ چکی تھی۔اس نے جلدی سے اپنی بندوق سیدھی کی اور خود چار دیواری کے پیچھے ایسے کھڑا ہوگیا کہ اگر کوئی گولی چلاتا بھی تو اسے نا لگتی۔اور اس کام میں وہ کافی ماہر تھا۔پہلے بھی وہ ایسے کام کرتے ہوئے اکثر دور کے نشانے والی زمہ داری ہی لیتا تھا۔لیکن فرق اتنا تھا کہ پہلے کبھی اسے موت سے ڈر نہیں لگا تھا۔آج وہ موت سے ڈر رہا تھا۔پہلے وہ شہادت کی خواہش میں لڑتا تھا آج وہ زندگی کی آس میں لڑ رہا تھا۔

پیچھے سے فائرنگ اور انسانی چیخوں کی آوازیں ابھی بھی آ رہی تھی۔

گاڑی سکول کے گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوگئی۔اسکی دوربین سے اسکا محاصرہ جاری رہا۔وہ گاڑی رکی اور آگے والی سیٹ سے ایک نوجوان بڑی تیزی سے نکلا۔مجاہد نے اس پر گولی چلانے کی کوشش کی لیکن اسکا زاویہ ایسا تھا کہ وہ گولی نہیں چلا سکا۔گاڑی کے پچھلے حصے سے مزید سپاہی بھی نکلے۔اس نے نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

اسکی خداداد نشانہ بازی کی صلاحیت ایک بار پھر کام کر گئی تھی۔گولی سیدھی جا کر ایک سپاہی کے ماتھے پر لگی۔اور اس نے دوبارہ کوئی حرکت نہیں کی۔اس اچانک حملے کیلیے شاید وہ لوگ تیار نہیں تھے سو فوراً زمین پر لیٹ گئے اور سینے کے بل حرکت شروع کی۔

اب اسکے لیے انکا محاصرہ کرنا اور انہیں نشانہ بنانا آسان نہیں تھا۔اس نے کچھ اور فوجی گاڑیوں کو بھی اسی طرف آتے دیکھا۔

اللہ اکبر

اس نے نعرہ بلند کیا اور فوجیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی گولی ان میں سے کسی کو لگی نہیں ہے کیونکہ وہ سب اب دیوار کی اوٹ میں چل رہے تھے لیکن وہ پھر بھی گولیاں برساتا رہا کیونکہ وہ فوجیوں کی رفتار کو کم کرنا چاہتا تھا تا کہ انہیں نکلنے کا موقع مل سکے۔

اب پیچھے سے فائرنگ کی آواز کم ہوگئی تھی۔اور کچھ عجیب افراتفری کا سماں تھا۔

اب نکل جانا چاہیے ۔اس نے سرگوشی کی اور سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اتر آیا۔فوجی اندر آ چکے تھے ۔وہ ادھر ادھر بھاگتے ابھی تک زندہ بچ جانے والے بچوں کے بیچ میں سے بھاگتا رہا۔اسے اس دیوار تک پہنچنا تھا۔

سامنے اسے سیف اللہ نظر آیا ۔وہ بھی کمرے سے نکل آیا تھا۔

لیکن پلک جھپکتے ہی نا جانے کہاں سے گولی آئی اور سیف کا سینہ چیر کر چلی گئی ۔وہ وہی گر گیا۔مجاہد نے گولی کی سمت دیکھا تو گولی اسی نوجوان فوجی افسر کی پستول سے نکلی تھی۔مجاہد نے جلدی سے اپنی پستول سیدھی کی لیکن وہ اسکا نشانہ نہیں لے سکا وہ ایک لمحے میں وہاں سے ہٹ چکا تھا اگر مجاہد اچھا نشانہ باز تھا تو وہ بھی کوئی عام آدمی نہیں تھا۔تربیت یافتہ فوجی افسر تھا وہ بھی۔

وہ پھر سے بھاگا وہ گولیاں بھی چلاتا رہا لیکن اب اسکے پاس زیادہ گولیاں نہیں بچیں تھیں سو وہ اندھی گولیاں چلانے سے اجتناب کرنے لگا ۔جانتا تھا کہ اسکے ساتھیوں کے پاس بھی گولیاں تقریباً ختم ہو چکی ہونگی۔بس اب ان سب کو جلدی سے اس افراتفری کا فائدہ اٹھا کر اس دیوار کو پھاندنا تھا اور پھر وہاں سے بھاگنا تھا۔۔

وہ کبھی جھک کر اور کبھی لیٹ کر فوجیوں کی گولیوں سے خود کو بچاتا بھاگتا رہا۔وہ پہلے کبھی ایسے بھاگا نہیں تھا لیکن آج زندگی کی تلاش اسے بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی ۔

وہ سب چونکہ فوجی لباس میں تھے اسلیے انہیں پہچاننے میں فوجیوں کو دقت پیش آ رہی تھی ۔

ایک بار اسے موقع ملا اور اس نے کھڑے ہو کر دوڑ لگا دی۔سامنے اس نے حمزہ کو بھی دیکھ لیا۔لیکن وہ بھاگ نہیں رہا تھا بلکہ فوجیوں اور بھاگتے بچوں پر تاک تاک کر گولی چلا رہا تھا وہ۔

حمزہ۔۔۔اس نے آواز دینے کی کوشش کی ۔

لیکن ٹھیک اسی لمحے ایک گولی آئی اور اسکی ٹانگ میں پیوست ہو گئی۔وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔آواز اسکے گلے میں دب گئی۔

حمزہ سے تھوڑے فاصلے پر اب حیدر بھی اسے نظر آیا ۔وہ گولیاں بھی چلا رہا تھا اور اس ٹوٹی ہوئی دیوار کی سمت جا بھی رہا تھا لیکن انکی فائرنگ کی آوازوں سے اب لگ رہا تھا کہ انکے پاس بھی اب گولیوں کی وہ طاقت نہیں رہی ۔وہ جھک کر چلتے پھر اٹھ کر ایک گولی چلا کر اپنے لیے راستہ بناتے اور دوبارہ جھک جاتے

۔

حیدر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے مدد کیلیے بلانے کی کوشش کی لیکن اسکی آواز اسکے منہ میں ہی رہ گئی اور اسی لمحے ایک

دھماکے سے حیدر کا جسم کئی بچوں سمیت روئی کے گالوں کی طرح فضا میں بکھر گئے ۔۔

دھماکہ برامدے میں ایک کمرے کے سامنے ہوا تھا اور وہاں آگ لگ گئی تھی ۔کمرے کے اندر سے آنے والی معصوم چیخوں سے لگ رہا تھا کہ کمرے کے اندر زندہ بچے موجود تھے برامدے میں پھیلی آگ کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔وہ اس منظر سے کافی دور تھا لیکن اس نے دیکھا کہ وہ نوجوان فوجی بھاگتا ہوا آگ کے اندر گیا اور چند لمحوں بعد اپنے کندھوں پر تین چار بچے اٹھائے نکل آیا اور انکو دوسروں کے حوالے کر کے خود دوبارہ آگ میں کھود گیا۔لیکن اس بار وہ نکل نہیں سکا اور فضا ایک بار پھر ایک دھماکے سے گونج اٹھی۔اس فوجی کا جسم دھماکے کے ساتھ فضا میں اوپر اٹھا اور آگ سے باہر جا کر گرا۔مجاہد کو ایسے لگا جیسے اللہ نے اسے جہنم کی آگ سے باہر نکال دیا ہو۔

کچھ فوجی اندر کمروں سے زخمی بچوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر باہر لا کر گیٹ سے باہر نکال رہے تھے اور کچھ حملہ آوروں کی تلاش میں تھے۔عین اسی لمحے ایک نامعلوم سمت سے گولی آئی اور حمزہ بغیر کچھ جانے بوجھے اسی سمت میں گر گیا۔

اب مجاہد کو اندازا ہوا کہ وہاں سے نکلنا کتنا مشکل تھا۔اگر وہ مولانا صاحب کے ہاں تربیت یافتہ تھے تو وہ تو ان سے بڑھ کر فوجی تربیت یافتہ تھے۔

اور پھر وہ تو زندگیاں لینے والوں کے مقابلے میں زندگیاں بچانے آئے تھے۔اور بچانے والا ہمیشہ سے مارنے والے سے زیادہ طاقتور رہا ہے۔

وہ اپنے آپ کو گھسیٹتا رہا۔دھماکے کے نتیجے میں پھیلنے والے دھویں سے اسے تھوڑی مدد ملی اور وہ اٹھ کر اپنی زخمی ٹانگ کے ساتھ خود کو گھسیٹتا ہوا دیوار تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔

ابھی وہ دیوار سے تھوڑے فاصلے پر تھا کہ اسنے دیکھا دیوار پر سے وہ رسی غائب تھی۔

ایسے کیسے ہو سکتا ہے ۔اب کیا ہوگا۔اونچی دیوار کو دیکھ کر اور اپنی زخمی ٹانگ کا سوچ کر وہ پریشان ہو گیا۔جعفر پہلے سے وہاں انتظار کر رہا تھا اور اسی لمحے عمر بھی چھپتا چھپاتا کہیں سے آ نکلا۔وہ تو بلکل خالی ہاتھ تھا مطلب وہ اپنے ترکش کے سارے تیر آزما کر آیا تھا۔

اب انہیں ہر حال میں چند لمحوں میں ہی نکلنا تھا ورنہ انکی تلاش تو جاری تھی ۔اور وہ جانتے تھے کہ انکی تلاش میں سب سے بڑی رکاوٹ معصوم بچوں کی چیخیں ہیں ورنہ فوجی انہیں لمحوں میں تلاش کر لینگے۔

رسی کہاں ہے عمر؟؟؟اس نے چیخ کر پوچھا۔یکے بعد دیگرے ہونے والے دو دھماکوں کے نتیجے میں اتنا دھواں پھیل گیا تھا کہ انکو بھاگنے کا وقت مل گیا تھا۔

عمر نے مڑ کر جعفر کی طرف دیکھا۔

رسی میں نے کاٹی ہے اور یہ بم بھی میں نے رکھے تھے کیونکہ مجھے حکم ملا تھا کہ کوئی ثبوت نہیں بچنا چاہیے

۔

لیکن ہمیں تو نکلنا بھی ہے ۔۔وہ دور سے چیخا

ہم میں سے کوئی نہیں نکل رہا اور نہ نکل سکتا ہے ۔۔ہم اس وقت پورے طور پر فوجی گھیرے میں ہیں ۔میں یہاں پر تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا تا کہ ایک آخری فرض بھی نبھا لوں ۔۔۔

اللہ اکبر

اسنے نعرہ لگایا اور فضا ایک بار پھر ایک دھماکے سے گونج اٹھی ۔جعفر نے اپنے جسم سے بم باندھ کر خود کو اڑا لیا تھا ۔ساتھ کھڑے عمر کے جسم کے بھی پرخچے اڑ گئے تھے ۔وہ چونکہ دور تھا اس لیے دھماکے سے مزید دور جا گرا ۔۔

وہ ہوش میں تھا ۔جسم میں درد کی ایسی لہریں اٹھ رہی تھی جیسے کوئی اسے تختے میں لگے ہوئے بے شمار کیلوں پر گھسیٹ رہا ہو اور جسم ایسے جل رہا تھا جیسے جہنم کی شدید آگ کی لپیٹ میں ہو۔

اسکی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ یہ درد کے آنسو ہیں ۔اسکا سر کیاری کے گر د پڑی اینٹ پر لگا تھا اور اسی پر پڑا تھا اسلیے وہ آنکھیں کھول کر اپنے جسم کو دیکھ سکتا تھا ۔اور ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی ہمت اس میں نہیں تھی ۔اسکے دائیں طرف اسکے سر سے نکلا ہوا خون پڑا تھا ۔اسکی ایک ٹانگ کا پچھے والا حصہ تقریبا کٹ گیا تھا بس گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جس سے وہ اوپر والے حصے سے منسلک تھا ۔دوسری ٹانگ کٹی تو نہیں تھی لیکن اسکے کافی حصے سے چمڑا گوشت سمیت ایسے الگ ہو گیا تھا کہ اندر کی ہڈی صاف نظر آرہی تھی اور زخم جلنے کیوجہ سے سارا گوشت کالا ہو گیا تھا ۔سر اینٹ پر لگنے سے اس میں سے بھی خون کا ایک فوارہ ابل پڑا تھا ۔جسم کا اوپری حصہ وہ دیکھ نہیں سکا لیکن درد اور جلن سے لگ رہا تھا کہ سارے جسم کا گوشت پوست اسی طرح ہڈیوں سے الگ ہو کر جل گیا ہوگا ۔اسنے آنکھیں بند کر کے آخری بار اپنے رب کو یاد کرنے کی کوشش کی اور کلمے کے لیے زبان ہلائی ۔لیکن اسکی زبان سے کلمہ نہیں نکل سکا ۔

اللہ نہیں چاہتا کہ میں اپنی زبان سے اسکا نام لوں ۔اسنے تلخی سے سوچا

آنسوؤں کی شدت میں اضافہ ہوا ۔اس نے آنکھیں بند کر لیں ۔

جا مجاہد اللہ ۔تو جیت گیا لیکن تیری ماں ہار گئی ۔اپنا بیٹا بھی اور اپنی ممتا بھی ۔تجھے کسی کی جان لینا تو نہیں سکھایا تھا پھر تو نے اتنے بے قصوروں کو کیسے بے رحمی سے مارا؟؟

اماں مجاہداللہ نا بول ۔ایک آخری بار رحمتے بول لے ۔وہ اپنے ذہن کی پرواز سے ماں سے التجاء کر رہا تھا

نا مجاہداللہ نا ۔۔۔۔میرا رحمتے تو زندہ نہیں ہے ۔وہ تو تب کا مر گیا تھا جس دن وہ میری نا مانتے ہوئے بڑے مدرسے چلا گیا تھا۔تو تو مجاہداللہ ہے رحمتے نہیں۔

اماں۔۔۔۔۔۔اسنے بلانا چاہا

نہیں نہیں ۔۔۔تو رحمتے نہیں ہوسکتا ۔رحمتے تو میرا بیٹا تھا۔ہمارے عبداللہ کا سایہ تھا وہ۔تو تو قاتل ہے بہت سارے عبداللہ کا۔۔

اماں۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ جارہی تھی ۔۔۔۔۔وہ روکنا چاہتا تھا لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی

میں اللہ سے کہوں گی کہ تو میرا بیٹا نہیں ہے ۔ہاں تو میرا بیٹا نہیں ہے ۔۔تو قاتل ہے صرف قاتل ۔۔۔۔۔۔

اور وہ چلی گئی۔۔بند آنکھوں کا پردہ ایک بار پھر شفاف ہوگیا۔اس نے آنکھیں کھول لیں۔

اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اسکے جسم سے چمڑی ادھیڑ رہا ہو اور جلن اتنی تھی جیسے کوئی اسے بھڑکتے شعلوں پر بھون رہا تھا۔۔

کیا موت کی تکلیف اتنی زیادہ ہوتی ہے؟؟ دوسروں کو موت دیتے ہوئے آج وہ خود اسی کا شکار تھا

اسے یاد آیا وہ نوجوان فوجی جو خود بھڑکتے شعلوں میں کودا تھا اور پھر بھڑکتے شعلوں نے اسے خود ہی خود سے دور پھینکا۔۔۔۔

اسے بھلا کیوں تکلیف ہوگی رحمت؟؟؟ وہ تو تیرے ظلم کے شکاروں کی جانیں بچانے آیا تھا۔اس بار ذہن کے پردے پر ابھرنے والی شبیہہ عالیہ کی تھی۔

تیرے بڑوں نے تو پیسے اور مفادات کیلیے کیا ہے رحمت ۔تم نے کیا کیا؟؟؟ اپنے ساتھ بھی اور ہم سب کے ساتھ بھی ۔اس سب سے بہتر یہ ہوتا کہ تم ایک ہی بار میں اپنی جان لے لیتے جب تمہیں پتا چلا تھا سب کا اور مجبور کیا جارہا تھا ۔زندگی کی آس میں اتنے قتل کر کے مرنے سے تو بہتر ہوتا کہ ایک حرام موت کا گناہ اپنے سر لے لیتے۔

وہ بول کچھ نہیں سکتا تھا ۔وہ مرنا چاہ رہا تھا لیکن ۔۔۔۔۔۔۔

یہ موت اتنی دور کیوں ہو گئی ہے؟؟ مجھے کیا موت بھی قبول نہیں کرے گی؟؟؟ اسنے تلخی سے سوچا ۔آج اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ موت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے ۔وہ خود بھی تو موت کا ہی سوداگر تھا لیکن اپنے

سود ے کا ذائقہ آج چکھ رہا تھا اور جان گیا تھا کہ اسکی دی ہوئی تکلیف کتنی زیادہ تھی ۔
وہ درد سے چیخنا چاہ رہا تھا لیکن نہیں چیخ سکا ۔ اسکی زبان اور آواز بند تھی ۔

میں نے تم سے کہا تھا مجاہد کہ ایک بات ایسی ہے جو میں تم سے نہیں کہہ سکتا اور وہ یہی بات تھی کہ اس کام میں ایک تو تمہارا زندہ بچنا ناممکن تھا اور اگر بچ بھی جاؤ گے تو تمہاری واپسی کا کوئی رستہ نہیں ہے ۔ اس بار زہن کے پردے پر ابھرنے والی شبیہہ ڈاکٹر شکیل کی تھی ۔

تو دھوکہ ہوا ہے میرے ساتھ ۔ ۔ ۔ وعدہ خلافی کی انہوں نے ۔ ۔ ۔ وہ صرف سوچ ہی سکا

کب تک اپنے گناہوں کو اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے کا رنگ دیتے رہو گے رحمت ؟؟ ہر بار تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں ہوتا بلکہ اس بار تمہارے پچھلے گناہ تمہارے سامنے آئے ہیں ۔ اللہ چاہتا ہی نہیں تھا کہ تمہیں معاف کردے اور تمہیں آزادی ملے ۔ یاد کرلو کہ کتنوں کو تکلیف دے چکے ہو تم ۔ اب کی بار پھر عالیہ بولی تھی ۔

تو ہمارے ساتھ جعفر کو بھیجا ہی اسلیے گیا تھا کہ ہم میں سے کوئی زندہ نا بچے ۔ ہم میں سے کسی کے پاس بم نہیں تھے مطلب سارے دھماکے کرنے والا جعفر ہی تھا جس نے پہلے دھماکے کر کے بچوں سمیت حمزہ کو مارا اور پھر ہم دونوں بچ جانے والوں کو اپنے سمیت اڑا لیا ۔ رسی بھی تو اسی نے کاٹی تھی اور اس نے دھماکے سے پہلے بتا دیا کہ اسے یہی حکم ملا تھا ۔ ۔ ۔ زہن میں آگہی کے در وا ہو رہے تھے اور اسکی تکلیف کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا ۔ یہ کیسی تکلیف تھی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی ۔ اسے لگا جیسے موت بھی اس سے نفرت کرنے لگی ہے ۔ وہ جو زندگی کی آس میں یہاں تک آیا تھا اب اپنے لیے موت کی تمنا کر رہا تھا ۔

ہاں بلکل ٹھیک سمجھے تم ۔ لیکن افسوس کہ بہت دیر سے سمجھے ہو ۔ شکیل بھائی کی آواز آئی ۔

اس نے آنکھیں کھول لی ۔ درد کی شدت سے چلانا چاہا لیکن ایسا کرنا بھی ناممکن تھا اسکے لیے ۔ پورے جسم میں صرف اسکی آنکھیں تھیں جو سلامت تھیں ۔ یعنی کہ اللہ اسے دکھانا چاہتا تھا کہ دیکھ لو رحمت اللہ ایک تیری رسی تھی اور ایک میری ۔ تیری رسی کی مار تو وہ تھی جو نوجوان فوجی نے کھائی ۔ ہلکی اور کم وقت کی ۔ اور یہ میری رسی کی مار ہے کہ تو جو موت بانٹتا پھرتا تھا اب اپنے لیے موت مانگ رہا ہے

تیرے مولانا صاحب نے دام لیے ہے رحمت ۔ میرے عبداللہ جیسے بہت سارے معصوموں کے لہو کے دام لیے ہیں ۔ ۔ ۔ عالیہ شدید غصے میں تھی ۔ ۔

اس وقت وہ دو دردوں میں مبتلا تھا ۔ ایک پچھتاوے کا شدید درد تھا جو کسی بھی قریب المرگ شخص کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور دوسرا اڈھڑے ہوئے جسم کا جسمانی درد تھا جو ناقابل بیان تھا ۔ اس

نے آنکھیں ایک بار پھر بند کرلیں ۔آنسو اسکی بند آنکھوں سے نکلے اور گال پر اپنی راہ بنا گئے ۔۔۔۔۔

پشاور ورسک روڈ پر واقع آرمی پبلک سکول پر دہشتگردوں کا حملہ۔سکول کے اندر سے دھماکوں کی آوازیں ،متعدد ہلاکتوں کا خدشہ ۔۔

ارسلان میٹنگ سے نکل کر ابھی صباء کو فون کرنے کیلیے اپنا فون نکال ہی رہا تھا کہ نظر سامنے داخلی دروازے کے بلکل اوپر لگے ہوئے ٹی وی سکرین پر پڑی جہاں یہ خبر چل رہی تھی ۔وہ بت بنا سکرین کو تکے جا رہا تھا۔ساتھ کھڑے کوئی بات کرتے جنید کی نظر پہلے اس پر اور پھر اسکی نظروں کے تعاقب میں سکرین پر پڑی تو سارا معاملہ سمجھنے میں لمحے کی بھی دیر نہیں لگی۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ارسلان اپنے ہاتھ میں پکڑی فائلیں وہی زمین پر پھینک کر دروازے سے باہر دوڑا۔

ارسلان۔۔۔۔۔

ارسلان۔۔۔۔۔۔۔رکو میری بات سنو۔۔وہ پیچھے سے پکارا لیکن وہ نہیں رکا

جنید تیزی سے اسکے پیچھے بھاگا اور اسے جا لیا۔۔

ارسلان رکو ،بات تو سنو میری۔کہاں جا رہے ہو ایسے؟؟؟

مجھے جانا ہے ۔۔۔۔مجھے جانا ہے وہاں ۔۔۔صباء وہیں ہے ۔۔

تو میں جانتا ہوں یہ۔تم بس مجھے پارکنگ سے گاڑی نکالنے دو میں بھی چلتا ہوں

ارسلان کو خاموش دیکھ کر وہ مڑا اور بھاگ کر پارکنگ میں جا کر گاڑی نکال لایا۔ارسلان کو بٹھا کر اس نے انتہائی تیزی سے گاڑی گھمائی اور روڈ پر لے آیا۔

اس وقت سڑکوں پر انتشار نہیں تھا اور جنید کافی تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن جو حالت ارسلان کی تھی اس میں تو ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے تو پھر اسلام آباد اور پشاور کا فاصلہ زیادہ نا سہی دو گھنٹوں کا تو تھا ہی۔

جنید تیز چلاؤ نا یار اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو۔۔۔۔وہ بار بار کہتا اور جنید بغیر کچھ کہے خاموشی سے سڑک پر توجہ رکھے ہوئے تھا کیونکہ جس رفتار سے وہ گاڑی چلا رہا تھا اس میں گاڑی کا بے قابو ہونے کا بہت خدشہ تھا۔وہ جانتا تھا کہ اگر عام حالات ہوتے تو اس سے بہت کم رفتار میں چلنے پر ارسلان اس سے لڑتا رہتا کیونکہ وہ تیز ڈرائیونگ بلکل پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت بس وہ وہاں پہنچنا چاہ رہا تھا۔

ارسلان تم کامران کو فون کرو اور اس سے کہو کہ وہاں پہنچ جائے ۔

اور اس نے کامران کو فون ملایا۔فون بہت مشکل سے ملا اور کامران جہاں کھڑا تھا وہاں بہت شور کی

آوازیں آرہی تھیں ۔۔ وہ ارسلان کی سن رہا تھا اور نا ارسلان اسکی سن پا رہا تھا۔بس اسے صرف یہ سمجھ آ گئی کہ کامران وہاں گیا ہے لیکن وہاں کسی کو قریب جانے نہیں دے رہے کیوں کہ آرمی کا آپریشن شروع ہو گیا ہے ۔۔

اسکے بعد فون بند ہو گیا۔اس نے دوبارہ ملانے کی بہت کوشش کی لیکن ہر بار اسکا فون بند مل رہا تھا۔اس نے سیٹ کی پشت سے سر لگا دیا۔

پریشان مت ہو اور دعا کرو یار۔بھابی کو کچھ نہیں ہوگا انشاءاللہ۔سب ٹھیک ہوگا۔۔۔اسکے پلکوں سے گرنے والے آنسوؤں کو دیکھ کر جنید نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔وہ جانتا تو تھا کہ وہ صباء سے بہت محبت کرتا ہے لیکن اسکی آنکھوں سے بہتے آنسو اسکی شدتوں کو بیان کر رہے تھے۔

وہ خاموش رہا آنسو اب بھی بہتے رہے۔

کتنا ٹائم رہتا ہے؟؟؟

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو بس یہی ایک سوال کیا۔۔جنید کا دل کیا کہ کاش اسکے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہوتی اور وہ پلک جھپکاتے ہی اسے وہاں پہنچا سکتا۔

بس تھوڑی دیر۔۔۔

اور ارسلان نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔

اسکی آنکھوں کی لالی جنید دیکھ چکا تھا۔اور اسکی آنکھوں سے گرتے آنسو جنید کے دل پر پڑ رہے تھے۔

ہوا کی رفتار سے گاڑی بھگاتے اسلام آباد سے پشاور تک کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے کر کے وہ شہر کے اندر آئے اور جنید نے گاڑی کا رخ سیدھا ورسک روڈ کی طرف رکھا لیکن شہر کے حالات اس وقت تک بہت بدل چکے تھے۔آرمی اپنا کام کر رہی تھی اسلیے شہر کی سڑکوں کو جگہ جگہ ناکوں پر بند کر دیا گیا تھا۔اور میلوں تک پھیلی گاڑیوں کی قطاریں بتا رہی تھی کہ وہاں سے نکلنے میں کافی وقت لگے گا۔سکول کے ارد گرد کافی دور تک علاقے کو گاڑیوں کیلیے بند کر دیا گیا تھا۔جنید انتہائی آہستہ سے آگے والی گاڑی کے پیچھے چلتا ہوا گاڑی کو لائن میں ڈالنے ہی والا تھا کہ ارسلان نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔جنید پیچھے سے آوازیں دیتا رہا لیکن وہ نہیں رکا۔جنید نے گاڑی لائن میں کھڑی کرنے کی بجائے باہر نکال لی۔جسکو لے جانے کیلیے وہ یہ کر رہا تھا وہ تو چلا گیا تھا۔اس نے گاڑی موڑی اور فٹ پاتھ کے اس پار دکانوں کے سامنے بنی چھوٹی سڑک پر لے جا کر روکی اور تالا لگا کر وہ بھی ارسلان کے پیچھے دوڑا دور دور تک وہ اسے نظر نہیں آیا جانے اتنی دیر میں ارسلان کہاں پہنچا تھا اور کہیں پہنچا بھی تھا یا نہیں۔

دیوانگی اور پاگل پن کی اگر کوئی جیتی جاگتی صورت ہوتی تو اس وقت ارسلان رضا اسکی ایک مکمل تصویر تھا۔۔

بکھرے ہوئے بال جو صبح اس نے بہت سلیقے سے سجائے تھے، بلیک پینٹ اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی نیلی شرٹ میں ملبوس وہ انتظار میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کے بیچ میں رستہ بناتے ہوئے ایسے بھاگ رہا تھا جیسے اسے اردگرد کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ جگہ جگہ بھاگتے بھاگتے کھڑی گاڑیوں کے شیشوں میں شرٹ پھنس جانے سے وہ کچھ جگہوں سے پھٹ چکی تھی اور ایک جگہ کسی گاڑی کی ڈگی سے ٹکرانے اور گرنے کے نتیجے میں اسکے دائیں ہاتھ پر چوٹ بھی آئی اور اس سے خون بھی نکل رہا تھا لیکن اس سب کی پرواہ اسے کہاں تھی۔ اسے تو صباء کے پاس پہنچنا تھا جو جانے کس مشکل میں ہوگی اور اسنے ارسلان کو کتنا یاد کیا ہوگا۔

وہ بھاگتا رہا ایسے جیسے کبھی تھکے گا نہیں۔۔۔۔

سر آپ آگے نہیں جاسکتے آگے علاقہ کلیئر کیا جارہا ہے۔ابھی وہ سکول سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا کہ ایک فوجی نے اسے روک لیا۔

وہ ہونقوں کی طرح اسکی طرف دیکھتا رہا۔ اسکا حلیہ اور اسکی حالت اسکی آنکھوں کی لالی سمیت اسکا حال بتانے کو کافی تھی۔

مم مجھے جانا ہے۔وہ بڑی مشکل سے بولا

میں جانتا ہوں سر لیکن وہاں کام ہو رہا ہے اور آپ سب کا جانا نقصان میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔فوجی جوان نے وہاں کھڑے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے اردگرد دیکھا، وہاں واقعی بہت سارے لوگ کھڑے تھے جو اپنے پیاروں کیلیے وہاں جمع ہوئے تھے بہت سارے مرد اور بہت ساری خواتین۔سب کو اپنے پیاروں کی فکر تھی اور ہر کوئی آگے جانا چاہتا تھا لیکن وہاں بہت سارے فوجی کھڑے تھے جو ان کو آگے نہیں جانے دے رہے تھے کیونکہ وہاں اتنے افراد کے جانے سے امدادی کاروائیوں اور آپریشن میں بہت مشکل پیش آسکتی تھی۔

اور اسوقت فلک نے پہلی بار اس فٹ پاتھ پر کسی انسان کو سجدے میں گرتے دیکھا ہوگا۔اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر آسمان اور اس میں بیٹھے ہوئے فرشتے آنسو بہا سکتے ہوتے تو اس وقت سجدے میں گرے ہوئے اس جوان شخص کی سسکیوں سے ہلکورے لیتے جسم کو دیکھ کر ضرور رو پڑتے۔وہ اس بے خاک زمیں پر سجدے میں پڑا ہوا تھا۔

جانے کتنی دیر وہ سجدے میں پڑا رہا جب کسی نے آکر اسے زبردستی اٹھایا۔۔وہ نہیں اٹھنا چاہ رہا

تھا لیکن اسے اٹھالیا گیا ۔وہ کامران اور جنید تھے جو اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں تک آ پہنچے تھے ۔

وہ ماتھا اور اس پر آگے آتے ہوئے بال جسکو دیکھ کر صباء کو ہمیشہ اس پر بہت پیار آتا تھا اس وقت دھول میں اٹے ہوئے تھے ۔جنید نے جیب سے رومال نکال کر اسکے چہرے اور ماتھے سے دھول ہٹائی ۔

اور صرف وہ نہیں رو رہا تھا ۔عمر کے اس حصے میں آکر صباء کی شکل میں اپنی بڑی بہن پانے والے کامران کی آنکھیں بھی سرخ تھیں ۔اور صرف وہ ہی کیا اس جگہ پر کھڑے ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو ہی رواں تھے ۔

بس کرو کامی ۔۔کیا ہوگیا ہے تمہیں ۔میں کہہ رہا ہوں نا بھابی کو کچھ نہیں ہوگا انشاءاللہ ۔بس تم لوگ دعا کرو ۔جنید نے کامران کو ڈانٹا

وہ تینوں وہی زمین پر بیٹھے تھے ۔فوجی کہہ رہے تھے کہ تھوڑی دیر میں علاقہ کلیئر ہوجائے گا تو ان سب کو آگے جانے دے دیا جائے گا لیکن انتظار تھا کہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا ۔

اور اگر انتظار آنسوؤں کے ساتھ ہو اور زندگی کا ہو تو اس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی چیز اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتی ۔۔۔

عاشی ۔۔۔۔۔۔اس نے کھڑے ہوتے ہوئے عائشہ کو آواز دی جو کچن میں مصروف تھی ۔

اسکی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ عائشہ کچھ بھی پوچھے بغیر فوراً لاؤنج میں آئی ۔اور اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگی جو ٹی وی کی سکرین پر جمی تھی ۔

پشاور ورسک روڈ پر واقع آرمی پبلک سکول میں دھماکہ آرمی کا آپریشن شروع ۔ابتدائی اطلاعات کے مطابق دس بچے جاں بحق ۔۔

وہ دونوں دم سادھے سکرین کو تکے جا رہے تھے ۔۔

شاہنواز شہر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔عائشہ کے منہ سے بس اتنا نکل سکا

اور شاہنواز بجلی کی سی تیزی سے گاڑی کی چابی اُٹھا کر بھاگا ۔پیچھے عائشہ بھی لپکی ۔اماں اپنے کمرے میں تھی اور وہ دونوں انہیں بتائے بغیر ہی نکل گئے

گاڑی میں بیٹھتے ہی شاہنواز نے انتہائی تیزی سے گاڑی ریورس کی اور سکول کے راستے پر ڈال دی ۔

وہ انتہائی خراب ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن پھر بھی کر رہا تھا اور ساتھ میں بیٹھی ہوئی عائشہ جو تھوڑی سی تیز رفتاری سے ڈر جاتی تھی اس وقت ایسی ڈرائیونگ پر بھی بلکل خاموش تھی ۔وہاں سوال اسکے

شہر کا تھا جو بیک وقت ان دونوں کی جان تھا۔
شاہنواز شہر ۔۔۔۔۔۔۔عائشہ بس اتنا کہہ سکی۔
کچھ نہیں ہوا شہر کو۔وہ بلکل ٹھیک ہوگا انشا اللہ ۔۔۔اس نے تسلی دی۔
ماں کے دل کا قصور تھا یا پھر اسے ہونے والے وہم کا کہ اسے بلکل تسلی نہیں ہوئی ۔وہ بہت ڈر رہی تھی ۔
وہ وہاں پہنچے تو لیکن آگے کچھ فوجی کھڑے تھے اور کچھ لوگ بھی وہاں کھڑے تھے جن کو وہ فوجی آگے جانے سے روک رہے تھے ۔وہ جلدی سے گاڑی سے اترا اور سیدھا جانے لگا۔۔
سر آپ آگے نہیں جا سکتے ۔ابھی آپریشن شروع ہوگیا ہے اور امدادی کاروائیاں بھی چل رہیں ہیں ایسے میں لوگوں کا وہاں جانا مشکل پیدا کر سکتا ہے۔۔ایک فوجی اسے روکتے ہوئے بولا
ارے کیسی مشکل؟؟؟ میرا بچہ وہاں ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں نہیں جا سکتا۔۔۔
سر ان سب کے بچے وہاں ہیں لیکن ایسے ہم کسی کو بھی جانے نہیں دے سکتے ۔۔
اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے اپنا کارڈ نکالا اور فوجی کے ہاتھ میں تھما دیا جس پر اسکی آرمی کی جاب کی ساری تفصیلات تھیں ۔۔۔فوجی اسکے راستے سے ہٹ گیا۔۔
سر اپنی مسز کو مت لے کر جائیں ۔اسے ریکوئسٹ سمجھ لیں ۔سپاہی نے عائشہ کو اسکے پیچھے جاتے دیکھ کر کہا۔۔
اس نے پیچھے دیکھا تو عائشہ بلکل اسکے پیچھے ہی کھڑی تھی ۔۔
عاشی تم یہاں رکو میں تھوڑی دیر میں شہر کو ڈھونڈھ کر آتا ہوں ۔وہ اسے روکتے ہوئے بولا
نہیں شاہنواز میں بھی جاؤنگی ۔۔۔وہ روتے ہوئے بولی
عاشی میں آتا ہوں نا تھوڑی دیر میں ۔تم پلیز یہی رہو۔
اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی ۔کر بھی کیا سکتی تھی وہ اسکے علاوہ۔
وہ چلا گیا ۔اور تقریباً بھاگتے ہوئے سکول تک پہنچا
وہاں پہنچ کر اسے پتا چلا کہ سپاہی نے عائشہ کو ساتھ نا لے جانے کی درخواست کیوں کی تھی ۔وہ سمجھ گیا کہ اگر وہ یہاں پہنچ جاتی تو اس وقت شاہنواز کو شہر سے زیادہ عائشہ کی فکر ہوتی کیوں کہ جو وہاں ہو رہا تھا وہ کبھی بھی وہ برداشت نا کر پاتی۔
مسلسل گولیاں چل رہی تھی اور رضاکار اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اندر جا کر بچوں کو اٹھا کر لا رہے تھے ۔اور جن بچوں کو لا رہے تھے ان میں سے زیادہ تر انکے ہاتھوں میں جھول رہے تھے

اورخون انکے معصوم یونیفارم کو تر کیے ہوئے تھا۔۔۔

وہ گیٹ کی طرف گیا اور تھوڑی دیر وہاں رک کر نکلنے اور نکالے جانے والے بچوں کو دیکھتا رہا۔ کچھ بچے ایسے تھے جو زندہ نکل رہے تھے اور روتے ہوئے اپنے والدین کو تلاش رہے تھے۔ وہ ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتا رہا لیکن ان میں کوئی بھی بچہ شہر نہیں تھا۔

اچانک تین چار بچوں کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی نکلا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اسکے مخالف سمت میں بھاگنے لگا۔ شاہنواز کے دل اور جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔۔

شہر۔۔۔۔۔۔وہ زور سے چیخا

لیکن وہ انکی طرف دیکھے بغیر معصوم قدموں سے بھاگتا رہا۔ وہ بھی اسکے پیچھے لپکے اور چند قدموں میں ہی اسے جا لیا اور پیچھے سے لپک کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھالیا اور تقریباً بھاگنے ہی لگے تھے کہ۔۔۔۔۔

شہر۔۔۔۔۔۔انکے منہ سے خود ہی نکلا۔

وہ شہر نہیں تھا۔۔۔

ایک بار پھر ایک اذیت نے اسے گھیر لیا۔ وہ کسی کا شہر تھا تو لیکن اسکا شہر نہیں تھا۔ وہ بچہ رو رہا تھا۔ شاید ڈر گیا تھا اس لیے گیٹ سے نکلتے ہی کچھ بھی دیکھے بغیر ایک طرف کو بھاگ گیا تھا۔

بیٹا اس طرف مت جاؤ۔ اس طرف جاؤ وہ دیکھو وہاں آپ کے دوست بھی جا رہے ہیں وہاں آپکے پاپا بھی ہونگے۔ شاہنواز نے اس طرف اشارہ کیا جس طرف سارے سلامت نکلنے والے بچوں کو بھیجا جا رہا تھا اور جس طرف سب بچوں کے والدین کھڑے تھے۔

وہ بچہ کچھ کہے بغیر اسی سمت میں بھاگا جو شاہنواز نے اسے کہا۔

اسکے منہ سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی اور وہ ایک بار پھر گیٹ کی طرف گیا اور وہاں کھڑے ہو کر ہر سلامت اپنے پاؤں پر نکلے والے اور ہر رضا کار کے ہاتھ میں نکلنے والے زخمی بچوں کو غور سے دیکھنے لگ گیا شاید اسکا شہر بھی نکل آئے۔۔۔

بہت دیر گزر گئی لیکن اسکا شہر نہیں نکلا۔ نا سلامت نکلا اور نا ہی کسی کے ہاتھوں میں۔۔ وہ وہی کھڑا شہر کا انتظار کرتا رہا۔ پھر عائشہ بھی وہاں آگئی اور سب والدین جن کے بچے نہیں ملے تھے وہ اپنے جگر گوشوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپریشن ختم ہو چکا تھا۔ وہ اور عائشہ بھی شہر کو تلاش کرتے رہے۔ وہ اسکے کلاس روم میں گئے اس حسرت میں کہ ہو سکتا ہے وہ وہاں ملے۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اس کے

کلاس کے کچھ بچے خون میں لت وہاں پڑے تھےلیکن ان میں شہر نہیں تھا۔ایک فوجی کی بیوی ہو کر بھی معمولی سے خون سے ڈر جانے والی عائشہ جانے کیسے اتنے حوصلے سے اپنے بیٹے کو تلاش کر رہی تھی۔۔

شاید اس لیے کہ وہ اس وقت ایک ستائیس سالہ لڑکی نہیں بلکہ ایک ماں تھی جسکی اولاد مشکل میں تھی اور مشکل بھی جانے کیسی تھی۔۔۔نہ جانے مائیں اتنا حوصلہ کہاں سے لاتی ہیں؟؟؟

اور پھر اچانک عائشہ کی نظر سامنے آنے والے رضا کار پر پڑی جسکے ہاتھوں میں ایک معصوم وجود جھول رہا تھا۔۔

شاہنواز شہر۔۔۔۔۔وہ اپنے شہر کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔اور اپنے وجود کے ٹکڑے کو ایک عورت کیسے نہیں پہچانے گی۔۔

شاہنواز نے بھی ادھر ہی دیکھا جہاں عائشہ دیکھ رہی تھی۔

اور پھر وہ بھاگ کر اس شخص کے پاس پہنچی۔شاہنواز بھی اسکے ساتھ ہی تھا۔وہ شخص واقعی شہر کو اٹھائے ہوئے تھا۔

وہ شخص جلدی سے ایک خالی ایمبولینس کی طرف بھاگا اور اس میں شہر کو لٹا کر شاہنواز اور عائشہ کو بھی ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کر کے فوراً دوبارہ سکول کے اندر بھاگ گیا۔کسی اور شہر کو بچانے کیلیے۔۔۔

شہر زخموں سے چور تھا۔وہ دونوں اسے آوازیں دیتے رہے لیکن وہ کچھ بول نہیں رہا تھا۔

وہ مجھ سے کہتا رہا کہ میں کل نہیں جاؤنگا لیکن میں نے اسے بھیجا۔میں نے اسے مار دیا ہے۔اپنے بیٹے کو مار دیا ہے میں نے۔۔۔عائشہ کا حوصلہ جواب دینے لگا تھا۔

ہمارا بیٹا زندہ ہے عائشہ۔۔۔

وہ کچھ بھی تو نہیں بول رہا۔کیسے زندہ ہے۔۔وہ بہت رو رہی تھی۔

وہ سانس لے رہا ہے تم بس دعا کرو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔اندر سے آہستہ آہستہ ٹوٹ کر بکھرنے والا شاہنواز تسلی کے بس اتنے ہی الفاظ بول پایا۔۔

اٹھ جاؤ بیٹا دیکھو تمہارے پاپا آگئے ہیں۔عائشہ نے اسے ہلایا۔لیکن وہ تب بھی بے ہوش رہا۔

ہسپتال پہنچتے ہی شاہنواز نے اسے گود میں اٹھالیا اور ایمبولینس سے نیچے اتر کر ایمرجنسی کی طرف بھاگا۔۔وہاں بھی کچھ فوجی جو یہی کام کر رہے تھے شاہنواز کے ہاتھ سے شہر کو اٹھا کر اندر بھاگے۔شاہنواز اور عائشہ بھی انکے پیچھے ہی تھے۔

عائشہ شہر نے آنکھیں کھولی تھیں ابھی۔قسم سے میری گود میں تھا تو آنکھیں ہلکی سے کھولی تھیں۔

وہ کچھ نہیں بولی۔خاموشی سے آنسوؤں کے ساتھ جانے کیا پڑھ رہی تھی

شہر نے واقعی آنکھیں کھولی تھی تھوڑا سا کسمسایا تھا اسکے تھوڑی ہی دیر بعد جب عائشہ نے اسے یاد دلایا کہ اسکے پاپا اس سے ملنے آگئے ہیں تو اپنے پاپا کی گود میں اس نے واقعی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی اور وہ تھوڑا سا کامیاب بھی ہوگیا تھا۔اپنے پاپا کو ایک نظر دیکھ لیا تھا اس نے لیکن اس کوشش کو برقرار رکھنے میں ناکام ہوگیا اور نا چاہتے ہوئے بھی اسکی آنکھیں بند ہوگیں۔۔۔

ہیلو امی۔۔۔۔۔

کیا ہوا؟؟؟؟اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟؟؟وہ پریشان ہوئیں۔

کچھ نہیں امی۔آپ نے ٹی وی نہیں دیکھا کیا؟؟؟

نہیں۔۔کیوں کیا ہوا؟؟؟

امی وہ آرمی پبلک سکول میں دھماکہ ہوگیا ہے۔۔۔وجیہہ نے بغیر کسی تمہید کے کہا

کیا؟؟؟یہ کیا کہہ رہی ہو وجی؟؟؟

جی امی۔۔میں بس گھر آرہی ہوں تھوڑی دیر میں۔یونیورسٹی کو بھی خالی کروا رہے ہیں۔

لیکن کیسے آؤ گی؟؟؟

امی زونیرا ڈراپ کر دے گی مجھے۔۔۔

اچھا ٹھیک ہے۔۔میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں۔۔

امی۔۔۔وجیہہ پکاری

کیا ہوا بیٹا؟؟؟وہ محبت سے بولیں

امی صارم ٹھیک ہیں؟؟؟وہ ہلکے سے بولی

کیوں صارم کو کیا ہوا ہے؟؟؟؟وہ بے حد فکرمندی سے بولیں

امی وہ آرمی کا آپریشن شروع ہوگیا ہے نا اس لیے۔۔۔۔

اچھا؟؟؟تمہیں کیسے پتا؟؟؟وہ یقین نہیں کر رہیں تھی

آپ ٹی وی دیکھ لیں امی۔۔۔میں گھر آتی ہوں۔۔اللہ حافظ۔۔۔پریشانی میں اسکے منہ سے بس ایسے ہی الفاظ نکل سکے

میں ابو سے بات کرتی ہوں تمہارے۔۔۔اور فون بند کر دیا۔۔

ملیحہ نے ٹی وی آن کیا تو یہی خبر چل رہی تھی۔۔حیدر کو فون ملایا تو فون بند۔پریشانی کے عالم میں وہ ماں بیٹی پیچھے زبیدہ کے پاس چلی گئیں جو اس سب سے بے خبر ناشتے کے برتن دھونے میں مصروف

تھی ۔لیکن وہ اسکو صرف اتنا ہی بتا پائے تھے کہ سکول پر حملہ ہو گیا ہے کہ سفیر علی خود ہی آ گئے ۔

سفیر کیا ہوا ہے؟؟ آپ اتنی جلدی کیوں آ گئے؟؟؟غزالہ جو وجیہہ کی باتوں سے ہی ڈری ہوئی تھی فوراً پوچھا

صارم اور ریحان کہاں ہیں؟؟؟وہ بھی پریشان تھے

صارم آفس اور ریحان یونیورسٹی۔۔۔

اتنے میں وجیہہ بھی پہنچ گئی۔وہ سب لاؤنج میں جمع تھے۔

ملیحہ نے ٹی وی آن کر دیا جس میں آرمی کے آپریشن کی خبر چل رہی تھی اور سکول کے اندر وقفے وقفے سے ہونے والے دھماکوں کی خبر بھی۔زبیدہ کا دل ڈوبنے لگا۔وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔۔

میں پتا کرتا ہوں پریشان نا ہو۔انہوں نے فون نکالا اور صارم کا نمبر ملایا۔لیکن یہ نمبر تو وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بیسیوں دفعہ ملا چکے تھےلیکن جواب ایک بار پھر ندارد۔۔۔

انہوں نے ریحان کا فون ملایا۔چندبار لائن کٹ جانے کے باعث نہیں مل سکالیکن پھر ایک بار مل گیااور اس سے صرف ایک دو باتیں ہی ہو سکی۔لیکن تسلی ہو گئی کہ وہ خیریت سے ہے۔۔

انہوں نے ایک بار پھر صارم کا نمبر ملایالیکن نہیں ملا۔۔۔

ابا اسکے آفس سے معلوم کر لیں۔۔ملیحہ نے تجویز دی جو کافی معقول تھی۔

انہوں نے اسکے آفس کا نمبر ملایا لیکن فون وہاں کا بھی مصروف ہی تھا۔۔

میرا صارم کہاں ہے حیدر بھائی؟؟؟ اسکا پتا کریں۔زبیدہ اب رونے ہی والی تھی

پریشان نا ہو زبیدہ اللہ خیر کرے گا۔۔انہوں نے تسلی دی۔

لیکن ماں کے دل کو آج تک کبھی تسلی دی جا سکی ہے جو اسکے دل کو ملتی۔جانے اللہ نے ہر نعمت دے کر ماں کے دل کو تسلی کی نعمت سے کیوں محروم رکھا ہے۔کمبخت کبھی نا تو تسلی کھاتا ہے اور نا ہی جھوٹی امید باندھتا ہے۔

آپ کسی طرح پتا کریں نا اسکا سفیر بھائی۔وہ خیریت سے تو ہے نا؟؟

میں کر رہا ہوں زبیدہ لیکن نا اسکا فون مل رہا ہے نا ہی اسکے آفس کا۔میں چلا بھی جاؤنگا لیکن رستے سارے بند کر دیے ہیں اور اس طرف جانے والے تو سارے راستے مکمل طور پر بند ہیں۔میں کیا کروں؟؟؟اب وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔

وجیہہ بلکل الگ تھلگ کھڑی خود کو سنبھالے ایک کونے میں کھڑی تھی۔اس نے بھی کئی دفعہ صارم کا نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن نہیں مل سکا۔زبیدہ خالہ تو اب رو رہیں تھیں۔امی اور ملیحہ انہیں تسلی ہی دے

رہی تھی جو اس پریشانی میں بلکل بے سود تھی۔
جب وہ لاؤنج کے اس کونے میں آنسوؤں کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تو وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے مزید اپنے آنسوؤں کو روکا نہیں اور انہیں بہنے دیا۔۔۔
وہ ماں نہیں تھی لیکن اسکا دل پھر بھی ڈر رہا تھا۔
جب دل کچھ ہلکا ہوا تو وہ اٹھی اور واش روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔پھر تولیے سے منہ خشک کر کے دوبارہ نیچے آ گئی۔۔
ریحان بھی آ گیا تھا۔۔۔گھر کے سارے مکین آ چکے تھے۔نہیں آیا تھا تو صارم ہی نہیں آیا تھا۔۔۔۔۔۔
۔ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے۔
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں۔۔۔
اسکے زہن میں شعر کے الفاظ گونجے۔۔۔۔
نہیں صارم ایسا کچھ مت کرنا۔تمہاری جان کی بہت قیمت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
وہ بس اتنا ہی سوچ پائی کہ ابا کا فون صارم کے آفس میں مل گیا انہوں نے اشارہ کر کے چپ رہنے کا کہا اور بات کرنے لگے۔۔
فون پر انکی باتوں سے لگ رہا تھا کہ انہیں دوسری طرف کی آواز کچھ زیادہ اچھے سے سنائی نہیں دے رہی لیکن وہ بات کرتے رہے۔۔
کیا ہوا ابا؟؟؟ جیسے ہی انہوں نے فون بند کیا اس نے بے صبرے پن سے پوچھا
کیا ہوا سفیر بھائی؟؟؟ انکی چند لمحوں کی خاموشی زبیدہ سہہ نہیں سکی
وہ کہہ رہے ہیں کہ صارم آپریشن میں گیا ہے لیکن وہ پرامید ہیں کہ وہ انشاءاللہ خیریت سے ہوگا۔۔
ابو وہاں دھماکے ہوئے ہیں۔وہ بغیر سوچے بولی
زبیدہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا۔۔۔
دھماکے پہلے ہوئے ہیں اور آپریشن بعد میں شروع ہوا ہے۔انہوں نے اپنی طرف سے تصیح کی۔شاید صرف تسلی کی خاطر۔
وہ یہ کہہ کر اٹھے اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔ریحان بھی انکے پیچھے لپکا۔۔۔
اگلے ہی ساعت جانے کیا سوچ کر وہ بھی انکے پیچھے بھاگی۔
ابا مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

بیٹا ہم صورتحال دیکھنے جا رہے ہیں ۔تم گھر پر رہو ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں ۔۔
وہ جانا چاہتی تھی لیکن اس حالت میں انہیں مزید تنگ نہیں کیا اور اندر آ گئی ۔۔

شاہدہ کہاں ہو؟؟؟ میں کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں ۔۔جیسے ہی شاہدہ نے فون اٹھایا احسان گھبرائی ہوئی آواز میں بولا

کیوں کیا ہوا؟؟؟

کچھ نہیں میں گھر آ رہا ہوں ۔۔وہ بہت جلدی میں لگ رہا تھا

آپ کچھ بتائیں تو سہی ہوا کیا ہے؟؟؟میرا دل گھبرا رہا ہے احسان ۔۔وہ بھی پریشان ہو گئی۔

کچھ نہیں میں دو منٹ میں پہنچ رہا ہوں ۔اور فون بند کر دیا

اور وہ دو کی بجائے ایک منٹ میں پہنچ گیا ۔ٹیکسی گلی کے باہر ہی روک لی اور گھر آ گیا

شاہدہ چلو میرے ساتھ ۔۔وہ گھر میں داخل ہوتے ہی بولا

احسان ہوا کیا ہے؟؟؟وہ اب رونے ہی والی تھی ۔۔

فیصل کے سکول پر حملہ ہو گیا ہے ۔۔اس نے بم پھوڑا

کیا؟؟؟؟؟؟احسان ۔۔۔۔۔۔اسکے منہ سے چیخ نکلی ۔

فیصل کو کچھ نہیں ہوا لیکن اسکے سکول کو بند کر دیا ہے ۔ہم چل کر اسے لے آتے ہیں ۔وہ شاہدہ کو ہاتھ سے پکڑ کر کر اٹھاتے ہوئے بولا

جلدی سے آ جاؤ ۔اسے ہدایت دے کر وہ گھر سے باہر نکل گیا

وہ بھی بھاگتی ہوئی پہنچی اور احسان ٹیکسی کو سڑک پر بھگانے لگا ۔وہاں جہاں انکی دنیا کا ایک بہت بڑا ستون تھا۔

احسان میں آپ سے کہہ رہی تھی نا کہ میرا دل گھبرا رہا ہے اور آپ میرا مذاق اڑاتے تھے ۔۔وہ روتے ہوئے بولی ۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر گاڑی اسی رفتار سے بھگاتا رہا۔

شاہدہ بار بار آنسوؤں کے بیچ میں منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے تصور میں فیصل پر پھونکتی رہی ۔۔

گاڑیوں کو کافی دور تک روکا گیا تھا ۔احسان نے گاڑی روکی اور بند کر کے پیدل تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں ایک قیامتِ صغریٰ برپا تھی ۔وہ بھی آگے جانا چاہتے تھے لیکن انہیں روکا گیا ۔وہاں زندہ

سلامت بچنے والے ڈرتے کانپتے بچے آتے رہے اوروالدین انہیں گلے لگالگا کرروتے رہے لیکن انکا فیصل نہیں آیا۔۔۔

پھرانہیں اندر جانے دے دیا گیااوربہت سارے حواس باختہ والدین کے ساتھ وہ بھی اندر گئے ۔ہر طرف فوجی جوان کاموں میں مصروف تھے ۔کوئی زخمیوں کواٹھا رہاتھاتو کوئی شہید ہونے والوں کی لاشوں کواٹھارہاتھا۔۔

وہ دونوں اپنے فیصل کوتلاشتے رہے۔۔

کسی کواپنے پیارے مل رہے تھےاورکسی کونہیں۔اوراحسان اورشاہدہ کا شماربھی اس وقت ان بدقسمتوں میں ہورہاتھا جن کی تلاش صرف تلاش ہی تھی۔۔

بھائی نویں جماعت کس کمرے میں تھی؟؟؟اچانک شاہدہ نے اپنےپاس سےگزرنے والےفوجی سے پوچھا۔۔۔

اوراسکے ساتھ ہی احسان کا دھیان بھی اس جانب گیا۔اس نے بھی نظر گھمائی توکسی کمرے کے اوپراسےنظر نہیں آیا۔۔۔

اوپر والے کمروں میں دیکھ لیں۔اس فوجی نے کہا

وہ دونوں دیوانوں کی طرح بھاگتے ہوئے اورلوگوں سے ٹکراتے ہوئے سیڑھیاں چڑھےاوروہاں سامنے ہی نویں جماعت کابورڈنظر آیا۔۔۔

شاہدہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ہزیان پن میں چیختے ہوئے اس کمرے کی طرف بھاگا۔اسکے پیچھے شاہدہ بھی ایسے بھاگی جس کاتصورعام حالات میں کوئی عورت نہیں کرسکتی۔لیکن صرف وہ عورت کرسکتی ہے جس کاجگرگوشہ اپنی بقاء کی جنگ لڑرہاہو۔۔

فیصل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اندرتین یاچاربچوں کوخون میں لت پت اوندھا دیکھ کراب ہذیان پن کی باری شاہدہ کی تھی۔ان بچوں کوایک نظر دیکھ کرکوئی بھی کہہ سکتاتھاکہ ان میں اب زندگی کی رمق نہیں تھی۔

پتانہیں موت کےفرشتے کوایک ساتھ اتنی معصوموں کی زندگی چھینتے ہوئے رحم کیوں نہیں آیاتھایاپھرہوسکتاہےآیاہواوروہ بھی ایک لمحےکورویاہو۔۔۔یاپھرشایدفرشتےکورحم آیاہولیکن انسانوں کو بلکل نہیں آیا۔

شاہدہ وہی بیٹھ گئی۔ٹانگوں سےکسی نےجان نکال لی تھی اورروح جسم کےپنجرےمیں قید تھی۔وہ تورو بھی نہیں رہی تھی یاپھراسکےآنسوبلکل ہی خشک ہوگئے تھے۔وہ بری طرح کانپ رہی تھی بلکل ایسے

جیسے دسمبر کی ٹھنڈی رات میں ٹھنڈی ہوا میں کوئی ننگا وجود بے طرح کانپتا ہے۔۔۔

احسان آگے بڑھتا گیا اور اپنی آنکھیں زور سے بھینچ کر اس نے آہستہ سے ایک بچے کا چہرہ سیدھا کیا لیکن پھر آنکھیں کھولنے کا حوصلہ وہ کہاں سے لاتا۔۔۔

تھوڑی دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں۔لیکن وہ فیصل نہیں تھا۔ بچے کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔احسان نے اسکی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں بند کیا اور دوسرے بچے کی طرف گیا۔اسکا چہرہ دیکھنے پر بھی وہی ہوا کہ وہ کسی کا فیصل تو ہوسکتا تھا لیکن انکا فیصل نہیں تھا۔آہستہ آہستہ اس نے چاروں بچوں کو دیکھ لیا لیکن ان میں سے کوئی بھی فیصل نہیں تھا۔وہ بھاگتا ہوا شاہدہ کے پاس آیا۔۔اتنی دیر میں رضا کار چاروں بچوں کو وہاں سے لے گئے۔

فیصل یہاں نہیں ہے۔۔۔

اور شاہدہ نے نظر اٹھا کر اسے ایسے دیکھا جیسے کسی پھانسی کے تختے پر چڑھے کو کچھ دنوں کے لیے التواء کی خبر سنا دو اور وہ اس امید میں زندگی کی رمق دیکھ لے کہ شاید اسے معافی مل جائے۔۔۔

احسان اندر سے خود ٹوٹ پھوٹ رہا تھا لیکن مرد تھا پھر بھی خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ہاتھ دے کر شاہدہ کو اٹھایا اور وہاں سے جانے لگے۔۔دفعتاً شاہدہ مڑی اور دیوانوں کی طرح کمرے کے ایک کونے کی طرف بھاگی۔احسان بھی اسکے پیچھے بھاگا۔۔۔

احسان۔۔۔۔۔۔فیصل کے جوتے یہاں ہے اسکا بستہ بھی یہ ہے میرا فیصل کہاں ہے۔وہ اسکے جوتوں اور بستے کو دیکھتے ہوئے بولی۔وہ اسکے جوتے اور بستہ پہچان گئی تھی اور کیسے نا پہچانتی،ماں تھی وہ۔۔۔

ضبط کے بندھ باندھے احسان کا ضبط بھی ٹوٹ گیا اور اسکے آنسو بھی اپنا رستہ بنا گئے۔وہ آہستہ سے اسکے پاس ہی بیٹھ گیا۔۔۔

مجھے میرا فیصل لا کے دے دو احسان میں مر جاؤنگی اسکے بغیر۔وہ روتے روتے اسکے گلے لگ گئی تھی اور احسان خود نہیں جانتا تھا کہ اسے کیسے تسلی دے جبکہ اسے خود تسلی کی اشد ضرورت تھی۔اور ایک ماں کو جھوٹی تسلی دینے کی ہمت اس میں بھی نہیں تھی۔۔۔

اٹھو شاہدہ ہسپتال چلتے ہیں۔یہ لوگ فیصل کو وہی لے کر گئے ہونگے۔۔

احسان میں نہیں رہ سکتی اسکے بغیر۔۔۔۔وہ چیخی

ہاں تو کون کہہ رہا ہے؟اٹھو چلو ہسپتال۔وہ ٹھیک ٹھاک ہوگا وہاں۔۔۔وہ اسے اٹھا کر چل پڑا۔ اسکے جوتے اور بستہ شاہدہ نے اٹھا لیے۔بستہ تو ٹھیک تھا لیکن جوتوں پر خون کے کئی قطرے تھے

اور شاہدہ آنکھیں بند کر کے صرف سونگھ کر بھی بتا سکتی تھی کہ یہ اسکے فیصل کا خون ہے جسے اتنی بے دردی سے بہایا گیا۔۔

احسان اور شاہدہ ہسپتال گئے فیصل کے نام کی رٹ لگاتے رہے لیکن وہاں انہیں بہت سے لوگ اور بہت سے زخمی بچے مل گئے۔ وہ ایک ایک بستر پر گئے ایک ایک کمرہ چھان مارا بس نہیں ملا تو فیصل نہیں ملا۔۔۔

وہ وہاں سے ناامیدی میں نکل کر دوسرے ہسپتال میں گئے لیکن وہ تو وہاں بھی نہیں تھا۔ شاہدہ کا بلکل وہی حال تھا جو کسی بھی ماں کا ہو سکتا ہے۔ جسے ماں کے علاوہ دنیا کا کوئی انسان نہیں سمجھ سکتا۔۔

احسان میرا فیصل کہاں ہے؟؟؟ فیصل کو ڈھونڈو نا، وہ ڈر گیا ہوگا۔ دوسرے ہسپتال میں بھی نہیں ملا انہیں تو شاہدہ تو بلکل ہی ہمت ہار گئی۔

سر آپ کو بچہ ملا؟؟؟ ایک فوجی شاہدہ کی حالت دیکھ کر گویا ہوا۔۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ آہستگی سے نفی میں سر ہلایا

دوسرے ہسپتال میں چیک کرلیں۔۔۔

وہاں نہیں ہے۔ احسان ضبط کی آخری حدوں پر کھڑا بس اتنا ہی کہہ سکا

آئیں سر میں آپ کو لے چلتا ہوں ہو سکتا ہے وہاں مل جائے۔۔ فوجی گویا ہوا

فوجی آگے اور وہ دونوں اسکے پیچھے ایک بڑے ہال نما جگہ پر گئے وہاں پر کچھ بے جان وجود سفید کپڑوں میں لپٹے تھے۔

نہیں احسان فیصل مر نہیں سکتا وہ تو مجھے کہہ رہا تھا کہ میں واپس آکر تمہارے ساتھ خالہ کے گھر جاؤنگا۔ احسان کو فوجی کے پیچھے کمرے میں جاتا دیکھ کر شاہدہ نے اسے روکا۔۔

وہ شاہدہ کو وہی چھوڑ کر فوجی کے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔ اندر چھ سات معصوم وجود تھے جن کو ابھی اپنے پیارے نہیں ملے تھے۔ احسان کے دل سے ایک گہری دعا نکلی کہ فیصل کا وجود ان میں نا ہو۔ اسکے علاوہ چاہے جہاں بھی ہو بس یہاں نا ہو۔۔

فوجی نے اسے ایک چہرہ دکھایا، اسکا دل بہت دکھا وہ معصوم جانے کس وجہ سے اتنا مسکرا رہا تھا لیکن وہ فیصل نہیں تھا۔

اور دوسرے چہرے سے کپڑا ہٹاتے ہی احسان کو چند لمحوں کیلیے ایسا لگا جیسے اسکی ٹانگوں کے نیچے سے کسی نے زمین چھین لی ہے اور وہ ایک خلاء میں معلق ہو گیا ہے۔ اسے لگا زمین ڈگمگا گئی ہے۔۔

کون کہتا ہے کہ دل سے مانگی گئی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو فیصل اسے کہیں بھی مل

سکتا تھا لیکن یہاں ماں تھا اور اس وقت سے زیادہ کس وقت دل سے دعا نکلے گی ۔

وہ چہرے پر خون کے چھینٹے لیے مسکراتا بچہ فیصل ہی تھا ۔وہ تو اب بھی مسکرا رہا تھا لیکن احسان ڈھے گیا تھا ۔بلکل ویسے ہی جیسے زلزلے میں بڑی بڑی عمارتیں بنیادوں تک ڈھے جاتی ہیں ۔اب آنسوؤں پر اسکا کوئی اختیار نہیں رہا ۔اس نے فیصل کو ہلانے کی کوشش کی جانے کس امید پر؟؟ لیکن جانے والے واپس لوٹ کر کب آتے ہیں ۔۔

اس نے واپسی کیلیے قدم بڑھا دیے لیکن پھر رک گیا ۔۔

صاحب اسے کیسے بتاؤنگا جس سے یہ وعدہ کر آیا تھا کہ واپس آ کر اس کے ساتھ خالہ کی عیادت کو جائے گا ۔وہ تو اسکے آنے کے انتظار میں ہے ۔اس نے بھیگی آواز میں ساتھ کھڑے فوجی سے پوچھا ۔

فوجی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر سہارہ دیا اور اسے کمرے سے باہر لایا ۔۔

احسان کہاں ہے میرا فیصل؟؟؟؟؟

شاہدہ جو اتنی دیر سے نقاہت کی وجہ سے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی ایکدم سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی اسکے پاس آئی ۔۔۔۔

شاہدہ ہمارا فیصل نہیں رہا ۔وہ تیرے ساتھ اب کبھی نہیں جا سکتا ۔اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔۔۔

اور شاہدہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی ۔۔۔۔اپنے تاریک ہوتے ذہن کیساتھ

پھپو ماما کہاں ہیں؟؟؟ طوبیٰ نے گھر پہنچ کر اپنی پھپو کو گھر میں دیکھ کر پوچھا

ماما کہیں گئی ہوئی ہیں بیٹا تھوڑی دیر میں آ ئیں گی ۔۔۔رضوانہ نے اسے مطمئن کیا ۔

لیکن آج تو ہم جلدی آئے ہیں ۔پتا نہیں کیوں ٹیچر نے ہمیں کہا کہ جلدی سے گھر چلے جاؤ سب ۔۔وہ اسکے پاس بیٹھ گئی تھی

ہاں بیٹا ٹیچر کو کوئی ضروری کام پیش آیا ہوگا ۔۔

بیٹا تم لوگ یونیفارم بدل لو میں تم دونوں کے کھانے کیلیے کچھ بناتی ہوں ۔وہ اٹھ گئی اور کچن میں جا کر پہلے چھوٹی فضا کیلیے دودھ گرم کیا اور پھر طوبیٰ اور حبا کیلیے نوڈلز بنانے لگی ۔اندر سے وہ بھی اپنا دل کھائے جا رہی تھی لیکن بچیوں کے سامنے ٹی وی بھی نہیں کھول سکتی تھی ۔

پھپو آپ کب آئی ہیں؟؟ طوبیٰ اسکے پیچھے کچن میں آئی ۔۔۔

صبح ہی صبح میرا دل کیا کہ میں اپنی شہزادیوں سے مل لوں تو میں آ گئی ۔اس نے پیار سے کہا

اسے تو خاور نے فون کر کے بلایا تھا جب انہیں عمران کے سکول پر حملے کی اطلاع ملی اور طوبیٰ اور حباء تو سکول میں تھی لیکن فضا گھر پر ہی تھی۔اسے نا تو ساتھ لے جایا جا سکتا تھا اور نا ہی اکیلے چھوڑا جا سکتا تھا اور نا ہی وہ ثمینہ کو گھر میں چھوڑ سکتا تھا کیوں کہ وہ حالات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ اگر اسے گھر پر چھوڑ دیا تو اسکی واپسی تک وہ جی نہیں پائے گی ۔عمران ان دونوں کو جان سے بھی پیارا تھا۔

ہمیں بھی آپ بہت یاد آتی ہیں پھپھو۔۔۔

تو پھر آتے کیوں نہیں ہو پھپھو سے ملنے؟؟؟ وہ نوڈلز بناتے ہوئے بولی

آتے تو ہیں پھپھو۔۔۔

بہت دنوں بعد آتے ہو۔پاپا سے کہا کرو کہ جلدی جلدی لایا کرے تم لوگوں کو پھپھو سے ملوانے ۔وہ اسکے گال پر چٹکی بھرتے ہوئے بولی۔۔

ٹھیک ہے پھپھو آج عمی آئے گا تو پاپا سے کہہ دے گا اور پھر پاپا مان بھی جائیں گے۔وہ شوق سے ابلتے نوڈلز کی طرف دیکھتے ہوئے بولی

عمی کے نام پر رضوانہ کے دل کو ایک جھٹکا لگا۔پتا نہیں کیا حال ہوگا ہم سب کے عمی کا۔۔

کیوں پاپا تمہاری بات نہیں مانتے کیا؟؟؟ وہ بمشکل بولی

مانتے ہیں لیکن عمی بڑا ہے نا پھپھو تو ماما اور پاپا اسکی بات زیادہ مانتے ہیں۔وہ معصومیت سے بولی اور رضوانہ کی آنکھیں نم ہو گئی۔۔

اس نے کیتلی چولہے سے اٹھا دی اور قصداً منہ دوسری طرف کر کے نوڈلز باؤل میں ڈالنے لگی تا کہ وہ بچی اسکی آنکھوں کے بھیگے ہوئے گوشے نا دیکھ لے۔۔

یہ لو بیٹا۔اپنے کمرے میں جاؤ اور جب ٹھنڈے ہو جائیں تو حبا کے ساتھ کھالینا ۔وہ چاہتی تھی کہ بچیاں کمرے میں چلی جائیں تا کہ وہ اپنے بھائی کو فون کر دے یا پھر ٹی وی آن کر کے دیکھ لے۔

پھپھو یہی بیٹھ کر کھاتے ہیں نا۔۔۔وہ اسکی ذہن سے بے خبر اسکے پاس بیٹھنا چاہتی تھی۔

نہیں بیٹا میں تھک گئی ہوں کچھ دیر لیٹ جاتی ہوں لاؤنج میں اور فضا کو بھی دودھ پلا دیتی ہوں تم اور حبا روم میں جا کر کھالو۔۔وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

پھپھو جب ہم کھالیں گے تو پھر آپ کھیلیں گی نا ہمارے ساتھ؟؟؟

ہاں بیٹا کھا کر آجاؤ پھر کھیلتے ہیں ۔۔وہ تھوڑی دیر کیلیے ہی سہی لیکن بچیوں کو بھیجنا چاہتی تھی ۔۔

اور وہ دونوں نوڈلز کا باؤل اُٹھائے کمرے میں چلی گئی۔

اسنے جلدی سے فون اٹھا کر خاور کا نمبر ڈائل کیا لیکن بند تھا، دوبارہ ڈائل کیا پھر بھی بند تھا۔اس نے ثمینہ کا نمبر ملایا لیکن وہ بھی بند تھا۔اسے بہت فکر ہوئی ۔جانے وہ دونوں کہاں ہیں اور عمران کس حال میں ہوگا۔۔اس نے اپنے شوہر کا نمبر ملایا لیکن وہ بھی بند تھا۔وہ بہت پریشان ہوگئی۔۔

اس نے جلدی سے ٹی وی آن کیا۔۔۔۔

اے پی ایس دھماکے کے بعد عمارت میں بڑے پیمانے پر امدادی کاروائیاں جاری ہیں۔زخمیوں اور جاں بحق ہونے والوں کو ہسپتال منتقل کیا جا رہا ہے۔شہر کے سارے ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی

رپورٹر وہاں کے حالات رپورٹ کر رہی تھی اور رضوانہ کی سوئی ایک لفظ 'جاں بحق' پر اٹک گئی تھی۔۔

اس نے دوبارہ سے سارے نمبر ڈائل کیے لیکن جواب پھر بھی وہی تھا۔

اتنے میں اسکا شوہر ضیاء بھی آ گیا۔وہ بھی پریشان لگ رہا تھا۔ضیار ضوانہ اور خاور کا ماموں زاد بھی تھا اور اسکی خاور سے بہت بچپن کی دوستی تھی۔رضوانہ اور اسکی شادی کو ابھی ایک سال ہوا تھا اور رضوانہ کی خاور کے بچوں سے انتہائی محبت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اسکے ہاتھوں میں ہی پلے تھے۔

کچھ پتا چلا؟؟؟؟اس نے آتے ہی پوچھا

نہیں کچھ پتا نہیں چلا۔میں فون کر رہی ہوں لیکن نہیں مل رہا اور میں آپ کو بھی فون کر رہی تھی لیکن آپکا نمبر بھی بند ہے۔۔پریشانی رضوانہ کے چہرے سے عیاں تھی

میرا نمبر بند ہے؟؟؟اسنے حیران ہوتے ہوئے فون نکالا۔۔

اوہ خدایا۔۔۔۔سگنلز بلکل بند ہیں۔

اب کیا ہوگا ضیاء؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ایسا لگ رہا تھا کہ اسکی آنکھیں ابھی برسنا شروع کر دینگی۔

بچیاں کہاں ہیں؟؟؟

اندر کمرے میں ہیں۔میں نے کھانا دیا ہے۔۔

اچھا تم پریشان نا ہو اور بچیوں کا خیال رکھو میں جاتا ہوں خاور بھائی کے پیچھے۔وہ واپس مڑا

لیکن آپ جائیں گے کہاں؟؟انکا تو کچھ پتا بھی نہیں ہے اور وہاں تو اتنا زیادہ رش ہے۔وہ ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ضیاء نے بھی وہیں دیکھا۔

ہاں ہے تو سہی لیکن کہیں نا کہیں مل ہی جائیں گے،اب ایسے بیٹھ بھی تو نہیں سکتا نا،جانے وہ کس حال

میں ہیں ۔ضیاء اگر چہ عمر میں خاور سے تھوڑا چھوٹا تھا لیکن دونوں کی دوستی میں بلکل بھائیوں جیسا پیار تھا
وہ مڑا اور دروازے سے نکل گیا۔
وہ دوبارہ دوہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

ضیاء کو گئے ہوئے اب تقریباً گھنٹہ ہو گیا تھا اور رضوانہ بچیوں کی ضد پر انکی گڑیا دیکھنے لگی اور بے دلی سے انکے معصوم کھیل میں شریک تھی۔اسکا دھیان سارا اسی طرف تھا کہ خاور اور ثمینہ کس حال میں ہونگے اور عمران کہاں اور کس حال میں ہوگا۔انہی سوچوں اور فکروں کے بیچ میں دو بج گئے لیکن ان تینوں میں سے کسی کا کوئی پتا نہیں تھا۔

رضوانہ نے بچیوں کو کھیلتے چھوڑ کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔اس نے عمران کی صحت اور سلامتی کیلیے بہت دعائیں کی اور سجدے میں رو کر اللہ سے اسکی زندگی مانگی۔وہاں سے اٹھ کر اس نے بچیوں کیلئے فرج میں رکھا ہوا کھانا گرم کیا اور دو روٹیاں توے پر ڈال لیں۔بچیاں ابھی بھی کھیل رہی تھیں۔

طوبیٰ بیٹا ہاتھ دھولو شاباش کھانا بن گیا ہے۔۔

وہ دونوں ہاتھ دھو کر آئی تو وہ کھانا ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔اسکا دل بلکل کچھ بھی کھانے کو نہیں کر رہا تھا لیکن طوبیٰ کی ضد پر اسے دو چار نوالے لینے ہی پڑے۔اسے یاد آیا کہ اسکی شادی سے پہلے عمران اسکے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا اور جب وہ ٹیبل پر بیٹھتی تو تب ہی وہ بھی کھاتا۔اگر کبھی وہ یونیورسٹی سے دیر سے آتی تو اس وقت تک وہ بلکل کھانا نہیں کھاتا تھا یا پھر کبھی اسکا دل نہیں کرتا ہوتا تو عمران کی خاطر اسے کچھ نا کچھ کھانا ہی پڑتا۔

تین بج چکے تھے لیکن ان میں سے کسی کا بھی کوئی پتا نہیں تھا۔اس نے بچیوں کو ہوم ورک کرنے کے بہانے بٹھا دیا اور خود فون کرنے لگی۔اس نے ضیاء کا فون ملایا اور مل بھی گیا لیکن آخری بیپ تک اس نے ریسیو نہیں کیا۔اس نے دوبارہ ملایا لیکن پھر بھی ریسیو نہیں ہوا۔

اس نے جلدی سے خاور بھائی کا نمبر ملایا اور وہاں بھی مل گیا۔

ہیلو بھائی۔۔۔کہاں ہیں آپ؟؟ عمی کہاں ہے؟؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟؟؟ فون ریسیو ہوتے ہی اس نے بے حد جلدی میں سارے سوالات ایک ساتھ ہی پوچھ لیے

فون کے اس طرف سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔۔۔

بھائی کیا ہوا؟؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟؟

کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے گڑیا۔اب کبھی بھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔۔وہ رندھی ہوئی آواز میں بولے

کیا ہوا بھائی عمی نہیں ملا آپ کو؟؟؟ اب آنسو اسکی آنکھوں سے بھی بہنے لگے تھے

مل گیا ہے گڑیا مل گیا ہے اور ہم اسے لے کر ہی آرہے ہیں لیکن اب بس آخری بار دیکھنے کے لیے لا رہے ہیں اسے۔۔

بھائی یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ وہ با قاعدہ چیخی۔

عمی نہیں رہا گڑیا۔۔تمہارا عمی اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔۔۔۔وہ سسکیوں سے رو رہے تھے۔

فون اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔۔۔۔۔۔

جب دیوانوں کی طرح اس نے سکول کا ہر کونا چھان مارا تو وہی بیٹھ گیا۔صباء اسے نہیں ملی تھی۔

میں اگر مروں گی بھی تو آپکے ساتھ ہی مروں گی ارسل'۔اسے ایک دو دن پہلے صبا کا کہا ہوا جملہ یاد آیا۔۔

صباء تم نے تو کہا تھا کہ تم صرف زندگی ہی نہیں مرنا بھی میرے ساتھ ہی چاہتی ہو۔وہ خود سے بولا جانے اسے اسکا کہا ہوا یاد دلا رہا تھا یا خود کو۔

اس نے ادھر سے ادھر بھاگ بھاگ کر سکول کا ایک ایک کمرہ دیکھ لیا تھا۔وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ جب حملہ ہوا اس وقت وہ کس کمرے میں ہوگی۔بچوں کے والدین تو پھر بھی یہ جانتے تھے کہ انکے بچے اس قیامت کے وقت کہاں ہونگے لیکن وہ اس سے بھی بے خبر تھا۔اسکے ساتھ کامران اور جنید بھی تھےلیکن وہ ان سے بے خبر دیوانوں کی طرح سے ڈھونڈ تا رہا۔۔

اٹھیں بھائی۔۔ہسپتال چل کر دیکھتے ہیں اگر یہاں نہیں ہیں تو ضرور ہسپتال میں ہی ہونگی۔کامران اسے دور سے دیکھ کر اسکی طرف آیا اور اسے اٹھاتے ہوئے بولا

وہ کسی معمول کی طرح اسکے ساتھ اٹھ گیا اور ساتھ چلنے لگا۔

ہسپتال پہنچ کر ایک بار پھر وہ ہر وارڈ کے ہر بستر پر پڑے ہوئے زخمی کے پاس گیا اور اسے دیکھ کر آیا۔صباء وہاں بھی نہیں تھی۔۔۔

چلیں بھائی دوسرے ہسپتال میں چلتے ہیں ایک فوجی بتا رہا تھا کہ کچھ زخمی خواتین کو وہ دوسرے ہسپتال میں لے کر گئے ہیں۔۔

اٹھو ارسلان۔اب کی بار جنید نے بولا

وہ خاموش رہا۔۔

ارسلان اٹھو۔۔۔۔پہلے سے تیز آواز میں جنید بولا۔ارسلان ایک بار پھر اٹھ کر معمول کی طرح انکے

پیچھے چل پڑا۔اسکی حالت دیکھ کرجنیداورکامران بہت خوف کھارہے تھے ۔وہ رورہا تھااورچیخ رہاتھاتواچھاتھاکہ پتاتوچل رہاتھاکہ وہ زندہ ہےلیکن اب ایکدم سے خاموش تھاتوایسے لگ رہاتھاکہ زندگی ہی مرچکی ہےاسکےاندر۔۔

بات سنیں سر۔۔۔ایک فوجی رضاکارجوساتھ ہی کھڑاکسی سے بات کررہاتھاانہیں روکتے ہوئے بولا۔

آپ آئیں میرے ساتھ۔۔۔وہ انہیں اپنے ساتھ ایک آپریشن تھیٹر میں لے آیالیکن وہاں کچھ ڈاکٹر جھکے ہوئے کسی زخمی کاآپریشن کررہے تھے۔ارسلان کولگاوہ زخمی صباء ہےلیکن تھوڑاقریب ہوکردیکھنے پروہ بچہ تھا۔اس نے حیرانی سےفوجی کی طرف دیکھا

آؤ۔۔۔۔۔۔

فوجی آگےاوروہ تینوں اسکے پیچھے چلتے ہوئے اندربنےایک چھوٹے کمرے میں گئےجس میں کچھ سامان اورساتھ میں ایک سفیدکپڑابچھاہواتھا

یہاں توکوئی نہیں ہے۔۔وہ فوجی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا

سفیدکپڑے میں کوئی لپٹاہواہے جوزندگی سے بیگانہ ہے۔جاکردیکھ لوکہ تم جسکوڈھونڈرہے ہوکہیں وہی تونہیں ہے۔فوجی آہستہ سے بولا

وہ مرنہیں سکتی۔۔وہ کبھی مجھے چھوڑکرنہیں مرسکتی۔سفیدکپڑے میں کوئی اورہےصباءنہیں ہے۔سمجھے آپ۔۔۔۔وہ ہزیانی اندازمیں چیختے ہوئے واپسی کیلیے مڑا

ارسلان۔۔۔۔۔۔۔۔۔پیچھے سےفوجی نے اسکانام پکارا

اسکے ذہن میں جھماکہ ہوا۔فوجی اسکانام کیسے جانتا تھا۔وہ دوبارہ فوجی کی طرف مڑالیکن اب کی باراسکی نظروں میں ایک وحشت تھی۔۔۔۔۔۔۔ایک ہولناک وحشت۔۔۔

فوجی نےقریب پڑی ایک چھوٹی سی الماری کھولی اوراسکے اندرسے کچھ نکالا

یہ میری الماری ہےاورمیں یہاں ڈاکٹرہوں۔اس الماری میں میں اپنی چیزیں رکھتاہوں لیکن جب میں اسکاپریشن کررہاتھاتواس نے کلائی میں یہ باندھاہواتھا۔مجھے کسی نرس یاسسٹرپربھروسہ نہیں تھااس لیے میں نے خودیہ انکی کلائی سے اتارااوریہاں سنبھال لیاکہ اگروارث میری موجودگی میں ملااورمیں انہیں دیکھ پایاتوانہیں واپس کردونگااوراگرنہیں ملاتوکسی غریب کوخیرات کردونگا۔۔

فوجی بولتارہااورارسلان پتھرائی ہوئی آنکھوں سےاسکی ہتھیلی پرپڑے ہوئے اس بریسلٹ کودیکھتا رہاجواس نے اپنی شادی کی رات صباء کوتحفے میں دیاتھااورجس پرچھوٹاچھوٹا

لکھا ہوا تھا اور جسے وہ کبھی بھی نہیں اتارتی تھی۔

اگر زندگی کے کسی مشکل اور سخت وقت میں کسی کی روح پرواز کرتی تو جنید یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ارسلان رضا کی روح اسی لمحے پرواز کر چکی ہوتی۔۔

وہ بے حس و حرکت بت بنا ہوا تھا۔ایک لمحے کو جنید کو ایسا لگا جیسے زندگی سے اس نے بھی ناطہ توڑ لیا ہے۔

ارسلان۔۔۔۔اس نے زور سے اسے ہلایا اور وہ ایسے ہڑبڑایا جیسے بھیانک خواب سے جاگا ہو۔

جنید اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ مرے گی بھی میرے ساتھ ہی۔اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے بغیر مرے گی بھی نہیں،وہ ایسے کیسے مر سکتی ہے؟؟؟؟اسکے منہ سے یہی الفاظ نکلے۔

فوجی کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری تھی۔وہ سفید کپڑے کی طرف گیا اور ایک طرف سے ذرا سا کپڑا سرکا دیا۔

انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے یہ دیکھو۔۔

اور ارسلان کی نظریں ایک بار پھر ایک ہی نقطے پر جم گئی ،انکی انگلی پر۔۔۔۔۔

انہوں نے یہ انگوٹھی نہیں اتارنے دی۔جب وہ ہمارے پاس لائی گئی تو کافی حد تک زندگی سے دور تھی لیکن ہم نے اپریشن کیا۔اس وقت ہم نے زیور نہیں اتارا اور پھر اپریشن کے دوران جب ان کی زندگی نہیں رہی تو اپریشن ٹیبل سے انہیں ہٹانے اور دوسرے زخمی کو لٹانے میں تھوڑا سا وقت لگ گیا۔جب میرا دھیان گیا تو میں نے انکی کلائی سے یہ بریسلٹ اتارا لیکن تب تک انکا جسم سرد ہو چکا تھا اور جیسا کہ انکی روح بند مٹھی کے ساتھ پرواز کر چکی تھی تو یہ ہاتھ ایسے ہی سخت ہو گیا تھا اور میں انگوٹھی نہیں اتار سکا۔۔۔۔۔

اب آپ انتظام کر لیں انکی ڈیڈ باڈی یہاں سے لے جانے کی۔میں جا کر اپنے اگلے مریض کے اپریشن کیلیے تیار ہوتا ہوں۔اگر آپ نا ملتے تو ہم انہیں ٹرانسفر کر دیتے دوسری کچھ ڈیڈ باڈیز کے ساتھ ۔فوجی جانے لگا۔

سر۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ابھی دروازے میں ہی تھے کہ ارسلان جیسے ہوش میں آ گیا اور اسے پکارا۔۔

وہ رک گیا۔۔

مجھے کیسے پہچانا آپ نے؟؟؟؟اور مجھے یہاں کیسے لے کر آئے۔وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا

مجھے جانے کی جلدی ہے لیکن اتنا بتا دوں کہ انسٹھیزیا دینے سے بلکل پہلے جب میں اپریشن کیلیے بلکل تیار کھڑا تھا انہوں نے بہت ہلکے سے آپکا نام لیا۔ایک بار نہیں دوبار۔اور یہ میرے علاوہ کسی نے نہیں سنا۔پھر جب میں نے باہر آپکے دوست سے آپکا نام سنا تو میں آپکو یہاں لایا۔

وہ جانے کیلیے مڑے۔۔۔

اور ہاں آپ نے کہا کہ انہوں نے آپکے ساتھ ہی مرنے کا وعدہ کیا تھا تو انہوں نے پورا کیا۔ابھی میں نے دیکھ لیا ہے کہ اس بریسلٹ پر آپکا نام لکھا ہوا ہے اور انگوٹھی تو انہوں نے اتارنے ہی نہیں دی۔۔۔

فوجی تو یہ کہہ کر چلا گیا لیکن ارسلان رضا کی دنیا بلکل ہی ویران کر گیا تھا۔۔۔

وہ وہی پر بت بنا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس بریسلٹ اور انگوٹھی کو دیکھتا رہا۔۔۔

ارسلان اگر آپ نے ایسا کچھ کیا نا تو میں مرجاؤنگی۔۔۔اسے یاد آیا جب وہ دوراتیں پہلے اسے فون پر تنگ کررہا تھا کہ اسے اسلام آباد میں ایک لڑکی پسند آ گئی ہے۔۔۔

کیوں میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی کیا؟؟؟؟ارسلان پوچھا تھا۔

زندہ رہنا تو دور کی بات میں تو آپکے بغیر مر بھی نہیں سکتی '۔۔۔اور اسکے ساتھ وہ بہت ہنسا تھا۔

زندہ رہنا تو دور کی بات میں تو مر بھی نہیں سکتی آپکے بغیر

اس نے اپنا وعدہ پورا کیا تمہارے نام کا بریسلٹ کلائی پر سجائے اور تمہاری دی ہوئی انگوٹھی پہنے ہی اس نے جان دی ہے

اور اس نے زندگی ہارنے کے بعد بھی انگھوٹی نہیں اتارنے دی

آوازیں اسکے دماغ میں ہتھوڑوں کی طرح برس رہی تھیں۔

اسکا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔اپنے گردوپیش سے بے خبر وہ وہی فرش پر بیٹھ گیا۔۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔میجر حسن علی سپیکنگ۔۔

جی سر۔۔۔۔۔انہوں نے کہا

کیپٹن صارم کے گارڈین سے بات ہو سکتی ہے؟؟؟؟

جی میں بول رہا ہوں بتائیں صارم کہاں ہے؟؟؟؟وہ عجلت میں تھے۔ریحان گاڑی روک چکا تھا

سر انہیں آپریشن پر بھیجا گیا تھا اور مجھے بہت افسوس ہے کہ ہمارے پاس آپکے لیے اچھی خبر نہیں

ہے۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب ہے آپکا؟؟؟انکی آواز اور لہجہ دونوں ہی بہت سخت ہو گیا۔

سر فرائض کی انجام دہی میں وہ شہید ہو گئے ہیں؟؟؟؟

کیا؟؟؟؟انہیں لگا آسمان انکے سر پر گر پڑا ہے یا پھر اچانک سے دن کی روشنی میں رات کا اندھیرا چھا گیا ہے۔۔

سر انکی ڈیڈ باڈی آپکے گھر پہنچا دی جائے گی اور انہیں فوجی اعزاز کے ساتھ پرچم میں دفنایا جائے گا۔

فون انکے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔۔

کیا ہوا تایا؟؟؟بھیا ٹھیک تو ہیں نا؟؟؟ریحان بھی تقریباً رونے لگا تھا

وہ ٹھیک نہیں ہے ریحان وہ ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔۔۔وہ ریحان کو گلے لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

ریحان ہونقوں کی طرح انکا منہ دیکھتا رہا۔ابھی صبح تو بھیا نے اسے ڈانٹا تھا دیر سے اٹھنے پر اور صبح ہی تو اس نے وجیہہ کے نام پر مسکرانے پر تنگ کیا تھا انہیں۔اور ابھی دو گھنٹے ہی تو گزرے ہیں اور تایا کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟؟؟

وہ تھوڑی دیر انکے پاس بیٹھی رہی لیکن پھر اپنے دل کی رفتار سے گھبرا کر وہاں سے اٹھ گئی۔اپنے کمرے میں گئی تو کسی میکانکی قوت کی طرح سیدھا الماری کے پاس گئی اور وہ ڈبا پر نکالا جس میں صارم کے دیے ہوئے پھول اس نے دو ڈبوں میں جمع کیے تھے۔ملیحہ جو انکی اور صارم کی محبت کی گواہ تھی نے ہی اسے یہ ڈبے دیے تھے۔ایک میں اس نے وہ رکھے تھے جو صارم نے خالہ کے ہاتھ دیے تھے اور دوسرے میں وہ جو وہ خود ہر رات دروازے میں سجا کر رکھتا تھا۔دوسرے ڈبے میں ایک چھوٹا سا نوٹ بھی تھا جو اس نے پہلے دن لکھا تھا۔۔

ان پھولوں کو دیکھ کر اسکی آنکھیں ایک بار پھر نمکین پانی سے بھر گئیں۔آنسو اسکی آنکھ سے گرتے رہے اور جسکے لئے بہائے جا رہے تھے اسی کے دیے ہوئے پھول انہیں جذب کرتے رہے۔

اس نے موبائل کھولا اور اسکے نام کے میسجز نکالے۔پچھلے پندرہ دنوں سے وہ روز رات کو ایک ہی میسج کرتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ وہ سارے میسجز ایک ہی جیسے ہیں لیکن پھر بھی اسنے وہ سب ایک ایک کر کے کھولے اور انہیں پڑھا۔۔۔

پندرہ بار اس نے یہ میسج پڑھا۔۔۔

؎ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت۔۔۔۔۔۔۔۔

دل تھا کہ کسی پل چین نہیں لے رہا تھا وہ اپنے کمرے سے بھی گھبرا کر نکلی اور نیچے آ گئی۔وہاں لاؤنج میں اب تک خالہ ،امی اور ملیحہ بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ آہستہ آہستہ انکے پاس سے چلتی صارم کے کمرے میں آئی ۔اسکی ڈائری نکالی اور پڑھنے لگی۔کچھ ہی دن پہلے وہ اسکی ڈائری پڑھ چکی تھی اور اس سے آگے اس نے کچھ نہیں لکھا تھا۔اس نے ڈائری کو ادھر ادھر پلٹ کر دیکھا بغیر کسی مقصد کے۔اسے ڈائری کے دوسری طرف کچھ لکھے ہوئے صفحے دکھائی دیے۔کھولنے پر معلوم ہوا کہ صارم نے ڈائری کے دوسری طرف سے کچھ شاعری لکھی ہوئی تھی ۔ڈائری کا یہ حصہ اس نے پہلی بار میں نہیں دیکھا تھا۔۔

۔صفحے کے اوپر تاریخ لکھی ہوئی تھی جو انکے نکاح کا پانچواں دن تھا۔۔۔ - -

؎ زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں۔۔

میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہونگا

تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو

کہ میری عمر محبت کیلیے تھوڑی ہے

اک ذرا سا غمِ دوراں کا بھی حق ہے جس پر

میں نے وہ سانس بھی تیرے لیے رکھ چھوڑی ہے۔

پیار کا بن کے نگہباں تجھے چاہوں گا۔۔

میں تو مر کر بھی میری جاں تجھے چاہونگا

وہ کافی حیران ہوئی ۔اتنی رومانٹک شاعری کی امید اسے صارم جیسے روکھے انسان سے نہیں تھی

اس نے صفحہ پلٹا۔۔

اور اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔۔۔صفحے کے اوپر "وجیہہ کیلیے" لکھا ہوا تھا اور دوسرے کونے میں تاریخ وہ تھی جب خالہ نے پہلی بار اسے صارم کا دیا ہوا پھول دیا تھا۔

؎ وہ دل ہی کیا جو تیرے ملنے کی دعا نہ کرے

میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے

رہے گا ساتھ تیرا پیار زندگی بن کر

یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے

(قتیل شفائی)

ڈائری کے صفحوں نے اسکی آنکھوں سے گرنے والے آنسو اپنے اندر سمو لیے تھے۔اس نے اگلا صفحہ پلٹایا۔

؎ میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
راہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا۔

بھیگی آنکھوں سے اس نے اگلا صفحہ پلٹا۔اس پر آج سے تین دن پہلے کی تاریخ درج تھی۔۔

؎ لو اپنا جہاں دنیا والو ہم اس دنیا کو چھوڑ چلے
جو رشتے ناطے جوڑے تھے وہ رشتے ناطے چھوڑ چلے
کچھ سکھ کے سپنے دیکھ چلے، کچھ دکھ کے سپنے جھیل چلے
تقدیر کی اندھی گردش نے جو کھیل کھلائے کھیل چلے۔
ہر چیز تمہاری لوٹا دی، ہم لے کے نہیں کچھ ساتھ چلے
پھر دوش نہ دینا اے لوگوں، ہم دیکھ لو خالی ہاتھ چلے
یہ راہ اکیلی کٹتی ہے، یاں ساتھ نہ کوئی یار چلے
اس پار تو جانے کیا پائیں، اس پار تو سب کچھ ہار چلے

(ساحر لدھیانوی)

صارم۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہاں ہو تم؟؟؟ آجاؤ پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے رندھی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔

اس سے آگے صفحے خالی تھے لیکن اگر کچھ اور لکھا بھی ہوتا تو اسکی ہمت جواب دے چکی تھی۔اسکا دل کچھ عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔جانے شاعری میں صارم نے کیا بتانے کی کوشش کی تھی۔۔وہ کافی دیر تک ڈائری ہاتھ میں پکڑے وہیں بیٹھی رہی جب تایا اور ریحان کی گاڑی پورچ میں رکنے کی آواز سنی۔۔

وہ بری طرح بھاگتی ہوئی پورچ میں آئی۔اسکے پیچھے باقی تینوں عورتیں بھی آگئی۔

سفیر بھائی کیا ہوا؟؟ صارم کہاں ہے؟؟؟ زبیدہ انکے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی

وہ۔۔۔وہ۔۔۔صارم ٹھیک ہے۔۔۔ہاں۔۔۔وہ ٹھیک ہے۔۔بلکل۔۔۔الفاظ انکے منہ

سے نکلنے میں بہت وقت لے رہے تھے۔

آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں سفیر بھائی۔۔زبیدہ انکے لہجے کی لڑکھڑاہٹ سے کھٹک گئی۔

میں سچ کہہ رہا ہوں زبیدہ۔۔۔۔۔۔۔

آپ جھوٹ بول رہے ہیں ابو۔۔۔۔انکی بات کو بیچ میں ٹوکتے ہوئے وہ تیز لہجے میں بولی۔

اسکے دل نے انکے جھوٹ کو نہیں مانا تھا۔یہ دل جو اتنی دیر سے اتنا بے تاب ہو رہا تھا کسی وجہ کے بغیر تو نہیں تھا۔جانے یہ محبت کرنے والوں کے دل میں ایسا کونسا آلہ نصب ہوتا ہے جو چنگی بجانے سے بھی پہلے محبوب کے بارے میں کہے جانے والے الفاظ کو ترازو میں تول کر اسکا فیصلہ بھی سنا دیتا ہے۔اسکا دل بھی انکے کہے پر ایمان نہیں لایا تھا اور انکے الفاظ کو تول کر فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ سچ نہیں تھے۔

وہ کچھ لمحے ان تینوں کی طرف دیکھتے رہے اور پھر سر جھکا لیا۔۔۔۔۔

کیا ہوا ہے سفیر بھائی؟؟؟صارم کہاں ہے؟؟؟انہوں نے ایک بار پھر اپنے الفاظ دہرائے۔

رومی بھیا نہیں رہے امی،وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے،بچوں کو بچاتے ہوئے شہید ہو گئے وہ۔

ریحان کے صبر اور ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔۔

وجیہہ تمہیں اپنانے سے پہلے ہی وہ چلے گئے۔۔۔۔وہ روتے ہوئے چیخا۔

زبیدہ کو تو ریحان نے پکڑ لیا تھا لیکن اگر وہ دیوار کا سہارا نا لیتی تو اسکا گرنا یقینی تھا۔۔۔

ے جو رشتے ناطے جوڑے تھے وہ رشتے ناطے چھوڑ چلے۔۔۔۔۔۔

ے وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا۔۔۔۔۔۔۔

ے رہے گا ساتھ تیرا پیار زندگی بن کر۔۔

ے یہ اور بات میری زندگی وفا نا کرے

ے میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا۔۔۔۔۔

ذہن میں چلتی آندھی بہت ہولناک تھی اور وہ نازک سی لڑکی جس نے ابھی صرف خواب دیکھنے شروع کیے تھے زمانے کی آندھی کی زد میں آ گئی تھی۔اسکے دل کے سنگھاسن پر بیٹھا ہوا کیپٹن صارم شیر علی اسے ہمیشہ کیلیے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔۔۔۔۔

اور اسکی زندگی نے واقعی وفا نہیں کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سر مجھے وجیہہ بھابی سے ملنا ہے۔میرے پاس انکی ایک امانت ہے جو میں لوٹانے آیا ہوں لیکن وہ میں صرف انہیں ہی دے سکتا ہوں۔

آج صارم کی موت کوسات دن ہو چکے تھےاوردانیال وجیہہ سے ملنے آیا تھا۔گوکہ وہ جنازے میں بھی آیا تھااور پھرتقریباًروز ہی آتا رہاتھالیکن ریحان اورسفیر سے ہی مل پاتا تھا۔اورایک بارزبیدہ سے بھی ملا۔لیکن آج وہ وجیہہ سے ملنے آیا تھا۔۔۔

لیکن بیٹاتم اس سے کیسےملوگے؟؟؟سفیر نےپوچھا

انکل اگر پردے کی پرابلم ہےتووہ پردہ کرلیں اوردوسری بات یہ کہ صارم صرف میرادوست نہیں تھامیرابھائی بھی تھااس ناطےوجیہہ بھابی ساری زندگی میری بھابی رہنگی اورانکل مجھے جوکہنا ہے وہ میں آپکے سامنے ہی کہنااوردینا چاہتاہوں۔۔اسکے لہجے میں صارم کیلئےمحبت تھی۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹا۔۔میں بات کرکےآتا ہوں۔۔وہ اٹھ گئے

تھوڑی دیربعدواپس آئے اوراُنکے پیچھے وجیہہ بھی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔لائٹ گرین کلرکاسوٹ پہنےسرپردوپٹہ لیےجھکی آنکھوں کے ساتھ وہ بہت حسین لگ رہی تھی لیکن بہت زیادہ سوگواربھی۔دانیال سلام کرنے کھڑا ہوااوراسکے سلام کاآہستہ سے جواب دیتے ہوئے وہ بھی ابو کے ساتھ والےصوفے پر بیٹھ گئی۔۔

اُنکے درمیان کچھ لمحے خاموشی رہی۔۔۔۔۔۔۔شایداسلیے کہ وہ سب ہی صارم سے محبت کرتے تھےاوراس وقت وہ ایک دوسرے کےسامنے بیٹھ کرصارم کوہی یادکررہے تھے۔۔

بھابی جب صارم اورمیں آپریشن پرجارہے تھےتواس نے مجھ سے کہاتھاکہ دانیال اگرمجھے کچھ ہواتوتم یہ دوچیزیں وجیہہ کودےدینا۔۔اس نےایک لفافہ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

کیاہےاس میں؟؟؟اس نےلفافہ ہاتھ میں لیتے ہوئےپوچھا

کھول کردیکھ لیں بھابی!اس میں ایک صارم کایونیفارم ہے جواس نے مجھے آپکودینے کیلیے کہااوردوسری اس ڈبی میں ایک انگوٹھی ہے جواس نے آپکے لیےخریدی تھی جب ہم اسلام آباد گئے تھے کچھ دنوں کیلیے۔اسے وہاں یہ انگوٹھی بہت پسندآئی تھی اوراس نے خریدلی کہ شادی کاتحفہ دےگاآپکو۔۔۔دانیال کی آوازتھوڑی سے بھیگ گئی تھی لیکن وہ ضبط کررہاتھا

وجیہہ نےلفافے سےاسکایونیفارم نکال لیاجوکچھ جگہوں سےجل گیاتھا۔۔

وہ وہی دیکھنےلگی۔۔۔۔۔

بھابی یہ جل اس لیےگیاہےکہ ایک جگہ دھماکے کےبعدآگ لگ گئی اوراسکے پیچھے بچوں کاایک کلاس روم تھاجس میں موجودبچےنکل نہیں پارہے تھے۔صارم آگ میں کودکرچارپانچ بچوں کوباہرنکالنے میں کامیاب ہوالیکن اسی اثنامیں وہیں پردوسرادھماکہ ہوااور۔۔۔۔۔۔

اس اور سے آگے وہ جانتی تھی۔خاموش رہی

بھابی میں صارم کا تب سے دوست تھا جب ہم میٹرک میں ایک ہی سکول میں تھے پھر ہم نے ایف ایس سی کی اور پھر ہماری سلیکشن ایک ساتھ ہی اکیڈمی میں ہوئی۔وہاں بھی چار سال ساتھ رہے اور اسکے بعد میری پوسٹنگ پہلے کھاریاں اور پھر تین سال پہلے یہاں ہوئی اور صارم پچھلے ایک سال سے یہاں پر تھا۔ہم بہت پرانے دوست تھے۔اسکے ہاتھ پر ایک جلنے کا نشان تھا اور میں نے کئی بار اس سے پوچھا کہ وہ کس شرارت کا نتیجہ تھا لیکن وہ مجھے صرف یہی بتاتا تھا کہ یہ بچپن کی محبت کی نشانی ہے اور ابھی کچھ وقت پہلے جب میں نے اسے ایک بار پھر مذاق مذاق میں دھمکی دی کہ اب اگر نہیں بتایا کہ کس شرارت کی سزا ملی تھی تو بھابی کو بتا دونگا تو اس نے بتایا کہ آپ چونکہ اس سے تین سال چھوٹی ہیں اسلیے بچپن میں کسی موقعے پر آپ کو بچاتے بچاتے وہ اپنا ہاتھ جلا بیٹھا تھا۔

دانیال بولتا رہا اور وہ صرف سن رہی تھی۔کچھ بولنے کے قابل نہیں تھی وہ۔اسے بھی وہ سب یاد تھا۔۔

بھابی تب آپکو بچاتے بچاتے وہ ہاتھ جلا بیٹھا تھا اور آج بچوں کو بچاتے خود کو جلا بیٹھا۔۔آنسو دانیال کی آنکھوں سے گرے۔۔

دانیال بولتا جا رہا تھا اور وجیہہ کے اندر بہت کچھ چھنا کے سے ٹوٹ رہا تھا۔وہ جو اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے باوجود خود پر خول چڑھانے کی کوشش کر رہی تھی ایکدم سے سارا ضبط ٹوٹ گیا اور گالوں کو وہ بھیگنے سے نہیں روک پائی۔سر جھکائے اسکے گرنے والے آنسو اسکے گود میں پڑے صارم کے یونیفارم میں ہی جذب ہو رہے تھے۔

وہ آپ سے بہت محبت کرتا تھا بھابی اور اس سے زیادہ آپ کی عزت کرتا تھا۔اور اسکی محبت بہت پرانی تھی۔کم از کم میں تو نہیں جانتا اسکی ابتداء کے بارے میں۔۔۔

اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی انگوٹھی کی ڈبی کھول کر اس نے انگوٹھی نکالی اور آہستگی سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔سفیر اور دانیال حیرت سے اسے دیکھتے رہے۔

کیا ہوا اگر وہ خود نہیں پہنا سکے۔اگر زندہ ہوتے تو پندرہ دن بعد وہ خود پہناتے اور چاہتے کہ میں کبھی نا اُتاروں۔میں نے پندرہ دن پہلے خود پہن لی اور اب کبھی نہیں اُتاروں گی۔۔آنسوؤں کے بیچ اپنی انگلی میں پڑی انگوٹھی دیکھتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولی۔اسکی مسکراہٹ سفیر کے دل پر لگ رہی تھی اور بھانجے کی یاد ان کی آنکھوں میں بھی آنسو لے آئی۔

یہ انگوٹھی اسکے آفس کے دراز میں پڑی تھی اور میں جانتا تھا لیکن اس نے جانے سے پہلے مجھے تاکید کر کے بتایا کہ یہ آپ کو دے دوں۔خدا جانے اسے کیسے آگہی تھی کہ وہ شہید ہونے والا ہے

۔۔۔دانیال بولا

وجیہہ نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

جو رشتے ناطے جوڑے تھے وہ رشتے ناطے چھوڑ چلے۔۔۔

خدا جانے اسے کیسے اندازہ تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔

اور اسکے لیے مزید وہاں بیٹھنا ممکن نہیں تھا اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

صارم۔۔۔۔۔۔کیوں کرتے تھے مجھے اتنا پیار جب جانا ہی تھا تو۔۔۔اپنی محبت کی اتنی نشانیاں نا چھوڑ کر جاتے تو میرے لیے جینا تھوڑا آسان ہوتا۔تمہاری اتنی ساری نشانیوں کے ساتھ میں زندہ کیسے رہوں گی۔۔۔۔۔۔۔

اب اپنی پوری زندگی کے ساتھی آنسوؤں کے ساتھ روح کی گہرائی سے آواز آئی۔

سر ہمیں بہت افسوس ہے آپ کے بچے کو بچا نہیں پائے ہم۔۔۔۔۔۔اور شاہنواز کی قوتِ سماعت بلکل پرواز کر گئی تھی۔اسے ایسا لگا کہ ارد گرد بلکل خاموشی چھا گئی ہے۔۔قبر جیسی خاموشی۔وہ یک ٹک اس شخص کو دیکھتا رہا۔کیا کہہ رہا تھا وہ شخص؟؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور نا ہی اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔

لیکن پھر اس نے عائشہ کو زمین پر بیٹھتے اور دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا۔وہ اسے بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

وہ ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ ڈر گیا تھا۔۔

ہاں وہ ڈر ہی تو گیا تھا۔۔شدید ڈر گیا تھا وہ۔

میجر شاہنواز بٹ جو اپنی بہادری کیلئے اپنے دوستوں میں مشہور تھا آج اپنے بیٹے کی لاش اٹھانے سے ڈر گیا تھا۔اس نے تو ہمیشہ معصوم اور بے گناہوں کو بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی پر فخر کرتا تھا کہ اس نے آج تک کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا تو اسکے خاندان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔۔۔

لیکن وہ شخص کیا کہہ کر گیا؟؟؟؟

وہ کہہ رہا تھا کہ کسی نے اسکے شہد کی جان لے لی ہے۔۔کسی نے اسے مار دیا ہے۔۔۔۔۔

لیکن ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔۔وہ بند دماغ اور کھلی آنکھوں سوچنے لگا۔۔

عائشہ زمین پر بیٹھی دھاڑیں مار رہی تھی لیکن شاہنواز کی آنکھوں میں تو ایک آنسو بھی نہیں تھا۔ایک بھی نہیں۔۔۔

ستا ہنواز رو لو۔۔۔رو لوستا ہنواز۔۔ہمارا شہید مر گیا ہے ۔۔۔۔۔عائشہ چیخی۔۔لیکن وہ ہنوز ویسا ہی رہا

ستا ہنواز تم سن رہے ہونا؟؟؟تم روکیوں نہیں رہے ؟؟؟ ہمارا شہید مر گیا ہے ۔مر گیا ہے ہمارا شہید۔۔۔۔وہ اسے جھنجوڑتے ہوئے اسکے سینے سے آ لگی۔

اچانک اسے لگا کہ اسکے اردگرد دنیا رواں ہو گئی ہے۔اسے اپنے اردگرد پھیلا ہوا شور سنائی دینے لگا تھا۔وہ لاشوں کو اٹھائے ہوئے والدین کو دیکھ رہا تھا۔۔

اب اسے سمجھ آ گئی تھی کہ عائشہ کیوں دھاریں مار رہی تھی۔اسکا دل کیا کہ وہ بھی دھاڑیں مارے لیکن وہ نہیں مار سکا۔۔

اسکا شہید۔۔۔۔

اسکا سپر مین۔۔۔۔۔

یہ وطن اگر اس کی زندگی مانگتا تو وہ بخوشی دے دیتا۔اپنی تو اس نے زندگی وطن کے نام ہی لکھ دی تھی لیکن اس خاک نے تو اس کی زندگی سے بڑھ کر چیز لے لی تھی اس سے۔

اور پھر میجر ستا ہنواز بٹ کے گالوں پر بہتے ہوئے دو آنسو گواہی دے رہے تھے کہ ستا ہنواز جو اپنی استقامت کیلیے مشہور تھا آج ٹوٹ چکا ہے۔اسکا شہید قسمت نے نہیں انسانوں نے چھین لیا تھا۔درندہ صفت انسانوں نے جو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ تو ابھی تک اپنی معصومیت میں ٹوٹے ہوئے پھولوں تک کو پانی دیتا تھا۔

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں۔۔۔

-

اور پھر ستا ہنواز کے اندر سے ٹوٹے ہوئے خالی ستا ہنواز کا دکھ دو آنسوؤں کی صورت نکلا۔

تمام تر تاریکی کے باوجود دور افق سے صبح کا سورج نمودار ہو رہا تھا۔ننھی منی روپہلی کرنیں اندھیرے کا راج ختم کرنے کو بے تاب نظر آ رہی تھیں۔ابھی انہیں بہت جدو جہد کرنا تھی ۔اندھیرے نے بالآخر ختم ہو کر رہنا ہے۔ختم ہو کر رہے گا!